ایچ ای سی سے منظور شدہ

علمی و تحقیقی مجلہ

معارفِ اسلامی

جنوری 2011ء تا جون 2011ء

جلد: 10 شمارہ: 1

خصوصی اشاعت

بیاد

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ..... شخصیت اور خدمات 1
ڈاکٹر علی اصغر چشتی

محاضرات فقہ کا تجزیاتی مطالعہ 115
ڈاکٹر غلام یوسف

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

علمی و تحقیقی مجلہ

معارفِ اسلامی

جلد: 10 جنوری/جون 2011 شمارہ: 1

ISSN: 1992-8556

سرپرست: پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد سانگی (وائس چانسلر)

مدیر مسئول: ڈاکٹر علی اصغر چشتی

مجلسِ ادارت

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

- پروفیسر ڈاکٹر عطاء اللہ صدیقی
- پروفیسر ڈاکٹر کورنل منصور
- ڈاکٹر عز الدین بن زغیبہ
- پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود شیخ
- پروفیسر ڈاکٹر اختر سعید صدیقی
- پروفیسر ڈاکٹر ساجدہ علوی
- ڈاکٹر محمد میاں صدیقی
- ڈاکٹر محمد ضیاء الحق
- ڈاکٹر فضل اللہ
- ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

مدیر: ڈاکٹر محمد سجاد

سرورق: خالد یوسفی

تزئین: اشتیاق حسین شاہ

نگران: شہاب الدین شہاب

ترتیب و پیشکش:

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ ٭ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مجلس مشاورت

1- پروفیسر ڈاکٹر انوار حسین صدیقی
سابق صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

2- پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد
وائس چانسلر، انٹرنیشنل رفاہِ یونیورسٹی، اسلام آباد۔

3- ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ زمان
سابق نائب صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

4- پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
پروفیسر ایمرٹس، کلیہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

5- پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
سابق ڈائریکٹر شریعہ اکیڈمی، کلیہ شریعہ وقانون، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

6- پروفیسر ڈاکٹر محمد الغزالی
ادارۂ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

7- پروفیسر ڈاکٹر عبد المقصود
کلیہ اصول الدین، جامعۃ الأزھر، قاہرہ۔

8- پروفیسر مستنصر میر
ینگز ٹاؤن یونیورسٹی، امریکہ۔

9- ڈاکٹر عبد القادر سلیمان
سابق چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

اور پھر تاحین حیات قائم رہا۔ آپؒ نے اپنی حیات مستعار میں سینکڑوں نہیں ہزاروں خطبات اور لیکچرز دیئے آپ اپنے ہر لیکچر میں نئی سے نئی معلومات فراہم کرتے اور بڑی محنت کے ساتھ لیکچر دیتے تھے۔ خطباتِ بہاول پور (حصہ دوم) اور محاضرات کی سیریز اس بات کے عینی شاہد ہیں۔ ان خطبات اور محاضرات میں آپ نے یوں لگتا ہے کہ سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

ڈاکٹر غازی صاحب کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ کے سرپرست رہے۔ آپ نے اس کلیہ کی تخطیط میں بھرپور حصہ لیا اور ہمیشہ اس کلیہ کے سکالرز کی رہنمائی کی۔ علاوہ ازیں ''معارفِ اسلامی'' کی مجلس مشاورت کے ممبر کی حیثیت سے مجلس ادارت کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اس لیے آپ کے انتقال کے بعد مجلس ادارت نے فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر غازی صاحب کی یاد میں ''معارفِ اسلامی'' کا خاص نمبر ترتیب دیا جائے اور اس نمبر میں آپ کی گوناگوں خدمات اور علمی مجالات میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو مدوّن کیا جائے۔ اس نمبر کے لیے جہاں کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ کے رفقاء نے مقالات مرتب کیے وہاں دوسرے جامعات اور کلیات کے سکالرز نے بھی علمی تعاون کیا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے برادر محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد الغزالی نے بہت وقیع مقالہ اس نمبر کے لیے بطورِ خاص لکھا۔ یہ مقالہ جہاں ڈاکٹر غزالی صاحب کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہاں ڈاکٹر غازی صاحب کی حیات کے مختلف گوشوں سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی محترمہ نائلہ غازی نے اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں اور اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی اور ڈاکٹر ثناء اللہ حسین نے تفسیر اور علم تفسیر کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی خدمات پر مقالات لکھے ہیں۔ ڈاکٹر تاج الدین الازہری اور ڈاکٹر عبدالغفار بخاری نے اُن جہات کو اپنے مقالات میں نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن کی طرف ڈاکٹر غازی صاحب نے محاضراتِ حدیث میں اشارے کیے ہیں۔ ڈاکٹر غلام یوسف، ڈاکٹر شہزاد اقبال شام اور ڈاکٹر عظر یف شہباز ندوی نے اپنے مقالات میں ان جوانب پر گفتگو کی ہے جن کا تعلق فقہ اور اصول فقہ سے ہے اور جن کو ڈاکٹر غازی صاحب نے محاضرات فقہ اور خطباتِ

اس خاص نمبر کے لیے جن احباب واصحاب اور سکالرز حضرات نے مقالات لکھے میں ان سب کا شکر گزار ہوں۔ اگر یہ حضرات اپنی مصروفیات سے وقت نہ نکالتے اور ''معارف اسلامی'' کی طرف علمی تعاون کا ہاتھ نہ بڑھاتے تو اس نمبر کی اشاعت ناممکن ہوتی۔ اس کی تزئین وتحسین میں محترم خالد یوسفی صاحب کی خدمات کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ میں جناب یوسفی صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فنی تدوین کے ضمن میں اشتیاق حسین شاہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہ ایک حقیر سی کوشش ہے۔ جو ڈاکٹر محمود احمد غازی جیسی شخصیت کی شایان شان نہیں۔لیکن "لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعھا" کے مصداق ''معارف اسلامی'' کے متعلقین نے اپنی گنجائش کے مطابق کوشش کی ہے۔ اللہ جل شانہ ہماری کوشش کو قبولیت عطا فرمائے اور ہمیں اپنے مقبول بندوں کے ساتھ قلبی اور حقیقی تعلق نصیب فرمائے۔

''معارفِ اسلامی'' کا موجودہ شمارہ حسب سابق شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد سانگی صاحب کی رہنمائی اور ہدایات کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ ہائیر ایجوکیشن کمیشن نے تحقیقی مقالات کے لئے جو پالیسی وضع کی ہے اس پالیسی کو مدنظر رکھ کر مقالات کا انتخاب اور **Evaluation** کرائی گئی ہے۔ اس شمارہ کی ترتیب وتدوین کے سلسلے میں مجلس ادارت کے ارکان نے جو تعاون کیا ہے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن اساتذہ اور محققین نے مقالات مرتب کیے ہیں ان کا ممنون ہوں۔ اس شمارہ میں جو بھی خوبی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق وتائید کا نتیجہ ہے اور جو کمی اور خامی ہے وہ میری کم علمی اور بے بضاعتی کی وجہ سے ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

مدیر مسؤل ''معارفِ اسلامی''

12/جون 2011ء

شرکاء کا تعارف

حصۂ اردو

❶ پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی،

ڈین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

❷ محترمہ نائلہ غازی،

دُختر ڈاکٹر محمود احمد غازی۔

❸ ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی،

چیئرمین شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

❹ ڈاکٹر ثناء اللہ حسین،

لیکچرر، شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

❺ ڈاکٹر تاج الدین الازہری،

چیئرمین شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

❻ ڈاکٹر عبدالغفار بخاری،

اسسٹنٹ پروفیسر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

حصۂ عربی

14 ڈاکٹر عصمت اللہ،

اسسٹنٹ پروفیسر، ادارۂ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

15 ڈاکٹر فضل اللہ،

ایسوسی ایٹ پروفیسر، کلیہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

16 ڈاکٹر محمد علی غوری،

ایسوسی ایٹ پروفیسر، کلیہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

حصۂ انگریزی

17 ڈاکٹر محمد الغزالی،

پروفیسر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

18 (i) ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

(ii) سمیہ عزیز،

لیکچرار شعبہ تفسیر، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

19 ڈاکٹر جنید ندوی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ حدیث، کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

حصّہ اردو

فہرست

اشارات	مدیر مسؤل	V
پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ۔ شخصیت اور خدمات	پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی	1
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل	محترمہ نائلہ غازی	17
ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی کتاب محاضراتِ قرآنی ، تعارف وخصائص	ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی	24
علوم القرآن کی نئی جہات ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی محاضرات قرآنی کے تناظر میں	ڈاکٹر ثناءاللہ حسین	56
''محاضراتِ حدیث'' کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر تاج الدین الازہری	74
عصر حاضر میں علمِ حدیث کی خدمت کی نئی جہات	ڈاکٹر عبدالغفار بخاری	99
محاضراتِ فقہ کا تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر غلام یوسف	114
ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اور اسلام کے قانون بین الممالک کی تشریح	ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی	143
ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے تصورِ فقہِ آفاقی پر ایک ناقدانہ نظر	ڈاکٹر شہزاد اقبال شام	153

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ
شخصیت اور خدمات

* ڈاکٹر علی اصغر چشتی

ہزاروں سال نرگس! اپنی بے نوری پہ روتی ہے
چمن میں تب کہیں ہوتا ہے جا کر دیدہ ور پیدا

عالم دُنیا میں آمد و رفت کا سلسلہ سیّدنا آدم علیہ السلام کے دَور سے پورے تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ اب تک اس کائنات میں اربوں افراد آئے۔ یہاں اپنی حیات مستعار کے شب و روز سے لطف اندوز ہوئے اور پھر خاموشی کے ساتھ عالم آخرت کی طرف منتقل ہوئے۔ دُنیائے دوں میں رہنے والا ہر فرد بشر عالم سفر میں ہے۔ حرکت و اضطراب میں ہے۔ حیرت و تحیر میں ہے۔ ہر گھڑی اور ہر لمحہ آنے والوں کا استقبال ہو رہا ہے اور جانے والوں کو الوداع کہا جا رہا ہے۔ اس چیستان میں کسی کو کوئی خبر نہیں کہ آنے والے لمحات میں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور کن حالات سے اس کو دوچار ہونا ہے۔ اُس فلسفی صاحب شعور نے کیا سچ کہا ہے:

ایک مُعمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی، جواب ابرِ بہار کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ اتنی وارفتگی کے ساتھ آناً فاناً اور بلاتمہید پردہ اٹھائیں گے اور دبیز پردوں کے پیچھے چلے جائیں گے۔ ایسے پردوں کے پیچھے جہاں ہم انہیں دیکھ نہیں پائیں گے۔ ڈاکٹر غازی کو اللہ جل شانہ نے زندگی بھر صحت اور عافیت کے ساتھ رکھا۔ آپ کبھی ہسپتال میں داخل نہیں ہوئے۔ اب کی بار پہلی اور آخری مرتبہ P.I.M.S کے شعبہ انتہائی نگہداشت میں گئے۔ ڈاکٹر نے انجکشن دیا تو بحال ہوئے، افاقہ ہوا لیکن یہ شاید انہیں بھی معلوم نہ تھا کہ افاقہ وقتی اور عارضی ہے اور اب وہ اس عالم میں چند ساعتوں کے مہمان ہیں۔

---

* ڈین کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

درسِ نظامی کی تکمیل کے علاوہ ڈاکٹر غازی نے میٹرک کیا۔ ایف اے کیا اور بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ ان تمام مراحل کے امتحانات آپ نے پرائیوٹ طالب علم کی حیثیت سے اپنے مطالعہ اور محنت کے بل بوتے پر پاس کیے۔

ڈاکٹر غازی صاحب نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد عالم شباب میں کیا۔ آپ نے مولانا عبدالجبار غازی کے قائم کردہ مدرسہ ملیہ اسلامیہ میں پڑھانا شروع کیا۔ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے ذوق و شوق کی بنا پر اسلام آباد کی لائبریریوں سے استفادہ کرتے تھے۔ شیخ صاوی شعلان کے ساتھ آپ کی ملاقات ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی لائبریری میں ہوئی۔ شیخ شعلان نے جب آپ کو بتایا کہ وہ مصر کے معروف ومشہور شاعر ہیں اور یہاں آ کر علامہ اقبال کے کلام کی تعریب کرنا چاہتے ہیں۔ دورانِ گفتگو جب شیخ نے غازی صاحب کو کلام اقبال کی تعریب کے ضمن میں مدد کے لیے کہا تو غازی صاحب نے فوراً ہامی بھر لی اور اس کام میں اس حد تک منہمک ہو گئے کہ مدرسہ ملیہ اسلامیہ کی تدریس سے مستعفی ہو گئے۔ غازی صاحب بتاتے تھے کہ شیخ شعلان کے ساتھ رہ کر انہیں کلام اقبال کو بہت تفصیل اور غور وخوض کے ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔ علاوہ ازیں اس عرصہ میں عربی زبان کا ذوق بھی بڑھ گیا اور استعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ شیخ صاوی شعلان کا پروجیکٹ مکمل ہو گیا تو وہ واپس چلے گئے۔ لیکن غازی صاحب حسب معمول ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی لائبریری سے منسلک رہے۔ غازی صاحب بتاتے ہیں کہ جب ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے رفقاء تحقیق کو ان کی عربی زبان میں مہارت اور صلاحیت کا علم ہوا تو انہوں نے ادارۂ کی انتظامیہ سے بات کی اور اس طرح انہیں ادارہ میں کام کرنے کی پیشکش ہوئی۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کو join کر لینے کے بعد غازی صاحب نے بہت سرعت کے ساتھ اپنے آپ کو improve کیا۔

1972ء میں آپؒ نے ایم۔اے (عربی) کا امتحان پاس کیا۔ پھر انگریزی کی طرف توجہ دی اور انگریزی زبان میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ پڑھ بھی سکتے تھے اور لکھ بھی سکتے تھے۔ اس کے ساتھ آپ نے فرنچ زبان بھی سیکھی اور فرنچ کلچرل سنٹر سے ڈپلومہ حاصل کیا۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی لائبریری سے ڈاکٹر غازی صاحب نے بھرپور استفادہ کیا اور مسلسل استفادہ کیا۔ آپ ہمیں بتاتے تھے کہ ادارہ کی لائبریری محض لائبریری نہیں یہ بہت بڑا قیمتی خزانہ ہے اس خزانہ کی قدر و قیمت وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کہا کرتے تھے کہ اس دور کے طلبہ اور اساتذہ محض اپنی ضرورت کے مطابق کتاب سے معلومات لیتے ہیں پوری کتاب پڑھنا گوارا نہیں کرتے۔ حالانکہ کتاب کو غلاف سے غلاف تک پڑھنا چاہیے اور پورے غور وخوض کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

ڈاکٹر غازی صاحب کے بارے میں عام طور سے مشہور یہ تھا کہ آپ عربی زبان کے ماہر ہیں۔ ترجمانی کے ماہر

میں جو دینی علوم کے حامل طلبہ ہیں انہیں مروّجہ اور متداول قوانین پڑھائے جائیں اور جو مروجہ قوانین کے حامل طلبہ ہیں انہیں فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم دی جائے۔ علاوہ ازیں ایسے طلبہ اور اساتذہ تیار کیے جائیں جو بہ یک وقت احکامِ شرعیہ اور قوانین مروجہ پر دسترس رکھتے ہوں۔ اس فیکلٹی کو ڈیزائن اور launch کرنے کے لیے ڈاکٹر حسین حامد حسان اور ڈاکٹر حسن محمود الشافعی مصر سے تشریف لائے۔ دونوں اساتذہ علم و فضل اور اخلاص و خلوص کے پیکر تھے۔ لیکن یہاں کے ماحول، معاشرت، اقدار اور تعلیمی نظام سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے تخطیط اور تنسیق میں دِقت محسوس کر رہے تھے۔ انہیں مقامی طور پر ایسے سکالرز کی ضرورت تھی جو انہیں پاکستان کے احوال و اوضاع کے مطابق guide کر سکیں۔ ایسے حالات میں ڈاکٹر غازی صاحب مناسب ترین شخصیت کے روپ میں ان کے سامنے آئے۔ فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء اور شریعہ اکیڈمی کی ساری تخطیط ڈاکٹر غازی صاحب نے کی۔ آپ ہمیں بتاتے تھے کہ اُن دنوں آپ کا بیشتر وقت ڈاکٹر حسین اور ڈاکٹر شافعی کے ساتھ گزرتا تھا۔

فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء کو بعد میں مستقل حیثیت دی گئی اور پھر اس فیکلٹی کی بنیاد پر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی عالم وجود میں آئی۔ فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء میں طلبہ کو داخلہ دیا گیا تو اب ایسے اساتذہ کی ضرورت تھی جو ان طلبہ کو یونیورسٹی کے نصاب اور نظام کے مطابق پڑھا سکیں۔ اس مقصد کے لیے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے سکالرز کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ڈاکٹر احمد حسن (مرحوم) اور ڈاکٹر غازی دونوں فیکلٹی کے اساتذہ میں سرفہرست تھے۔ فیکلٹی کے ساتھ شریعہ اکیڈمی میں جب وکلاء اور ججز کے تربیتی پروگرام کا آغاز ہوا تو ڈاکٹر غازی صاحب نے وہاں لیکچرز دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ شریعہ اکیڈمی میں آپ کی شہرت ''الأحکام السلطانیہ'' (اسلام کا سیاسی نظام) کی تدریس کی وجہ سے تھی۔ آپ بڑے ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے اور بڑی محنت اور تیاری کر کے کلاس میں جاتے تھے۔

تدریس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر غازی صاحب کا تعلق قلم و قرطاس کے ساتھ برابر قائم رہا۔ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کا عربی مجلّہ ''الدراسات الإسلامیہ'' 1981ء سے آپ کے زیر ادارت چھپتا رہا۔ اس مجلّہ نے آپ کی ادارت کے دَور میں نمایاں ترقی کی۔ 1987ء تک آپ مسلسل اس کے مدیر رہے۔ آپ نے مدیر کی حیثیت سے ''الدراسات الاسلامیہ'' کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرایا۔ عربی زبان کے ساتھ فطری اور قلبی لگاؤ کی بنا پر آپ ہر ایک مقالہ کو خود پڑھتے تھے اور تفصیل کے ساتھ ایڈٹ کرتے تھے۔ شروع میں ''کلمة العدد'' کے عنوان سے اداریہ لکھتے تھے۔ ان ادارتی نوٹوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر غازی صاحب کو اس دور میں عربی محاورہ کے استعمال پر کتنا عبور حاصل تھا۔

1984ء میں آپ کو ''فکر و نظر'' کی اِدارت کی ذمہ داری ملی۔ ''فکر و نظر'' ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے آرگن کی

اور سکالرز کے سوالات کے جواب دیئے۔ آپ بتاتے تھے کہ ان دنوں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ، منطق، فلسفہ، عربی، فارسی اور انگریزی غرضیکہ تمام علوم وفنون کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ جماعت احمدیہ کے وکلاء ہر قسم اور ہر نوع کے سوالات کرتے تھے اور ہر پہلو سے الجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ ڈاکٹر غازی صاحب کو اللہ جل شانہ نے بہت قوی حافظہ عطا فرمایا تھا۔ استحضار کا ملکہ بھی قابل رشک تھا اور گفتگو کرنے کا سلیقہ بھی بہت خوب تھا۔ عدالتِ عالیہ کی جج خاتون تھیں وہ بہت غور سے فریقین کے دلائل سنتی تھیں اور cross examination بھی کرتی تھیں۔ ڈاکٹر غازی صاحب نے ان دنوں میں اس مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں جو معلومات جمع کیں اور انہیں نوٹس کی شکل میں لکھا۔ آپ کے بقول ہزاروں صفحات پر مشتمل مواد ہے۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ اس مواد کو حاصل کر کے مدوّن کیا جائے اور کتابی شکل میں شائع کیا جائے لیکن بوجوہ ایسا نہ ہوسکا۔

1985ء میں جب دعوہ اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو ڈاکٹر غازی صاحب نے اس کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے تربیت ائمہ پروگرام کے لیے ہفتہ میں ایک لیکچر کا ٹائم دیا۔ عام طور سے لیکچر ایک گھنٹہ کا ہوتا تھا لیکن ڈاکٹر غازی صاحب کی کلاس کبھی بھی دو گھنٹے سے پہلے ختم نہیں ہوتی تھی۔ شرکاء کورس سوال پر سوال کرتے تھے اور آپ خوشی خوشی جواب دیتے تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ پڑھانے سے زیادہ انہیں سوالات کے جواب دینے میں لطف آتا ہے۔ ایک موقع پر تربیت ائمہ کے شرکاء نے ہڑتال کر دی کلاسوں کا بائیکاٹ کر دیا انہیں شکایت تھی کہ عملۂ تدریس کی کارکردگی سے وہ مطمئن نہیں۔ ہم نے ڈاکٹر غازی صاحب سے درخواست کی کہ اس پروگرام کے لیے ہمیں مزید ٹائم عنایت فرمائیں۔ آپ نے پوچھا: کیا یہ لوگ میری تدریس سے مطمئن ہیں؟ ہم نے کہا: جی ہاں! آپ کی تدریس سے خوش اور مطمئن ہیں۔ کہنے لگے: ٹھیک ہے اگر یہ لوگ مجھ سے خوش ہیں تو میں ہفتہ میں دو دن آیا کروں گا۔ اس کے بعد ڈاکٹر غازی صاحب ہفتہ میں دو دِن آتے رہے۔ اکیڈمی کے رفقاء بھی آپ کے لیکچر میں شریک ہوتے تھے اور مستفید ہوتے تھے۔

1988ء میں جب دعوۃ اکیڈمی کے اندرونی امور اور معاملات میں پیچیدگی اور تناؤ پیدا ہوا اور اس تناؤ نے بالآخر گھمبیر شکل اختیار کر لی تو یونیورسٹی کی انتظامیہ نے دعوۃ اکیڈمی کے مدیر عام کی حیثیت سے ڈاکٹر غازی کا انتخاب کیا۔ مجھے اب تک وہ دِن یاد ہے جب ڈاکٹر غازی صاحب بہت سادگی کے ساتھ دعوۃ اکیڈمی کے دفتر واقع کراچی کمپنی تشریف لائے۔ ہم لوگوں نے آپ کا استقبال کیا آپ سیدھے آڈیٹوریم تشریف لے گئے۔ دعوۃ اکیڈمی کے تمام رفقاء کو جمع کیا گیا۔ آپ نے بہت نچے تُلے انداز میں خطاب کیا اور بتایا کہ دعوۃ اکیڈمی کے تقریباً تمام پروگراموں سے انہیں پوری

''ہمارے معاشرہ میں حدیث کا لٹریچر عام کرنے کی ضرورت ہے اور حدیث کی اساس پر ایسا لٹریچر مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ جو عام فہم ہو۔ روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہو اور اس پر کسی موقف کی چھاپ نہ ہو۔''

مطالعۂ حدیث کے علاوہ آپؒ نے کاتبِ حروف سے مطالعۂ اسلام کورس لکھوایا۔ یہ کورس پچاس یونٹوں پر مشتمل تھا۔ میں یونٹ کا مسوّدہ تیار کرتا تھا۔ غازی صاحبؒ اُسے اپنے بریف کیس میں رکھتے تھے۔ اُسے بار بار پڑھتے تھے۔ عبارت میں تسہیل اور اصلاح کرتے تھے اور پھر مجھے واپس دیتے تھے۔ اس کورس کا پورا مسوّدہ آپؒ نے آفسٹ پیپر پر کاتب سے لکھوایا۔ فلمیں بنوائیں۔ مضمون کے مطابق ہر یونٹ کا ٹائٹل ڈیزائنر سے بنوایا اور اس کی طباعت کے لیے بہت اعلیٰ قسم کا کاغذ منگوایا۔ لیکن ابھی مسودہ پریس میں نہیں گیا تھا کہ حالات نے اچانک کروٹ لی۔ آپ کو دعوہ اکیڈمی سے ٹرانسفر کر دیا گیا اور نائب رئیس کے منصب پر فائز کیا گیا۔ دعوہ اکیڈمی کی نئی انتظامیہ نے اپنی سطح اور فہم کے مطابق اس پروجیکٹ کا جائزہ لیا اور اسے غیر ضروری قرار دے کر suspend کر دیا۔ ڈاکٹر غازی صاحبؒ نے بعد میں کئی بار مجھ سے اس کورس اور مسوّدات کے بارے میں تذکرہ کیا۔ میں نے بھی مسوّدات حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن اہل دانش نے معاملہ بڑی سوچ سے الجھایا تھا اور اپنا کام دکھایا تھا۔

1991ء میں آپ کو دعوۃ اکیڈمی کے ساتھ ساتھ شریعہ اکیڈمی کے مدیر عام کی حیثیت سے فرائض سونپے گئے۔ اس اکیڈمی کے ساتھ آپ کا انسلاک اس کے آغاز ہی سے تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے شریعہ اکیڈمی میں کئی شعبے قائم کیے۔ اس کی لائبریری پر بطورِ خاص توجہ دی اور فقہ و اصولِ فقہ کے علاوہ مروجہ قوانین سے متعلق basic Sources اور مراجع سے اسے مزین کروایا۔ اکیڈمی سے مطبوعات کا سلسلہ جاری کرایا۔ آپؒ کی خواہش تھی کہ عربی میں جتنی بھی تفاسیرِ احکام ہیں ان کا مروّجہ اُردو میں ترجمہ کرایا جائے اور اکیڈمی کی طرف سے انہیں شائع کرایا جائے۔ اس ضمن میں امام ابوبکر جصّاص کی ''آیات الاحکام'' اور امام قرطبی کی ''الجامع لایات الاحکام'' پر آپؒ کی خصوصی نظر تھی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے فنڈز کا اہتمام کر لیا تھا اور کام کا آغاز بھی ہو گیا تھا لیکن بوجوہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تفسیر قرطبی کی پہلی جلد بعد میں شریعہ اکیڈمی کی طرف سے چھپ گئی ہے۔ آیات الاحکام کا ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے لیکن جو خاکہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں تھا اس کے مطابق یہ منصوبہ آگے نہیں بڑھ سکا۔

1994ء سے 2004ء تک ڈاکٹر غازی صاحب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے نائب صدر رہے۔ بہ ظاہر آپؒ نائب صدر تھے لیکن حقیقی معنوں میں یونیورسٹی کے تمام اُمور آپؒ کے حسب منشا چلتے تھے۔ اساتذہ اور طلبہ کے جتنے

جائے اور نصاب میں ترمیم وتخفیف کی جائے۔ دینی مدارس کی تعداد میں منطقی ترتیب پیدا کی جائے۔ ہر صوبے میں ایک مرکزی جامعہ ہو اور باقی مدارس اُس کے ساتھ منسلک ہوں۔ تمام مدارس میں دورۂ حدیث تک درجات نہ ہوں بلکہ بعض مدارس میں ابتدائی درجات ہوں۔ بعض میں متوسطہ اور محض ان مدارس میں موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کا درجہ ہو۔ جن کے پاس قابل اساتذہ اور مناسب وسائل موجود ہوں۔

2001ء میں جب ڈاکٹر غازی صاحبؒ مدرسہ تعلیم الاسلام (تبلیغی کالج) کراچی کی تقریبات میں ہمارے ساتھ تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء اور مہتممین مدارس کے سامنے آپؒ نے اپنا منصوبہ بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ وزارتِ مذہبی امور کا فنڈ اِدھر اُدھر خرچ ہونے کے بجائے دینی مدارس کی upgradation پر خرچ ہو۔ لیکن یہ منصوبہ بھی بہت ساری حائل رکاوٹوں کی بناء پر کامیاب نہ ہو سکا۔

اگست 2002ء میں ڈاکٹر غازی صاحب نے وزارتِ مذہبی امور کا قلم دان چھوڑ دیا۔

2004ء میں ڈاکٹر غازی صاحب کو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے بورڈ آف ٹرسٹیز نے بطورِ صدر منتخب کر لیا۔ یہ وہ دَور تھا جب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی مالیاتی بحران کا شکار تھی اور یونیورسٹی کے کئی یونٹ عملاً معطل ہو کر رہ گئے تھے۔ ڈاکٹر غازی صاحبؒ نے سب سے پہلے یونیورسٹی کے مالیاتی معاملات پر توجہ دی اور حکومتِ وقت کے ساتھ اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے یونیورسٹی کے فنڈز میں معقول اضافہ کرایا۔ علاوہ ازیں بیرون ملک کئی اداروں کے ساتھ رابطہ کر کے یونیورسٹی کو مالی طور پر مستحکم کر دیا۔ آپ نے یونیورسٹی کے بنیادی کلیات پر توجہ دی۔ کلیہ شریعہ اینڈ لاء کے اُمور و معاملات کو خود دیکھا۔ اس کی فیکلٹی کو بڑھایا اور اقسام میں اضافہ کیا۔ کلیہ اصول الدین میں طلبہ کے لیے سکالرشپ کا اہتمام کیا اور بہت سارے ایسے اقدامات کیے جن کی وجہ سے کلیہ اصول الدین دوبارہ زندہ ہو گیا اور کلاسیں طلبہ سے بھر گئیں۔ کلیہ عربی کے اقسام میں منطقی ترتیب کے مطابق اضافہ کیا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ یہ تینوں کلیات اسلامی یونیورسٹی کی جان ہیں۔ یہ کلّیات مخدوم ہیں اور باقی کلّیات ان کی خادم ہیں۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی عمارت ڈاکٹر غازی کی یادگار ہے۔ اس عمارت کی تعمیر پر آپ نے بہت خاص توجہ دی۔ آپ کہتے تھے کہ حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس لیے عمارت کی تعمیر میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جتنا فنڈ دستیاب ہے اسے استعمال کر لینا چاہیے۔ فنڈز کے استعمال میں آپؒ اگرچہ حد درجہ محتاط تھے لیکن جہاں واقعی ضرورت ہوتی تھی وہاں خرچ کرتے تھے۔ جب آپؒ دعوۃ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل تھے تو ہر سال اکیڈمی کے بجٹ سے ایک بڑی معقول رقم بچاتے تھے۔ آپؒ کا منصوبہ تھا کہ جب یہ فنڈ دس کروڑ تک پہنچ جائے تو اس کی بنیاد پر دعوۃ ٹرسٹ قائم کریں گے اور اس طرح دعوۃ اکیڈمی اپنے پروگراموں

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ کے کئی سکالرز نے ڈاکٹر غازی صاحب کی نگرانی میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات مرتب کیے۔ شاگردوں کے ساتھ آپ کا روّیہ غیر معمولی مشفقانہ ہوتا تھا۔ viva-voce کے دوران زیر بحث مقالہ کے تمام پہلوؤں کو بڑی تفصیل کے ساتھ اُجاگر کرتے تھے اور طلبہ کو رہنمائی فراہم کرتے تھے۔ ایک موقع پر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ایک سکالر کے مناقشہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ سکالر نے ڈاکٹر غازی صاحب کے اشراف میں مقالہ لکھا تھا۔ میں بیرونی ممتحن کی حیثیت سے تھا۔ جب مناقشہ مکمل ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے اُن تمام سوالات پر ایک ایک کر کے بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو فرمائی جو اس سکالر سے کیے گئے تھے اور فرمایا کہ:

''سکالر میں ابھی اتنی پختگی نہیں آئی کہ موضوع کے سارے پہلوؤں کو سمجھ سکے البتہ اپنی سطح کے مطابق اس نے محنت کر لی ہے اور اُمید ہے کہ مستقبل میں مزید محنت کرے گا۔''

ڈاکٹر غازی صاحبؒ کا تعلق 1988ء تک محض تدریس و تحقیق سے رہا۔ لیکن اس کے بعد مسلسل انتظام و انصرام کے اُمور سے بھی منسلک رہے۔ انتظامی معاملات میں آپؒ حد درجہ محتاط رہتے تھے۔ آپؒ نے ہمیں کئی بار بتایا کہ انتظامی امور میں وہ دو اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ایک امانت و دیانت اور دوسرا تحمل و برداشت۔

امانت و دیانت کے لحاظ سے آپ ضرب المثل تھے۔ تحمل و برداشت کا ملکہ بھی آپ کا غضب کا تھا۔ ایک مرتبہ اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ نے آپ کے دفتر کا محاصرہ کر لیا اور صبح سے شام تک آپ کے دفتر کے سامنے دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر غازی صاحبؒ سکوت اور خاموشی کے ساتھ دفتر میں بیٹھے رہے۔ عشاء کے بعد جب طلبہ نے محاصرہ اُٹھایا تو آپؒ دفتر سے نکل آئے۔ پورا دِن یونیورسٹی کی انتظامیہ کو نہیں بتایا۔ حالانکہ اُن دنوں آپ نائب رئیس تھے اور صاحبِ اختیار تھے۔ ہمیں اس واقعہ کا علم ہوا تو بہت دُکھ ہوا۔

غازی صاحبؒ بنیادی طور پر یونیورسٹی کے پروفیسر تھے اور پروفیسر کے ساتھ طلبہ کا یہ سلوک بہت ناپسندیدہ تھا۔ ہم نے آپؒ کے دفتر جا کر ملاقات کی اور اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ دورانِ گفتگو ہمارے ایک ساتھی نے کہا:

''ڈاکٹر صاحب! آپ کم از کم حافظ بشیر صاحب کو اطلاع کر دیتے وہ آ جاتے اور ان طلبہ کو سمجھا کر اُٹھا دیتے۔''

ڈاکٹر غازی صاحب نے فرمایا:

''مسئلہ طلبہ کا نہیں تھا۔ مسئلہ اُن حضرات کا تھا جو ان طلبہ کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ اگر میں مزاحمت کا راستہ اختیار کرتا تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا۔ اخبارات میں سرخیاں لگ

عربی اور انگریزی تینوں زبانوں میں آپؒ نے تالیف و تدوین کا کام کیا اور بہت وقیع کام کیا۔ ذیل میں آپ کی تالیفات کی فہرست دی جا رہی ہے۔ ان تالیفات میں سے ہر ایک تالیف کی اہمیت اور افادیت مُسلّمہ ہے۔ ان تالیفات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپؒ کو اللہ جل شانہ نے کس حد تک گوناگوں علوم و فنون میں مہارت اور بصیرت سے نوازا تھا۔

English Books

⊙	The Hijrah: Its Philosophy & Message for the Modern Man
⊙	An Analytical Study of the Sannsiyyah Movement
⊙	Renaissance and Revivalism in Muslim India
⊙	The Shorter Book on Muslim International Law
⊙	State & Legislation In Islam
⊙	Prophet of Islam: His Life & Works
⊙	Qadianism

اُردو کتب

⊙	ادب القاضی	⊙	مسودہ قانون قصاص و دیت
⊙	احکام بلوغت	⊙	اسلام کا قانون بین الممالک
⊙	محاضرات قرآن	⊙	محاضرات حدیث
⊙	محاضرات فقہ	⊙	محاضرات سیرۃ
⊙	محاضرات معیشت و تجارت	⊙	اسلامی شریعت اور عصر حاضر
⊙	امر بالمعروف و نہی عن المنکر	⊙	محکمات عالم قرآنی
⊙	قواعد فقہیہ	⊙	قرآن ایک تعارف

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل

* نائلہ غازی

صحرا میں بھٹکتے ہوئے ایک مسافر کے لیے سورج کتنا اہم ہے اس کا احساس سورج کے غروب ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ جب تک سورج اپنی آب و تاب سے چمکتا رہتا ہے ایک مسافر اپنا راستہ با آسانی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن سورج کے ڈھلتے ہی جونہی اندھیرا چھانے لگتا ہے اسے بھٹکنے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے اور سورج کی قدر ہونے لگتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہمارے ساتھ بھی ہوا۔ میرے والد صاحب علم و عمل اور اخلاق کے کس بلند درجے پر فائز ہیں انہوں نے کبھی اپنے طرزِ عمل سے ہمیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ دنیا میں وہ کتنے مقبول ہیں۔ ہمارے لیے وہ صرف ایک باپ تھے اور ایسے باپ کہ اس دور میں اس سے زیادہ خوبیوں کا حامل انسان ہونا بہت مشکل ہے۔ وہ علم، عمل، حسن اخلاق، تقوی، پرہیزگاری، خشیت الٰہی، غرض کہ ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان تھے۔ والد صاحب ہمارے لیے قدرت کا وہ عظیم تحفہ تھے جس کی قدر و قیمت کا احساس ہمیں ان کی جدائی کے بعد ہوا۔ ہم میں سے کسی کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ ان سے دریافت کرتا اور وہ منٹوں میں اس کا حل بتا دیتے۔ وہ حضور کے اخلاق حسنہ کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی بات سمجھانے اور دوسروں کو قائل کرنے کا ایک خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ وہ دینی اور دینوی تمام معاملات میں ہر وقت ہماری رہنمائی کرتے۔ جب بھی ہم ان سے کچھ پوچھتے تو وہ یا تو سیرت رسول یا اسلامی تاریخ کا کوئی واقعہ سناتے جس سے خود بخود ہمیں مسئلے کا حل مل جاتا تھا۔

شاید کلام الٰہی اور سنت رسول کی پیروی اور علوم اسلامیہ سے عشق کی حد تک لگاؤ ہی کی برکت تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا ان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ وہ جس کام کا ارادہ کرتے اس کے اسباب خود بخود پیدا ہو جاتے۔ ہر وقت پُر امید رہتے اور اپنے مقصد کے حصول میں انہیں کبھی کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے انہیں کبھی پریشان یا مضطرب نہیں دیکھا۔

ان کی شخصیت ایک ایسا آفتاب عالم تاب تھی کہ ان کے شاگردوں، گھر والوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ سبھی لوگ ان سے خوب فیض حاصل کرتے۔ جو کوئی ان کے ساتھ کچھ عرصہ رہتا وہ خود بخود نیکی کے راستے پر گامزن ہو

جاتا۔ ان کے بلند اخلاق کا اثر تھا کہ ان کے عملے کے لوگ مثلاً، ڈرائیور، گارڈ وغیرہ ان کے شیدائی ہو جاتے۔ کئی بار ان کے ساتھ ایسے لوگوں کی ڈیوٹی بھی لگی جو ماضی میں کچھ اچھی شہرت نہ رکھتے تھے لیکن ان کے ساتھ ایک قلیل مدت گزارنے کے بعد وہ یکسر بدل گئے اور دینداری کی راہ پر چل پڑے حالانکہ بابا کبھی کسی کو اپنی زبان سے کچھ نہ کہتے تھے۔ جب انہوں نے وزارت مذہبی امور چھوڑی تو ان کا سارا عملہ ان کو گھر تک چھوڑنے آیا۔ وہ سب کے سب آنسوؤں سے رو رہے تھے اور ہر کسی کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا: ہم نے اپنی زندگی میں ایسا وزیر کبھی نہیں دیکھا۔

دنیاوی شان وشوکت اور مال و دولت سے ان کو کوئی غرض نہ تھی۔ اکثر اپنا جائز حق بھی نہ لیتے۔ دین کے فروغ اور اسلامی علوم کی ترویج واشاعت کے لیے انہوں نے جتنی بھی کوششیں کیں، جتنی بھی کتابیں لکھیں کسی کے بدلے کوئی دنیاوی فائدہ کبھی حاصل نہ کیا۔ کہتے تھے کہ اگر سب کچھ دنیا میں ہی لے لیں گے تو آخرت میں کیا ملے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں آخرت کے لیے اتنا فکر مند کسی کو نہیں دیکھا جتنا وہ رہتے تھے۔ جب ساؤتھ افریقہ میں قادیانیوں کا مقدمہ چلا تو بابا مسلمانوں کے وکیل تھے۔ جب وہ مقدمہ جیتے تو ایک پاکستانی تاجر نے ان کو مرسڈیز گاڑی تحفے میں دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس کو پاکستان لے جانے میں بہت ڈیوٹی دینی پڑے گی جو میں ادا نہیں کرسکتا۔ اس پر اس تاجر نے کہا کہ میں اس گاڑی کو آپ کی دہلیز تک پہنچوا کر دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ پاکستان میں پٹرول بہت مہنگا ہے میں اس کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتا۔ اس تاجر نے جواب دیا کہ میں دس سال کے پٹرول کے پیسے آپ کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دوں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میرے اس کام کو صرف اللہ کے لیے رہنے دیں میں اس پر کوئی دینوی فائدہ نہیں لینا چاہتا۔

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

قناعت پسندی اور سادگی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے کبھی سرکاری سہولتوں کا بلاضرورت استعمال نہ کیا۔ بلکہ وہ جائز وسائل کا بھی بہت احتیاط سے استعمال کرتے۔ کبھی اپنے ذاتی یا دفتری کام کے لیے نیا کاغذ استعمال نہ کرتے، بلکہ ردی کے وہ کاغذ جن کا ایک صفحہ سادہ ہوتا ہے ان کو کاٹ کر اپنے لکھنے کے قابل بنا لیتے اور اپنا سرکاری اور ذاتی کام ان پر کرتے۔ وہ کہتے تھے کہ امام شافعی بھی ایسا ہی کرتے تھے میں تو ان کی سنت پر عمل کر رہا ہوں۔ سرکاری فون یا گاڑی کو صرف سرکاری کاموں کے لیے استعمال کرتے۔ ان کی دو سالہ وزارت کے دوران سرکاری فون کا بل جمع نہ ہوسکا کیونکہ دو سال میں بھی فون کا بل اپنی کم از کم حد تک نہ پہنچا تھا۔ اس بارے میں کبھی گھر والوں میں سے

سے ثابت نہیں ان میں لٹھ لے کر پیچھے نہیں پڑ جانا چاہیے بلکہ حکمت سے کام لینا چاہیے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے تو انہوں نے ایک دم سے ہر چیز کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ آہستہ آہستہ لوگوں کو بدلا، خود شریعت نے بھی تدریج کے اصول کو اپنایا۔ کسی بھی چیز کی حرمت واضح کرنے سے پہلے لوگوں کو بتدریج اس کے لیے تیار کیا۔ آج کل بعض لوگ بغیر کسی علم یا دلیل کے ہر چیز کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن بابا کہتے تھے کہ اللہ کا دین بہت آسان ہے اور اس میں شدت اختیار کر کے لوگوں کے لیے اس کو مشکل نہیں بنانا چاہیے۔ اگر کسی جگہ کوئی طور طریقہ رائج ہے، اگر وہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہیں ہے، اور عدل و انصاف اور مساوات و کرامت آدم کے اصول اس سے مجروح نہیں ہو رہے تو اس کو باقی رہنا چاہیے۔

بابا اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو فروعی اختلافات بھلا کر ایک دوسرے کے قریب آنا چاہیے اور باہمی عداوت اور کینہ کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بابا ساری زندگی تمام مسلمان فرقوں میں اتحاد پیدا کرنے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کے مطابق مسلمانوں کے زوال کی بڑی وجہ مسلمانوں میں فکری ترقی اور علمی ارتقاء کے عمل کا رک جانا اور محض اندھی تقلید کا رویہ عام ہو جانا ہے۔ اسی تقلید کے رویے کی وجہ سے مسلمانوں میں بے شمار فرقے وجود میں آئے جو ان کے باہم اختلافات کا سبب ہے۔ انہی اختلافات کی وجہ سے امتِ مسلمہ آج زوال پذیر ہے۔ اس زوال اور کسمپرسی کی حالت سے نکلنے کے لیے امت مسلمہ کو ذہنی اور فکری غلامی سے آزاد ہو کر اور تمام اختلافات بھلا کر اخلاقی عروج کے ساتھ ساتھ علمی ترقی کے عمل کو دوبارہ شروع کرنا ہوگا۔ بابا کا خیال یہ تھا کہ امت مسلمہ کو سب سے زیادہ نقصان کم فہم اور کم علم مذہبی پیشواؤں اور بزدل اور لالچی حکمرانوں نے پہنچایا۔ وہ ساری زندگی ان تمام اسباب کے سدباب کے لیے کوشاں رہے جن کی وجہ سے آج امت مسلمہ انحطاط کا شکار ہے۔ مسلم دنیا کے اہم اداروں مثلاً رابطہ عالم اسلامی وغیرہ کے کاموں میں بہت سرگرم رہتے اور اس کے بعض ذیلی شعبوں کے مستقل رکن رہے۔ انہوں نے دنیا کا کوئی ایسا گوشہ نہ چھوڑا جہاں وہ اللہ کے دین کی اشاعت کی غرض سے گئے نہ ہوں۔ دنیا بھر سے لوگ ان کو اپنے تبلیغ و تدریس کے کاموں میں بلاتے رہتے اور وہ کسی کی دعوت کو کبھی رد نہ کرتے تمام عمر اسی طرح دین کی ترویج کرتے دنیا کے کونے کونے میں پھرتے رہتے۔

بابا کی دلی خواہش پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ خصوصاً پاکستانی معیشت کو ایک صحیح اسلامی معیشت کے سانچے میں ڈھالنا تھا۔ یہ ان کا ایک دیرینہ خواب تھا جس کے لیے وہ ساری زندگی سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ ان کی اور ان کے دیگر ساتھیوں (مثلاً مولانا تقی عثمانی، سابق گورنر سٹیٹ بینک جناب عشرت حسین وغیرہ) ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ

کوئی از راہ مذاق کچھ کہتا تو یا تو حضرت صدیق کی خلافت کا وہ واقعہ سناتے جس میں ان کی زوجہ محترمہ نے یومیہ وظیفے میں سے تھوڑے تھوڑے پیسے بچا کر حلوہ بنالیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق کو علم ہوا تو انہوں نے وظیفے میں سے اتنے پیسے کم کروا دیے جتنے حلوہ بنانے میں خرچ ہوئے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اتنے پیسوں کے بغیر بھی گزارہ ممکن ہے۔ کبھی قائداعظم کی زندگی کا کوئی قصہ سناتے کہ کس طرح انہوں نے سادگی اور امانت کی مثالیں قائم کیں۔

بابا جب وزیر مذہبی امور کے عہدے پر فائز تھے تو ہر بدھ کو کابینہ کی میٹنگ ہوتی تھی۔ جب وہ میٹنگ میں شرکت کے لیے جاتے تو ہر رکن کے لیے ایک سادہ کاغذ اور ایک پنسل رکھی ہوتی تھی۔ ہر کوئی میٹنگ کے بعد یا تو پنسل اپنے ساتھ لے جاتا یا ادھر ادھر ہو جاتی لیکن بابا اس پنسل کو لا کر حفاظت سے اپنے دفتر کی دراز میں رکھ دیتے تھے۔ وزارت چھوڑنے کے بعد جب انہوں نے سرکاری چیزیں دفتر میں جمع کرائیں تو ان میں پنسلوں کی وہ گڈی بھی تھی جو وہ گم یا ضائع ہونے کے ڈر سے اپنے پاس جمع کرتے رہتے۔ انہوں نے وہ ساری پنسلیں اپنے عملے کو دیں اور ان کی رسید بنانے کو کہا۔ عملے والوں نے کہا کہ ایسی چھوٹی موٹی چیزوں کا یہاں کوئی حساب کتاب نہیں ہوتا۔ اس پر انہوں نے ذرا سختی سے پنسلیں جمع کرنے اور رسید بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ چیز چھوٹی ہے یا بڑی۔ یہ میرے پاس حکومت پاکستان کی امانت ہے اور اس کو واپس کرنا میرے ذمے فرض ہے۔

کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے جملوں میں اتنی بڑی بات کہہ دیتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ ایک مرتبہ میں شادی کے بعد لاہور میں مقیم تھی تو میرے گھر میں چوری ہوگئی اور گھر کا تقریباً سارا قیمتی سامان چلا گیا۔ میں نے بہت افسردگی کی حالت میں انہیں بتایا کہ بابا ہمارے گھر میں چوری ہوگئی اور یہ یہ سامان چلا گیا اس پر بابا نے ایک چھوٹا سا جملہ کہا کہ ''بیٹا جو گیا وہی بچا'' یعنی آخرت میں اجر اسی کا ملے گا جو چلا گیا۔ اس جملے میں اتنا اثر تھا یا ان کے پختہ یقین کی برکت تھی کہ اس کے بعد مجھے کبھی یہ احساس ہوا ہی نہیں کہ میرا کوئی نقصان ہوا ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ میری ایک سہیلی نے بابا سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب! میں اپنے بیٹے کو آپ کے جیسا بنانا چاہتی ہوں۔ آج کے دور میں جب کہ سکولوں اور مدارس کا حال آپ کے سامنے ہے تو کیا ایسا ممکن ہے؟ تو انہوں نے ایک چھوٹی سی بات کہی کہ ''نبوت کے علاوہ سب کچھ ممکن ہے''۔ بظاہر یہ ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اپنے معنی کے اعتبار سے بے حد گہرا اور سبق آموز ہے۔

بابا دین کے معاملے میں کسی سختی یا شدت پسندی کے قائل نہ تھے۔ کہتے تھے کہ شدت پسندی سے لوگ دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ موجودہ دور کی رسومات مثلاً سالگرہ، نیو ائر وغیرہ کے بارے میں کبھی یہ نہ کہتے کہ یہ حرام یا ناجائز ہے بلکہ یہ کہتے تھے کہ یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جن چیزوں کی حرمت قرآن یا حدیث کی نصوص

رہتے تھے۔ایک فارسی شعر بکثرت ان کی زبان پر رہتا:

ندیم خویش می سازی مرا لیکن ازاں ترسم

نہ داری تاب آن آشوب وغوغائے کہ من دارم

اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود گھر والوں کے لیے ضرور وقت نکالتے۔ ہم میں سے ہر کسی سے اس کی تعلیم کے سلسلے میں دریافت کرتے اور رہنمائی کرتے رہتے تھے۔ کبھی اسلامی تاریخ کا کوئی واقعہ سنا کر اس کے ذریعے نصیحت کرتے۔ انہوں نے کبھی تعلیم کے سلسلے میں اپنی مرضی ہمارے اوپر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی مثبت پہلو نکال لیتے تھے۔ جب میں نے بی ایس سی کے بعد ان سے ایم بی اے کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے اسے بہت سراہا اور کہا کہ ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ ہی یہ ہے کہ ہمارا معاشی نظام اسلامی نظریات پر مبنی نہیں ہے۔ اگر نیت یہ رکھو کہ جدید معاشیات کی تعلیم حاصل کر کے اس کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانا ہے تو اس دنیوی تعلیم کے حصول کو بھی اللہ تعالیٰ عبادت کا درجہ دے گا اور اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

بابا ہم سب بہن بھائیوں کے ساتھ نہایت شفقت کا برتاؤ کرتے۔ ہر کسی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا بہت خیال رکھتے۔اس کے علاوہ بھی ہر انسان کے ساتھ اس کی سطح کے مطابق حسن سلوک کا برتاؤ کرتے۔ چھوٹے بچوں پر بہت شفقت رہتی تھی۔ جب بھی میں ان کی گھر آتی تو میرے بچوں کی پسند کی چیزیں پہلے سے لا کر رکھتے۔ جب اپنی اسٹڈی میں کام کر رہے ہوتے تو میرا دو سالہ بیٹا ان کی میز کے نیچے بیٹھ جاتا اور ان سے باتیں کرتا رہتا۔ وہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ برابر اس کی باتوں کا جواب دیتے رہتے اور اس سے کبھی تنگ نہ ہوتے۔ وہ ان کی انگلی پکڑ کر ان کو کہیں بھی لے جاتا تو اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے اور وہ جو کچھ کہتا جاتا وہی کرتے رہتے۔ بچوں کے لیے ٹافیاں اور جانور مثلاً مچھلیاں اور چوزے لانے کا بہت شوق تھا۔ خود اتوار بازار جا کر بچوں کے لیے جانور خریدتے۔

بابا کو بازاروں میں پھرنا اور لمبی شاپنگ کرنا سخت ناپسند تھا۔ کہتے تھے کہ اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں۔ بازار صرف ضرورت کے وقت جاتے، سیدھے اپنے مطلب کی دوکان پر جاتے اور بھاؤ تاؤ میں زیادہ بحث کیے بغیر تھوڑی سی دیر میں ساری خریداری کر کے واپس آجاتے۔

بابا بہت نرم خو اور نرم مزاج انسان تھے۔ انہوں نے زندگی بھر کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ گھر والوں کے علاوہ تمام خاندان والوں کے دکھ درد میں شریک رہتے اور ان کی مدد اور رہنمائی کرتے۔ رشتہ داروں کی ہر خوشی اور غم کے موقع پر ان کے ساتھ ہوتے۔ گھریلو ملازمین اور اپنے عملے کے لوگوں (مثلاً ڈرائیور اور گارڈ وغیرہ) کا

آج پاکستان میں بہت سے اسلامی بینک کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ بابا کا خیال تھا بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت بھی ہے کہ پاکستان کی معاشی تباہ کاری کی بڑی وجہ سودی معیشت ہے۔ سود ایک ایسی لعنت ہے جس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کھلم کھلا اعلان جنگ کیا ہے۔ بہت سے لوگ اسلامی بینکاری کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اسلامی بینکوں اور دیگر کمرشل بینکوں کے کام کے طریقہ کار میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ لیکن بابا کا نظریہ یہ تھا کہ آج کل کے جدید بینکاری کے نظام میں جو چیزیں اسلام سے متصادم ہیں (مثلاً ربا، قمار، غرر وغیرہ) ان کا خاتمہ کر کے اسی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے اور ربا اور دیگر حرام چیزوں کے اسلامی متبادلات ڈھونڈے جا سکتے ہیں۔ جس طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے سارے نظام یا طرز زندگی کو یکسر نہیں بدلا بلکہ لوگوں کے رہن سہن اور معیشت و معاشرت میں جو چیزیں شریعت سے متصادم تھیں ان کی نشاندہی کی اور ان چیزوں کے بہتر نعم البدل عطا فرمائے۔ اسی طرح موجودہ دور میں جدید بینکاری کے نظام کو کچھ اصلاحات کے بعد اسلام کی روح کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔

بابا کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ دادی محترمہ بتاتی ہیں کہ کہ بچپن میں جب بابا اور چچا مدرسے جاتے تھے تو ہمارے دادا محترم روزانہ جیب خرچ اور تانگے کا کرایہ دیتے تھے۔ بابا نے کبھی اس جیب خرچ سے کوئی کھانے کی چیز نہ خریدی بلکہ اس کو جمع کر کے رکھتے اور کوئی کام کی کتاب خرید لیتے۔ کبھی مدرسے سے بس اسٹاپ تک جانے کے لیے تانگہ استعمال نہ کیا بلکہ روزانہ اپنے کرائے کے چار چھ آنے بچا لیتے۔ چچا کو تانگے میں بٹھا دیتے اور خود تانگے کے ساتھ ساتھ پیدل بس اسٹاپ تک جاتے تاکہ چچا کا خیال بھی رکھیں اور کرایے کے پیسے بھی بچا لیں جن سے کتاب خرید سکیں۔ کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا یہ شوق آخر تک جاری رہا۔ جہاں بھی جاتے وہاں سے کتابیں خرید کر لاتے اور انہیں بہت احتیاط سے رکھتے۔ ایک دفعہ میرے پاس لاہور آئے تو انہیں لاہور شہر میں کسی جگہ کا راستہ معلوم نہیں تھا۔ اگر تھا تو صرف دو مقامات کے راستوں کا علم تھا ایک اردو بازار اور ایک پرانی انارکلی میں کتابوں کا بازار۔

بابا کو علامہ اقبال کی شخصیت سے گہری عقیدت اور ان کی شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ اکثر اقبال کے مختلف اشعار کا ہم سے مطلب پوچھتے اور اس پر انعام دیتے۔ کبھی ایک مصرعہ پڑھتے اور اگلا بتانے کو کہتے۔ شاعری کے علاوہ علامہ اقبال اور قائداعظم اور تحریک پاکستان کے دیگر قائدین کی زندگیوں کے اہم اور دلچسپ واقعات ہمیں اکثر سناتے۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کی طرف سے مختلف عبادات مثلاً حج، عمرہ اور قربانی وغیرہ کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی کئی نظموں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ علامہ اقبال کے بیشتر اشعار زبانی یاد تھے اور کچھ مخصوص پسندیدہ اشعار گنگناتے

خاص خیال رکھتے۔ ہر کسی سے الگ الگ اس کے گھر والوں کا حال پوچھتے اور ان کی معاشی مدد کرتے رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''دو آدمی رشک کے قابل ہیں، ایک وہ جس کو خدا علم دے اور وہ اسے دوسروں تک پہنچائے، اور دوسرا وہ جس کو خدا مال دے اور وہ اسے دوسروں پر خرچ کرے''۔ بابا کو اللہ تعالیٰ نے علم اور مال دونوں کی دولت سے نوازا تھا اور وہ اسے ساری زندگی دوسروں پر لٹاتے رہے۔ شاید اسی لیے ان کو اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لیے قابل رشک بنا دیا تھا۔

جب وہ وزیر مذہبی امور کے عہدے پر فائز تھے تو اپنے ڈرائیور کی بیٹی کی شادی میں ہم سب کو لے کر گئے اور اس کی خوشی میں شریک ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے جتنی عزت کی زندگی ان کو دی تھی اتنی ہی عزت سے اپنے پاس بلا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی انسان کی بخشش کے لیے کافی ہے کہ تین لوگ اس کے بارے میں خیر کی گواہی دیں۔ جبکہ بابا کے جنازے پر ہزاروں لوگوں کا مجمع یہ گواہی دے رہا تھا کہ ہم نے اس انسان میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ انکے جنازے میں شریک ہونے والے بتا رہے تھے کہ اس موقع پر ہر کوئی اس طرح بلک بلک کر رو رہا تھا جیسے اس کی سب سے عزیز ہستی اس سے چھن گئی ہو۔ ان کے وصال کے بعد ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ بھی تعزیت کے لیے آئے جن کو گھر والوں میں کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا ان کو کتنا پسند کرتی تھی۔ بابا کی جدائی کا غم ہے تو بہت عظیم لیکن شاید یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان ہے اور مؤمن وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہر آزمائش پر پورا اترے اور صرف اس کی رضا میں راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس امتحان میں کامیاب ہونے کی ہمت اور بابا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو تیرا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی کتاب محاضرات قرآنی: تعارف و خصائص

* ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

ڈاکٹر محمود احمد غازی کو اللہ جلّ شانہٗ نے گوناگوں صفات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا.......................آپ نے اپنی ساری زندگی قلم و قرطاس کی معیت میں گزاری.................علومِ اسلامیہ سے متعلق امہاتِ الکتب اور معاصر لٹریچر کا مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ اسی مشغلہ میں آپ نے اپنی شب روز کا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ عالم دُنیا سے رخصت ہوئے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قرآنِ مجید کے حفظ سے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا اور قرآن کے ساتھ مسلسل اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ قرآن مجید کی اہم تفاسیر کا مطالعہ آپ کے معمولات میں شامل تھا...........علوم القرآن کے مصادر و ماخذ کے محتویات اور اہم جوانب آپ کو از بر تھے.................اس موضوع پر جب آپ گفتگو کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ متقدمین، متاخرین اور معاصرین کے ذخائر آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ اُن سے حسب موقع اقتباس لے کر پیش کر رہے ہیں۔ ''محاضراتِ قرآنی'' دراصل ان بارہ خطبات کا مجموعہ ہے جو ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے اپریل ۲۰۰۳ء میں اُن خواتین اساتذہ کے حلقہ میں پیش کیے جن کا تعلق تدریس قرآن سے ہے۔

ان محاضرات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت قاری پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے قرآنی علوم پر لکھے جانے والے علمی ذخیرہ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ایک خاص تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔ قرآنِ مجید کے علوم اور مضامین پر اُردو زبان میں لکھی جانے والی کتب کی صف میں ڈاکٹر صاحب کے محاضرات پر مشتمل کتاب ''محاضراتِ قرآنی'' سہل اور سلیس انداز میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔

اس بیان کا اندازہ ''محاضراتِ قرآنی'' کے درج ذیل محتویات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

- ⊙ خطبہ اول: تدریس قرآن مجید ایک منہاجی جائزہ
- ⊙ خطبہ دوم: قرآن مجید ایک عمومی تعارف
- ⊙ خطبہ سوم: تاریخ نزول قرآن مجید

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر/ چیئرمین شعبہ قرآن و تفسیر، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی کتاب محاضرات قرآنی: تعارف و خصائص

* ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

ڈاکٹر محمود احمد غازی کو اللہ جلّ شانہٗ نے گوناگوں صفات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا.................... آپ نے اپنی ساری زندگی قلم و قرطاس کی معیت میں گزاری.................... علومِ اسلامیہ سے متعلق امہاتِ الکتب اور معاصر لٹریچر کا مطالعہ آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ اسی مشغلہ میں آپ نے اپنی شب روز کا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ عالمِ دُنیا سے رخصت ہوئے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قرآنِ مجید کے حفظ سے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا اور قرآن کے ساتھ مسلسل اپنے آپ کو وابستہ رکھا۔ قرآن مجید کی اہم تفاسیر کا مطالعہ آپ کے معمولات میں شامل تھا.......... علوم القرآن کے مصادر و مآخذ کے محتویات اور اہم جوانب آپ کو ازبر تھے.............. اس موضوع پر جب آپ گفتگو کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ متقدمین، متاخرین اور معاصرین کے ذخائر آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ اُن سے حسب موقع اقتباس لے کر پیش کر رہے ہیں۔ ''محاضراتِ قرآنی'' دراصل ان بارہ خطبات کا مجموعہ ہے جو ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے اپریل ۲۰۰۳ء میں اُن خواتین اساتذہ کے حلقہ میں پیش کیے جن کا تعلق تدریس قرآن سے ہے۔

ان محاضرات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت قاری پر عیاں ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے قرآنی علوم پر لکھے جانے والے علمی ذخیرہ کا بغور مطالعہ کیا ہے اور ایک خاص تسلسل کے ساتھ کیا ہے۔ قرآنِ مجید کے علوم اور مضامین پر اُردو زبان میں لکھی جانے والی کتب کی صف میں ڈاکٹر صاحب کے محاضرات پر مشتمل کتاب ''محاضراتِ قرآنی'' سہل اور سلیس انداز میں ایک عمدہ اضافہ ہے۔

اس بیان کا اندازہ ''محاضراتِ قرآنی'' کے درج ذیل محتویات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

- خطبہ اول: تدریس قرآن مجید ایک منہاجی جائزہ
- خطبہ دوم: قرآن مجید ایک عمومی تعارف
- خطبہ سوم: تاریخ نزول قرآن مجید

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر/ چیئرمین شعبہ قرآن وتفسیر، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

- خطبہ چہارم: جمع وتدوین قرآن مجید
- خطبہ پنجم: علم تفسیر ایک تعارف
- خطبہ ششم: تاریخ اسلام کے چند عظیم مفسرین قرآن
- خطبہ ہفتم: مفسرین قرآن کے تفسیری مناہج
- خطبہ ہشتم: اعجاز القرآن
- خطبہ نہم: علوم القرآن ایک جائزہ
- خطبہ دہم: نظم قرآن اور اسلوب قرآن
- خطبہ یازدہم: قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اہم مضامین
- خطبہ دوازدہم: تدریس قرآن مجید دور جدید کی ضرورت اور تقاضے

سبب خطبات

مذکورہ بالا دس خطبات کے سبب اور ان کی ضرورت کے متعلق ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ:

”قرآن کریم، تاریخ وتدوین قرآن کریم اور علوم القرآن کے چند پہلوؤں پر یہ خطبات اپریل ۲۰۰۳ء میں خواتین مدرسات قرآن کے روبرو دیئے گئے۔ ان خطبات کی ضرورت کا احساس سب سے پہلے میری بہن محترمہ عذرا نسیم فاروقی کو ہوا، جو اگرچہ عمر میں مجھ سے کم لیکن دینی حمیت، اخلاص اور للّٰہیت میں مجھ سے بہت آگے اور میرے جیسے بہت سوں کے لیے قابل رشک ہیں۔ وہ خود ایک عرصہ سے درس قرآن کا اہتمام کر رہی ہیں۔ . . “(۱)۔

اسلوب خطبات

خطبات کے اسلوب کے متعلق ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

”ان خطبات کی زبان تحریری نہیں تقریری ہے۔ انداز بیان عالمانہ اور محققانہ نہیں داعیانہ اور خطیبانہ ہے۔ چونکہ خطبات کا کوئی متن پہلے سے تیار شدہ نہ تھا اس لیے انداز بیان میں خطیبانہ رنگ کہیں کہیں بہت نمایاں ہو گیا ہے۔ نظر ثانی کے دوران میں اس انداز کو بدلنا طویل وقت کا متقاضی تھا۔ اس لیے اس کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔“(۲)

خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں تدریس قرآن کے عمل کو بہتر طریقے سے انجام دے سکے۔ اس اصول کو ڈاکٹر غازیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''جب ہم تدریس قرآن مجید کا ایک منہاجی جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید کی تدریس کے آج کل کون کون سے طریقے رائج ہیں، ان طریقوں میں کیا کیا مقاصد کارفرما ہیں اور ہمارے پیش نظر جو مقاصد ہیں ان کو حاصل کرنے لیے تدریس قرآن کے اس عمل کو زیادہ سے زیادہ بہتر کیسے بنایا جائے۔

منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جو کسی ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے یا کسی بڑے عمل کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے شریعت کے ساتھ ساتھ منہاج کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ منہاج سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے کسی حکم پر عملدرآمد کرنے کے لیے جو طریق کار اور اسلوب اختیار کیا جائے وہ کیا ہو، اس کے تقاضے کیا ہوں اور اس کی تفصیلات کو کیسے مرتب اور مدون کیا جائے (۴)۔

۳۔ اس کتاب میں قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے اغراض و مقاصد کے تعین کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کو قرآن مجید کا مطالعہ کیوں کیسے اور کس لیے کرنا چاہئے!(۵)۔

غیر مسلموں کے لئے مطالعہ قرآن کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک انصاف پسند غیر مسلم اگر قرآن مجید پر نظر ڈالے گا اور قرآن مجید کی تاریخ اور انسانیت پر اس کتاب کے اثرات کا مطالعہ کرے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کتاب کا مطالعہ اس کے لیے بھی شاید اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس کتاب کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس نے انسانیت کی تاریخ پر اتنا گہرا اثر ڈالا ہو جتنا قرآن مجید نے ڈالا ہے(۶)۔

۴۔ اس کتاب میں ماضی اور حال میں لوگوں میں پائی جانے والی ایک بہت بڑی اور خطرناک غلط فہمی کی نشاندہی کر کے اس سے مکمل طور پر اجتناب کرنے کی نصیحت کی گئی ہے چنانچہ صاحب کتاب فرماتے ہیں:

''نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی تھی (جو کسی حد تک اب بھی پائی جاتی ہے) کہ ہر وہ چیز جو انسانوں کو کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے وہ اپنے اندر خاص قسم کے مافوق الفطرت اثرات اور قوتیں رکھتی ہے۔ یہ غلط فہمی انسانوں میں بہت پہلے کم علمی اور جہالت کی وجہ سے پیدا ہوگئی، اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ ہر وہ قوت جو اس کی نظر میں مافوق الفطرت حیثیت رکھتی ہے وہ اس بات کی مستحق ہے کہ نہ صرف اس کا احترام کیا جائے بلکہ اس کی تقدیس

''مسلمان کو قرآن مجید کا مطالعہ اس لیے کرنا چاہئے کہ قرآن مجید ہی مسلمانوں کی زندگی کی اساس ہے، جس عالمی برادری کو ہم امت مسلمہ کہتے ہیں (جس کے لیے کبھی کبھی ملت اسلامیہ کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔اس کی اساس صرف قرآن مجید ہے، قرآن مجید کے علاوہ امت مسلمہ کی اور کوئی اساس نہیں ہے۔قرآن مجید ہمارے پاس دو شکلوں میں آیا ہے:

۱۔ قرآن ناطق، یعنی بولتا قرآن

۲۔ قرآن صامت، یعنی خاموش قرآن

قرآن صامت (یعنی خاموش قرآن) جو یہ کتاب ہے جو خود تو نہیں بولتی لیکن ہم اسے پڑھتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں۔قرآن ناطق یعنی بولتا قرآن وہ ذات گرامی ہے، علیہ الصلاۃ والتحیہ، جس نے قرآن مجید کو دنیا تک پہنچایا، اس کی تفسیر و تشریح کی اور اس قرآن پر عمل کر کے دکھایا۔ . .(۱۱)۔

۸۔ کتاب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی تدریس میں مخاطبین کی ذہنی و علمی استعداد کا لحاظ رکھنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''درس قرآن کے اسلوب اور منہاج پر بات کرتے ہوئے ہمیں یہ ضرور خیال رکھنا اور دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اس درس کے مخاطبین کون ہیں۔مخاطبین کا لحاظ رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مخاطبین کی بہت سی علمی اور فکری سطحیں ہوتی ہیں، بہت سے پس منظر ہوتے ہیں اور ان سب کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔بعض اوقات درس قرآن کا مخاطب ایک عام تعلیم یافتہ شہری ہوتا ہے، اس کے تقاضے اور ضروریات اور ہوتے ہیں۔۔اس لئے پہلے یہ تعین کر لینا چاہئے کہ ہمارا ہدف کیا ہے اور ہم کس طبقہ کو خطاب کرنا چاہتے ہیں، جس طبقہ اور جس معیار کے لوگوں سے بات کرنی ہو اس طبقہ کے فکری پس منظر، اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات، اس طبقہ میں اٹھائے جانے والے سوالات، ان شبہات و سوالات کا منشا پہلے سے ہمارے سامنے ہونا چاہیے''(۱۲)۔

۹۔ کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالے سے نزول قرآن کے درج ذیل تین مقاصد کو بیان کر کے آسان الفاظ میں ان کی توضیح کی گئی ہے:

الف۔ تہذیب نفوس البشر کے انسانوں کے نفوس کی اندر سے تہذیب ہو۔

۲۔ ''اگر کسی نے مغربی افکار اور نظریات کا گہرا مطالعہ کیا تو آپ اسے عبدالماجد دریابادی کی تفسیر پڑھنے کا مشورہ دیں جو ایک جلد میں ہے۔لیکن بڑی غیر معمولی اور عمدہ تفسیر ہے''(۱۷)۔

۳۔ اگر کوئی شخص تقابل ادیان میں دلچسپی رکھتا ہے تو ایک تفسیر حقانی ہے،،انیسویں صدی کے اواخر میں ایک بزرگ تھے مولانا عبدالحق حقانی، یہ ان کی تفسیر ہے،،(۱۸)۔

۴۔ اگر کوئی انگریزی ادب کا دلدادہ ہے اور مغرب کی نفسیات کا طالب علم ہے تو پھر آپ اسے عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر دیں(۱۹)۔

پھر فرماتے ہیں:

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پہلے آدمی کا ذوق اور مزاج دیکھ لیں اور اس کے مطابق اسے پڑھنے کے لئے کتابیں دیں۔اگر اس کے دل میں ہدایت کا بیج ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے تو یقیناً اسے ہدایت حاصل ہوگی (۲۰)

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی اس کتاب میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کے اسباب ومحرکات کو معلوم کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ شخص کیسے اس فتنہ میں مبتلا ہوا ہے پھر اسباب کی روشنی میں اس کا فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا کوئی ممکنہ علاج تجویز کیا جائے، چنانچہ آپ دہریت کے فتنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''اگر کوئی شخص دہریت کے فتنے میں گرفتار ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اس فتنہ میں کیوں مبتلا ہوا، اور وہ کون سے اسباب ومحرکات تھے جو اس فتنہ کا ذریعہ بنے۔سبب معلوم کرنے کے بعد علاج آسان ہو جاتا ہے......،،(۲۱)۔

۱۲۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کی عمومیت، شمولیت، اکملیت اور آفاقیت کو نہایت عمدہ اور سہل انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔اس حقیقت پر ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کا یہ بیان واضح طور پر دلالت کرتا ہے، فرماتے ہیں:

''قرآن مجید۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔یہ مسلمانوں کے لیے قیامت تک ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ایک اسلامی معاشرے میں تمام اصولوں اور معاشرتی قوانین کا ماٰخذ ومصدر اوّلیں یہ کتاب ہے۔اس اسلامی ریاست میں یہ کتاب ایک برتر قانون اور دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔قرآن مجید ایک ایسا ترازو اور پیمانہ ہے جس کی بنیاد پر حق وباطل میں تمیز کی جاسکتی ہے۔یہ وہ فرقان ہے جو ہر صحیح کو ہر سقیم سے الگ کر سکتی ہے۔یہ کتاب مسلمانوں کے لیے

اصولوں سے ہٹ کر من مانے انداز سے نہ کرنے لگے'' (۲۵)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

> '' قرآن مجید کو من مانی تاویلات کا نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ کتاب ہدایت کے بجائے گمراہی کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف قرآن میں اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ بہت سے لوگ اس سے گمراہ بھی ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اس سے ہدایت بھی پاتے ہیں'' (۲۶)۔

۱۳۔ محاضرات قرآنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''علوم القرآن'' اور علم تفسیر بعض اعتبار سے ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اور بعض اعتبار سے یہ دونوں الگ الگ علوم ہیں۔ یہ دونوں اس اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں کہ جن علوم و معارف کو علوم القرآن کہا جاتا ہے۔ ان سب سے علم تفسیر ہی میں کام لیا جاتا ہے۔ وہ گویا علم تفسیر کے اوزار اور آلات ہیں۔ یہ وہ وسائل ہیں جن سے کام لے کر قرآن مجید کی تفسیر اور تعبیر کی جاتی ہے۔ لیکن اس اعتبار سے وہ تفسیر سے الگ ہیں کہ یہ تفسیر میں کام آنے والے آلات و ذرائع ہیں، خود تفسیر نہیں ہیں۔ تفسیر اس عمل کا نام ہے جس کی رو سے قواعد اور اصول تفسیر کا انطباق کر کے قرآن مجید کے معانی دریافت کیے جائیں'' (۲۷)۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ '' یہ جو مختلف علوم وفنون یا آلات و وسائل ہیں ان میں بہت سی وہ چیزیں شامل ہیں جن کو جانے بغیر یا جن سے کام لیے بغیر تفسیر قرآن کے عمل میں پیش رفت نہیں ہوسکتی۔ مثال کے طور پر خود نزول کی تفصیلات کہ کون سی آیت کیسے نازل ہوئی، قرآن مجید میں جو قصص بیان ہوئے ہیں ان کا پس منظر کیا ہے، وہ کیوں بیان ہوئے، کوئی خاص حکم کب، کیوں اور کن حالات میں نازل ہوا، یہ سب امور جو اسباب نزول کہلاتے ہیں، ان کا گہرا علم بہت سے معاملات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح یہ تعین کہ کون سی آیت مکی ہے اور کونسی مدنی، یہ اور اس طرح کے بہت سے علوم و مسائل ہیں جن کو مجموعی طور پر علوم القرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (۲۸)۔

۱۴۔ محاضرات قرآنی میں تفسیر قرآن کے حوالے سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ ''تفسیر قرآن کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو امت کے اجتماعی طرز عمل کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ یہ اجتماعی طرز عمل ہر دلیل سے بڑھ کر اور ہر شک وشبہ سے ماوراء ہے۔ اس کو اسی طرح قطعیت حاصل ہے جس طرح قرآن مجید کو حاصل ہے۔ نمازیں پانچ ہیں۔ فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین اور عشاء کی چار۔ ان چیزوں کو رسول ﷺ نے محض بیان فرمانے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ یا صرف لکھوا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ ﷺ نے کم وبیش ڈیڑھ لاکھ صحابہ کو عملی تربیت دے دی کہ وہ

''۔ ۔ ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ترجمہ بھی تفسیر ہی کی ایک شاخ ہے اور تفسیر ہی کا ایک ذیلی اور چھوٹا سا شعبہ ہے۔ اس لیے جس طرح مفسر قرآن کے لیے بہت سی چیزیں ضروری ہیں۔ اسی طرح مترجم قرآن کے لیے بھی بہت سی چیزیں ضروری ہیں'' (۳۲)۔

پھر خطبہ دوازدہم میں فرماتے ہیں:

''ایک اور چیز جو درس قرآن کے حلقوں کو منظم اور مرتب کرنے میں پیش آتی ہے اور جس پر تھوڑی سی گفتگو کی ضرورت ہے وہ قرآن مجید کا متن اور ترجمہ ہے۔ یاد رکھیے کہ عربی متن ہی دراصل قرآن ہے۔ اور جو ترجمہ ہے وہ بھی دراصل تفسیر ہی کی ایک شاخ ہے۔ یعنی ایک مترجم نے اپنی فہم کے مطابق قرآن پاک کو سمجھا اور اس کا ترجمہ کیا۔ ۔ ۔ تفسیر کے لیے جو چیزیں درکار ہیں وہی قرآن مجید کے ترجمہ کے لیے بھی درکار ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص عربی زبان نہیں جانتا تو وہ براہ راست قرآن مجید کا ترجمہ نہیں کر سکتا'' (۳۳)۔

پھر فرماتے ہیں کہ

:''۔ ۔ ۔ جب تک (قرآن مجید) پڑھنے والے کی براہ راست وابستگی قرآن مجید کے ساتھ نہیں ہو گی اس وقت تک یہ کوشش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو گی۔ یہ وابستگی متن سے ہونی چاہیے، کتاب الٰہی کے الفاظ سے ہونی چاہیے۔ کسی مترجم یا مفسر کے ترجمہ سے وابستگی ضروری نہیں۔ ترجمہ قرآن مجید کی خدمت کے لیے ہے۔ وہ قرآن کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اصل چیز قرآن مجید کا متن ہے جو معجز ہے، منزل من اللہ ہے۔ معانی اور مطالب کا سمندر ہے'' (۳۴)۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''۔ ۔ ۔ اگر متن کو نظر انداز کر دیا جائے اور ساری توجہ ترجمہ پر مرکوز کر دی جائے تو گویا ایک طرف تو ہم نے ایک انسان کی فہم کو قرآن مجید کے قائم مقام کر دیا جو بہت بڑی جسارت بلکہ بے ادبی ہے۔ دوسری طرف ہم نے قرآن کی وسعتوں کو ترجمہ کی تنگنائیوں میں محدود کر ڈالا۔ کوئی کتنا ہی بڑا انسان ہو حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا صحابی جلیل کیوں نہ ہو۔ اس سے قرآن کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اور غلطی سے کوئی مبرا نہیں ہے'' (۳۵)۔

۱۷۔ محاضرات قرآنی کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کے مفسرین کے بارے

موجود ہے اور قرآن مجید کے ماننے والے موجود ہیں وہ قرآن مجید کے نئے نئے مطالب اور معانی پر غور کرتے رہیں گے اور یوں علم تفسیر کے نئے نئے اسالیب، نئے نئے مناہج اور نئے نئے رجحانات سامنے آتے رہیں گے''(۳۷)۔

۱۹۔ محاضرات قرآنی کی ایک عمدہ خوبی یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے مطالعہ قرآن اور تفسیر قرآن کی مختلف النوع جہات کی نشاندہی کی ہے۔ان جہات کی روشنی میں قرآن وتفسیر کے متعلق تحقیق کرنے والے طلبہ وطالبات تحقیق کے لیے موضوعات کا انتخاب کر سکتے ہیں،فرماتے ہیں:

''۔۔۔مطالعہ قرآن مجید کے ابھی اتنے اچھوتے میدان موجود ہیں جن میں ابھی غوطہ زنی شروع بھی نہیں کی گئی۔نہیں کہہ سکتے کہ ابھی علوم قرآن کے کتنے صدف اور ان میں کتنے گوہر پنہاں ہیں۔قرآنی حقائق ومعارف کے سمندروں میں غوطہ زنی۔۔۔جو نہیں ہوئی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جواب تک ہوئی ہے''(۳۸)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم ومغفور کے ساتھ پیش آنے والے نومسلم موسیقار کے عجیب وغریب واقعہ(۳۹) کا حوالہ دینے کے بعد ڈاکٹر غازی فرماتے ہیں کہ:

''اس واقعہ سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی جو صوتیات ہے، یہ علم وفن کی ایک ایسی دنیا ہے جس میں کوئی محقق آج تک نہیں اترا ہے۔اور نہ ہی قرآن مجید کے اس پہلو پر اب تک کسی نے اس انداز سے غور وخوض کیا ہے۔ اس واقعہ کے سننے تک کم از کم میرا تاثر کیا خیال بھی یہی تھا کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کو بہت اچھی طرح پڑھتا ہے، غنہ اخفا، اظہار وغیرہ کا خیال کرتا ہے تو یہ ایک اچھی بات ہے۔لیکن اس فن کی اتنی زیادہ اہمیت سے میں اس سے قبل واقف نہیں تھا۔اب معلوم ہوتا ہے کہ تجوید کا یہ فن بھی بے حد اہم چیز ہے(۴۰)۔

ایک اسلام دشمن شخص کا واقعہ(۴۱) ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کہ:''۔۔۔ابھی قرآن مجید پر غور وخوض کے نئے نئے دروازے کھلتے ہیں اور نئے نئے رجحان پیدا ہونے ہیں''(۴۲)۔

۲۰۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے کتب تفسیر میں اسرائیلی روایات کے موجود ہونے سے اس حقیقت پر استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب سے مواد لینے میں کسی بھی قسم کا تعصب نہیں کیا ہے،فرماتے ہیں:

''اسرائیلیات کے بارہ میں اس اخذ وقبول سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مزاج علمی توسع کا ہے۔ یعنی وسعت علمی اور وسعت نظری ہمیشہ مسلمانوں کا خاصہ رہی ہے۔مسلمانوں نے کبھی بھی دوسروں سے کوئی علمی چیز

آپ ﷺ نے کسی بھی غیر مسلم کو اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر کوئی حسی چیز پیش نہیں فرمائی۔صرف اپنی شخصیت اور قرآن مجید کو دلیل کے طور پر پیش کیا''(۴۴)۔

۲۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے اپنے قرآنی محاضرات میں آغاز اسلام سے آج تک مسلمانوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والے جملہ اسلامی علوم وفنون کو علوم القرآن اور تفسیر قرآن قرار دیا ہے۔فرماتے ہیں:

''علوم القرآن سے مراد وہ تمام علوم و معارف ہیں جو علماء کرام اور مفسرین اور مفکرین ملت نے گذشتہ چودہ سو سال کے دوران میں قرآن مجید کے حوالہ سے مرتب فرمائے ہیں۔ایک اعتبار سے اسلامی علوم وفنون کا پورا ذخیرہ قرآن مجید کی تفسیر سے عبارت ہے۔آج سے کم وبیش ایک ہزار سال قبل مشہور مفسر قرآن اور فقیہہ قاضی ابو بکر ابن العربی نے لکھا تھا کہ مسلمانوں کے جتنے علوم وفنون ہیں، جن کا انہوں نے اس وقت اندازہ سات سو کے قریب لگایا تھا، وہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ سنت رسول ﷺ کی شرح ہیں، اور سنت رسول ﷺ قرآن مجید کی شرح ہے۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کے سارے علوم وفنون علوم القرآن کی حیثیت رکھتے ہیں''(۴۵)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ''اسلام سے وابستگی کا بھی یہی تقاضا ہے، وحدت علوم کا منطقی نتیجہ بھی یہی ہے، ،اور وحدت فکر اور تصور وحدت کائنات کا بھی یہی ثمرہ ہے کہ سارے علوم وفنون کو قرآن مجید سے وہی نسبت ہو جو پتوں کو اپنی شاخوں سے،شاخوں کو اپنے تنے سے اور تنے کو اپنی جڑ سے ہوتی ہے''(۴۶)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:''. . . جب ہم علوم القرآن کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو دائرے ہوتے ہیں ایک نسبتاً تنگ اور چھوٹا دائرہ وہ ہے جس میں وہ علوم اور فنون شامل ہیں جن کا تعلق براہ راست قرآن مجید کی تفسیر اور فہم سے ہے۔. . . علوم القرآن کا ایک اور نسبتاً وسیع اور بڑا دائرہ بھی ہے، اور وہ دائرہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں انسان کی وہ تمام فکری کاوشیں شامل ہیں جن کی سمت درست ہو اور جن کی اساس صحیح ہو۔ یہ وہ دائرہ ہے جس میں آئے دن نئے نئے علوم و معارف شامل ہو رہے ہیں، اور جن میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔اس دائرہ میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے مسلمانوں نے اپنی فکری اور علمی سرگرمیوں میں کام لیا ہو، اور جو قرآن مجید کے بتائے ہوئے تصورات کے مطابق ہو، اور اس کی بنیادی تعلیم سے ہم آہنگ ہو''(۴۷)۔

اس کے بعد ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''جب مسلمان اپنے تمام موجودہ معاشرتی اور انسانی علوم کو از سرنو مدون کر لیں گے تو پھر وہ اسی طرح سے قرآن فہمی میں مددگار ثابت ہوں گے جس طرح ماضی میں مسلمانوں کے معاشرتی

اختیار کی ہے۔خاص طور پر مولانا حمید الدین فراہی نے نہ صرف نظام کی اصطلاح اپنائی ہے بلکہ اس موضوع پر طویل عرصہ تک غور وفکر اور مطالعہ کے بعد انہوں نے اپنے تصور کو حتمی شکل دی۔ان کی ایک کتاب ہے ''دلائل النظام''۔اس میں انہوں نے اپنے دریافت شدہ نظام کی تفصیلات مثالیں دے کر بیان کی ہیں'' (۵۲)۔

پھر فرماتے ہیں: ''ان اصطلاحات میں تھوڑا فرق ہے۔مناسبت تو پورے نظام کا ایک حصہ ہے اور پورے system کو آپ نظام کہہ سکتے ہیں۔گویا قرآن مجید کے کلمات کی، پھر آیات کی، پھر سورتوں کی ترتیب میں جو حکمت ہے یا system کارفرما ہے اس کا مجموعی نام تو ''نظام'' ہے اور اس کے اندر جو جزوی تفصیلات ہیں وہ مناسبت کہلاتی ہیں۔ان دونوں (اصطلاحات) میں یہ لطیف فرق ہے۔گویا نظام ایک عام اصطلاح ہے اور مناسبت اس کے ایک حصہ کا نام ہے'' (۵۳)۔

۲۵۔ محاضرات قرآنی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے زیر گفتگو موضوع کے بعض پہلوؤں کو سمجھانے کے لیے روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے امور سے توضیح کی ہے جیسے مکی سورتوں کے ایجاز کو سمجھانے کے لیے ٹیلی گراف کی مثال پیش کی ہے۔فرماتے ہیں:

''چوتھی چیز جو بڑی اہم ہے اور خاص طور پر مکی سورتوں میں پائی جاتی ہے، وہ قرآن مجید کا غیر معمولی ایجاز ہے۔اگرچہ مدنی سورتوں میں بھی ایجاز کے نمونے کثرت سے ملتے ہیں،لیکن مکی سورتوں کے ایجاز کی شان ہی اور ہے۔اور بعض جگہ ایجاز اتنا ہے کہ ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف میں معانی کا سمندر پنہاں ہے۔قرآن پاک کی مکی سورتوں کے ایجاز کو ٹیلی گراف یا تار برقی کی زبان سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ٹیلی گراف زبان میں الفاظ بہت مختصر ہوتے ہیں، لیکن معانی وسیع ہوتے ہیں۔بظاہر بہت ہی مختصر الفاظ میں ایک وسیع پیغام منتقل ہو جاتا ہے۔مخاطب اور پڑھنے والا اس پیغام کے مفہوم،حقیقت اور پس منظر کو پورے طور پر سمجھ جاتا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔اوران میں کیا کہا گیا ہے؟

یہ تشبیہ ٹیلی گراف کی میں نے جان بوجھ کر اختیار کی ہے۔اس لیے کہ جب آپ کسی کو یہ ٹیلی گرام دیں کہ send money یعنی رقم بھیج دو،تو بظاہر تو یہ صرف دولفظ ہیں۔لیکن ان دولفظوں کا ایک تفصیلی پس منظر ہے۔یہ بات صرف ٹیلی گرام کے مخاطب کو معلوم ہے کہ یہ پس منظر کیا ہے۔اسی کو معلوم ہے کہ کیوں، اور کس مقصد کے لیے، اور کس کو اور کہاں، کب اور کتنی رقم بھیج دی جائے۔یہ سب اس سیاق وسباق کی وجہ سے مخاطب کو پہلے سے معلوم ہے۔اب صرف مختصر پیغام دیا گیا کہ رقم بھیج دو۔لیکن اگر وہ ٹیلی گرام لا کر مجھے یا کسی اور غیر مخاطب کو دے دیا جائے اور اصل مخاطب کو نظر

۵۔ قرآن مجید کا اسلوب انتہائی ایجاز اور جامعیت کا ہے، اس کا انداز بلاتشبیہ ٹیلی گرافک زبان کا سا ہے۔

۲۷۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے اسلوب کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے درج ذیل دو باتوں کو اہمیت کا حامل قرار دیا ہے:

> ''ایک تو قرآن مجید کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جو زبان و بیان کی بقیہ سب چیزوں سے منفرد ہے یہ نہ شعر ہے، نہ کہانت ہے اور نہ خطابت ہے۔ دوسری چیز قرآن مجید میں یہ پیش نظر رکھی گئی کہ اس کی زبان اور انداز بیان کو اس کے مخاطبین اولین کے فہم سے قریب تر کر کے پیش کیا گیا ہے۔ جہاں عرب کے اسلوب کو قرآن مجید نے اپنایا وہیں اہل عرب کی اچھی عادات کو بھی تسلیم کیا۔ جہاں جہاں ان میں کمزوریاں اور خامیاں تھیں وہاں ان کمزوریوں اور خامیوں کی بھی نشاندہی کی گئی'' (۵۶)۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ: ''جیسے جیسے قرآن مجید مختلف اقوام میں جاتا جائے گا ان اقوام کی خرابیاں اور خوبیاں اسی طرح سے وحی الٰہی کی روشنی میں دیکھی اور جانچی جائیں گی جیسے قرآن مجید میں عربوں کی خوبیوں اور خرابیوں کو دیکھا گیا۔ اسی لیے قرآن مجید میں اہل عرب کی عادات کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا عربوں کو کیس اسٹڈی کے طور پر لے کر قرآن پاک کے اصول و قواعد کو منطبق کر کے دکھایا گیا اور بتایا گیا کہ آئندہ آنے والی اقوام کی خوبیوں اور کمزوریوں کو اسی طرح دیکھا جائے جیسے قرآن نے عربوں کی خوبیوں اور خامیوں کو دیکھ کر کھرا اور کھوٹا الگ الگ کر دیا ہے (۵۷)۔

۲۸۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے مختلف النوع اسالیب (۵۸) کے حوالے سے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''.........ان اسالیب میں کم و بیش ہر ایک کا نمونہ کلام عرب میں ملتا ہے۔ گویا کلام عرب میں حسن و خوبی اور فصاحت و بلاغت کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے، وہ سب کے سب بدرجہ اتم قرآن پاک میں موجود ہیں'' (۵۹)۔

۲۹۔ محاضرات قرآنی میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کے موضوع اور اس کے اہم مضامین کو بہت عمدہ اور سہل انداز میں مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں دلیلاً چند ایک اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

ا۔ ''تھوڑا سا غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب (یعنی قرآن مجید) کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ اس زندگی میں انسان کی اصلاح اور اخروی زندگی میں انسان کی فلاح کو کیسے یقینی بنایا جائے۔ پورے قرآن میں اسی بنیادی مضمون سے بحث ہوئی ہے۔ وہ تمام امور جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس زندگی میں انسان کی دائمی اور

قرآن مجید کے مضامین کو ایک خاص انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے" (۶۴)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: "ہم اپنی سمجھ کے مطابق اگر جائزہ لیں تو شاہ صاحب کے بیان کردہ علوم خمسہ کی طرح ہمیں بھی قرآن پاک میں پانچ بنیادی مضامین نظر آتے ہیں، ان پانچوں میں سے ہر مضمون قرآن مجید کے ہر صفحہ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ موجود ہے، جس کا ہر قاری خود مشاہدہ کر سکتا ہے" (۶۵)۔

ڈاکٹر غازی صاحب کے بیان کردہ پانچ قرآنی مضامین یہ ہیں:

۱۔ عقائد ۲۔ احکام ۳۔ تزکیہ

۴۔ امم سابقہ کا ذکر ۵۔ موت اور مابعد الموت کا تذکرہ (۶۶)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ ان پانچ مضامین کے متعلقات کو سہل اور علمی انداز میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ ہیں قرآن مجید کے وہ بنیادی مضامین جو اس کے اصل موضوع سے براہ راست متعلق ہیں۔ یعنی انسان کی اس موجودہ زندگی میں اصلاح اور اس کی آئندہ زندگی میں فلاح کو کیسے حاصل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا جانشین کیوں کر بن کر دکھایا جائے" (۶۷)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ان کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور موضوعات قرآن پاک میں آئے ہیں۔ بعض جگہ طبی نوعیت کے مسائل ہیں۔ بعض جگہ ماحولیات کا تذکرہ ہے۔ یہ سارے مسائل بھی انہی پانچ مضامین کو ذہن نشین کرانے کے لیے ہیں۔ اور بالآخر ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کا اصل موضوع انسان کے سامنے تازہ اور بیدار رہے (۶۸)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کے اس بیان سے جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ بالا مضامین کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور موضوعات موجود ہیں۔ ان سے مطالعہ قرآن کی نئی نئی جہات کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ جہات قرآنی تعلیمات سے متعلقہ ہوں یا دیگر نوعیت کے مسائل سے متعلقہ ہوں۔

۳۰۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی کتاب "محاضرات قرآن" کے خصائص میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے قرآن مجید کی تدریس وتعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور اسے ہر دور کے لیے ضروری قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"ایک اعتبار سے تدریس قرآن مجید کی ضروریات اور تقاضے ہر دور میں یکساں رہے ہیں۔

اس خاص مسلک کے لوگ ہوتے ہیں جو اس عالم کا اپنا فقہی یا کلامی مسلک ہوتا ہے۔ دوسرے مسلک کا کوئی آدمی حاضرین وسامعین میں موجود نہیں ہوتا۔ ترجمہ قرآن بھی اپنے مسلک ہی کے عالم کا مخصوص ہوتا ہے۔ یوں تو کسی ترجمہ یا تفسیر کو مخصوص کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ایک اعتبار سے بہتر اور مناسب یہی ہے جس سے آپ کا ذوق ملے اسی عالم کے ترجمہ اور تفسیر کو آپ پڑھ لیں۔ لیکن اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ فلاں ترجمہ اور تفسیر ہی کو پڑھا جائے، اس کے علاوہ کسی اور ترجمہ یا تفسیر کو نہ پڑھا جائے تو یہ بات غلط ہوگی۔ کسی کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں کو زبردستی اپنے ذوق پر جمع کرے'' (۷۲)۔

۳۲۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کا درس دینے والوں کے لیے یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ پہلے قرآن مجید کے الفاظ پڑھیں پھر ان کا ترجمہ بیان کریں، صرف ترجمہ پڑھنے اور اسے بنیاد بنا کر درس قرآن دینے پر اکتفا کر لینا مناسب نہیں ہے، فرماتے ہیں:

''درس قرآن میں بنیادی چیز قرآن مجید کے الفاظ اور ان کی تلاوت ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے عرض کی کہ کبھی درس قرآن میں متن کی تلاوت کرنے کے بجائے صرف ترجمہ پڑھنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک مشہور دینی شخصیت کو دیکھا کہ وہ صرف ترجمہ کی مدد سے درس قرآن دے رہے تھے۔ مجھے یہ بات بڑی عجیب لگی اور انتہائی ناگوار محسوس ہوئی کہ اصل درس تو قرآن مجید کا دینا مقصود ہے۔ لیکن اکتفاء ترجمہ پر کیا جا رہا ہے۔ کم از کم پہلے قرآن مجید کے الفاظ کی تلاوت کی جائے۔ لوگوں کو اس کے الفاظ سے مانوس کروایا جائے۔ اور یہ کوشش کی جائے کہ لوگ جس حد تک سمجھ سکیں اس کو سمجھیں اور یہ بھی کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے (۷۳)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''اگر آپ کے مخاطبین اردو زبان اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں تو ان کے لیے بغیر عربی زبان سیکھے بھی قرآن مجید کے عمومی مفہوم کو کم از کم ۵۰ فی صد سمجھ لینا آسان ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے جتنے بھی الفاظ آئے ہیں ان میں جو مادے استعمال ہوئے ہیں وہ سارے کے سارے ۱۵۰۰ کے قریب ہیں۔ ان میں ۱۴۰۰ سے زائد مادے وہ ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ۱۴۰۰ مادے اگر پڑھنے والے کے ذہن میں رہیں تو قرآن مجید کا عمومی مفہوم اس کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اور بار بار ترجمہ پڑھنے اور بار بار درس سننے سے خود بخود ایک ذوق اور فہم پیدا ہو جاتا ہے'' (۷۴)۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب نے زیر گفتگو مسئلہ کی توضیح کے لیے سورۃ الفاتحہ میں استعمال ہونے والے پندرہ عدد الفاظ

ضرور اندازہ ہوا کہ جدید وسائل سے کام لے کر قرآن مجید کو بہت اچھی طرح سیکھا اور پڑھا جاسکتا ہے''(۷۷)۔

نتائج

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے ''محاضرات قرآنی'' کے تعارف اور خصائص بیان کرنے کے بعد جو ممکنہ نتائج سامنے آئے ہیں ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ علوم القرآن نے عہد رسالت سے عصر حاضر تک ایک خاص تسلسل کے ساتھ اپنے تدریجی و ارتقائی مراحل طے کیے ہیں اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ قرآن مجید ام العلوم ہے جب تک یہ کتاب باقی رہے گی اس وقت تک اس کے اندر سے اصحاب فہم فراست اور عقل و دانش اپنے غور وفکر اور تدبر و تفکر کے ہتھیار سے اس کے اندر سے علوم نکالتے رہیں گے (ان شاء اللہ)۔

۲۔ محاضرات قرآنی اصل میں ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی ہمشیرہ محترمہ عذرا فاروقی رحمہا اللہ کے احساس کا نتیجہ ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر غازی صاحب کے دس عدد محاضرات قرآنی کا اسلوب تقریری، داعیانہ اور خطیبانہ ہے نہ کہ عالمانہ اور محققانہ۔

۴۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے اپنے محاضرات کا آغاز تصور جہاد سے کیا ہے جسے مٹانے کے لیے اغیار ہی نہیں بلکہ اپنے کلمہ گو حضرات بھی کوشاں ہیں۔

۵۔ عصر حاضر میں قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کے مروجہ طریقوں کا بغور جائزہ لیا جائے تاکہ ان میں بہتری پیدا ہو سکے۔

۶۔ اگر کوئی غیر مسلم قرآن مجید بغور پڑھے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ جتنا قرآن مجید مسلمانوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح کافر کے لیے بھی ضروری ہے۔

۷۔ تقدیس کے ساتھ تحقیق ممکن نہیں۔ انسان صرف اسی چیز پر تحقیق کرسکتا ہے جسے وہ مسخر کر سکے۔

۸۔ انسانیت پر قرآن مجید کے لاتعداد احسانات ہیں اور یہ مسلمانوں کی زندگی کی اساس ہے۔

۹۔ قرآن مجید کے تعلیمی و تدریسی عمل میں طلبہ اور عام مخاطبین کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

نزدیک قرآن مجید کے علوم پنجگانہ یہ ہیں: عقائد، احکام، تزکیہ، امم سابقہ کا ذکر، اور موت و مابعد الموت کا تذکرہ۔

۲۳۔ قرآن مجید کی تدریس و تعلیم ہر دور کے انسانوں کے لیے ضروری ہے۔

۲۴۔ قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے الفاظ پڑھے اور پڑھائے۔ صرف ترجمہ قرآن پر اکتفا نہ کرے۔

۲۵۔ مخاطبین کی فہم و فراست کی سطح کے مطابق دین کی تعلیم دینا سنت رسول ﷺ ہے۔

۲۶۔ عصر حاضر کے مسلمانوں کو قرآن مجید سے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو ہر لحاظ سے دوبارہ بحال کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اقوام عالم پر غلبہ حاصل کیا جا سکے۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) سورۃ العلق (۹۶):۱۔

(۲) سورۃ الجمعۃ (۶۲):۲۔

(۳) الفہرست، ابن ندیم، ابوالفراج محمد بن اسحاق (م ۳۸۵ھ)، ص ۵۵۔

(۴) دیکھیے: دیباچہ الاتقان فی علوم القرآن بنام ''علوم القرآن'' از محمد عبدالحلیم چشتی، مترجم: محمد عبدالحلیم انصاری، ج ۱، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن۔

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: سابق حوالہ، ص ۵۸، علم تفسیر اور مفسرین از ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ص ۱۶، ۱۸، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

(۶) مناہل العرفان، از زرقانی، ج ۱، ص ۲۸۔

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، سابق حوالہ ج ۱، ص ۵۹، تاریخ تفسیر از شیخ قاسم القیسی ص ۵۳، میزان الاعتدال فی نقد الرجال از حافظ شمس الدین الذہبی، ج ۲، ص ۵۹، ۶۰، تاریخ تفسیر از عبدالصمد صارم، ص ۵۴۔

(۸) ایضاً، بحوالہ دمیری، حیاۃ الحیوان، ج ۱، ص ۲۳۰۔

(۹) طبقات المفسرین از الداودی، ج ۱، ص ۱۴۱، تحقیق علی محمد عمر، مصر، ۱۹۷۶ھ۔

(۱۰) مباحث فی علوم القرآن، صبحی صالح، ص ۱۱۲، بیروت ۱۹۶۸ء۔

(۱۱) دیکھیے: کتاب المنتظم، ابن الجوزی، ج ۶، ص ۳۸۸، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ۔

(۳۵) ایضاً۔

(۳۶) ایضاً۔

(۳۷) ایضاً۔

(۳۸) ایضاً۔

(۳۹) ایضاً،ص۸۲۔

(۴۰) ایضاً،ص۱۵۵۔

(۴۱) ایضاً،ص۱۶۰۔

(۴۲) ایضاً ص۱۵۵۔

(۴۳) ایضاً ص۱۵۶،۱۵۵۔

(۴۴) ایضاً ص۱۵۶۔

(۴۵) ایضاً،ص۱۶۱۔

(۴۶) ایضاً،ص۱۶۲،۱۶۱۔

(۴۷) ایضاً،۱۷۴۔

(۴۸) ایضاً،ص۱۸۸۔

(۴۹) ایضاً،ص۱۸۸۔

(۵۰) ایضاً،ص۱۸۹۔

(۵۱) ایضاً،ص۳۹۳۔

(۵۲) ایضاً،ص۳۹۴،۳۹۳۔

(۵۳) ایضاً،ص۳۹۴۔

(۵۴) ایضاً،ص۱۹۴،۱۹۳۔

(۵۵) ایضاً،ص۲۲۷،۲۲۶۔

(۵۶) ایضاً۲۲۷۔

(۵۷) واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے: محاضرات قرآنی،ص۲۳۰،۲۲۹۔

(۵۸) ایضاً،ص۲۳۰۔

(۵۹) واقعہ کے لیے دیکھئے: کتاب مذکور،ص۲۳۱،۲۳۰۔

(۶۰) ایضاً،ص۲۳۱۔

(۶۱) ایضاً،ص۲۳۴۔

(۸۷) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سابق حوالہ، ص ۳۷۷، ۳۷۸۔

(۸۸) ایضاً، ص ۳۷۸۔

(۸۹) ایضاً، ص ۳۷۹۔

(۹۰) ایضاً، ص ۳۹۱۔

(۹۱) ایضاً، ص ۳۹۵۔

(۹۲) ایضاً۔

(۹۳) ایضاً۔

(۹۴) ایضاً، ص ۴۰۳۔

(۹۵) ایضاً، ص ۴۰۳۔

علوم القرآن کی نئی جہات

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی ''محاضرات قرآنی'' کے تناظر میں

* ڈاکٹر ثناء اللہ

اسلامی تعلیمات کی بنیاد قرآن کریم ہے، غار حرا میں نازل ہونے والی پہلی آیت: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (۱) سے جہاں مذہب اسلام کا آغاز ہوتا ہے وہیں تعلیم قرآن کی بنیاد استوار ہو جاتی ہے۔ تعلیم کتاب و حکمت کو نبوت کے فرائض منصبی میں سے نہایت اہم اساسی فریضہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (۲)

''حقیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہی میں سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں''۔

قرآن پاک حضور ﷺ کا ایک زندہ معجزہ ہے اس کتاب کے علوم و معارف اور حقائق و اسرار قیامت تک آنے والے محققین منصۂ شہود پر لاتے رہیں گے قرآن کریم کے علوم کا شمار خارج از امکان ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں ''قرآن کریم تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر چیز کا علم فراہم کر دیا ہے اور اس کو ہدایت اور گمراہی دونوں باتوں کے واضح بیان سے بھر دیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہر ایک فن کا ماہر اسی کتاب سے مدد لیتا ہے اور اپنے مسائل کی تحقیق میں اسی کتاب پر اعتماد کرتا ہے، فقیہ اس سے احکام کا استنباط کرتا ہے اور حلال وحرام کے احکام ڈھونڈ نکالتا ہے، تو نحوی اسی کی آیتوں پر اپنے قواعد اعراب کی بنیاد رکھتا ہے اور غلط وصحیح کا امتیاز کرتا ہے اور علم بیان کا ماہر بھی خوبی اور عبارت آرائی میں اسی کتاب کی روش اور رہنمائی پر چلتا نظر آتا ہے۔ گزشتہ قوموں کی تواریخ بھی اس میں موجود ہیں (۲) قرآنی علوم میں چونکہ ایجاز واختصار کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس لئے احکام قرآن کی تبیین وتوضیح

---

* لیکچرار ڈیپارٹمنٹ قرآن اینڈ تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی H-8، اسلام آباد

(۸۷) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: سابق حوالہ، ص ۳۷۷، ۳۷۸۔

(۸۸) ایضاً، ص ۳۷۸۔

(۸۹) ایضاً، ص ۳۷۹۔

(۹۰) ایضاً، ص ۳۹۱۔

(۹۱) ایضاً، ص ۳۹۵۔

(۹۲) ایضاً۔

(۹۳) ایضاً۔

(۹۴) ایضاً، ص ۴۰۳۔

(۹۵) ایضاً، ص ۴۰۳۔

(۶۲) ایضاً،ص۲۶۰،۲۶۱۔

(۶۳) ایضاً،ص۲۸۳۔

(۶۴) ایضاً،ص۲۸۳۔

(۶۵) ایضاً،ص۲۸۴۔

(۶۶) ایضاً۔

(۶۷) ایضاً،ص۲۸۷۔

(۶۸) ایضاً،ص۳۲۲،۳۲۳۔

(۶۹) ایضاً،ص۳۲۳۔

(۷۰) ایضاً،ص۳۲۳۔

(۷۱) ایضاً۔

(۷۲) ایضاً،ص۳۲۷۔

(۷۳) ایضاً،ص۳۲۸۔

(۷۴) ایضاً،ص۳۳۰،۳۳۱۔

(۷۵) سابق حوالہ،ص۳۲۱۔

(۷۶) اسالیب قرآن میں سے کچھ یہ ہیں : التفات،تصریف الآیات، حذف، ایجاز،تفصیل بعد الاجمال،عودعلی البدء،تمثیلات ، تقابل،قسم اور جملہ معترضہ(ان میں سے ہر ایک اسلوب کے تعارف کے لیے دیکھیے: محاضرات قرآنی ص۳۳۲، ومابعدھا۔

(۷۷) ایضاً،۳۴۱۔

(۷۸) ایضاً،ص۳۴۸،۳۴۹۔

(۷۹) ایضاً،ص۳۵۲۔

(۸۰) ایضاً،ص۳۵۲،۳۵۳۔

(۸۱) شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بیان کردہ پانچ قرآنی علوم (علوم پنجگانہ) یہ ہیں:علم الاَحکام،علم المخاصمہ،علم التذکیر بالآء اللہ،علم التذکیر بایام اللہ،علم التذکیر بالموت ومابعدالموت (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر باب اول)۔

(۸۲) محاضرات قرآنی،ص۳۵۷۔

(۸۳) ایضاً،ص۳۵۷۔

(۸۴) ان مضامین کی تشریح وتوضیح کے لیے دیکھیے: محاضرات قرآنی،ص۳۵۷تا۳۷۳۔

(۸۵) ایضاً،ص۳۷۳۔

(۸۶) ایضاً،ص۳۷۳۔

(۳۵) ایضاً۔

(۳۶) ایضاً۔

(۳۷) ایضاً۔

(۳۸) ایضاً۔

(۳۹) ایضاً،ص۸۲۔

(۴۰) ایضاً،ص۱۵۵۔

(۴۱) ایضاً،ص۱۶۰۔

(۴۲) ایضاً ص ۱۵۵۔

(۴۳) ایضاً ص ۱۵۵، ۱۵۶۔

(۴۴) ایضاً ص ۱۵۶۔

(۴۵) ایضاً،ص۱۶۱۔

(۴۶) ایضاً،ص۱۶۱،۱۶۲۔

(۴۷) ایضاً،۱۷۴۔

(۴۸) ایضاً،ص۱۸۸۔

(۴۹) ایضاً،ص۱۸۸۔

(۵۰) ایضاً،ص۱۸۹۔

(۵۱) ایضاً،ص۳۹۳۔

(۵۲) ایضاً،ص۳۹۳،۳۹۴۔

(۵۳) ایضاً،ص۳۹۴۔

(۵۴) ایضاً،ص۱۹۳،۱۹۴۔

(۵۵) ایضاً،ص۲۲۶، ۲۲۷۔

(۵۶) ایضاً۲۲۷۔

(۵۷) واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے: محاضرات قرآنی،ص۲۲۹،۲۳۰۔

(۵۸) ایضاً،ص۲۳۰۔

(۵۹) واقعہ کے لیے دیکھئے: کتاب مذکور،ص۲۳۰،۲۳۱۔

(۶۰) ایضاً،ص۲۳۱۔

(۶۱) ایضاً،ص۲۳۴۔

(۱۲) قرآن حکیم کے اردو تراجم، ص ۵۷، مناہل العرفان، ج ا، ص ۲۸۔

(۱۳) مباحث فی علوم القرآن، ص ۱۷۶۔

(۱۴) تذکرۃ المفسرین، اردو تفاسیر، ص ۱۶، ۱۷۔

(۱۵) تذکرہ المفسرین، ص ۵۴۔

(۱۶) نزھۃ الخواطر، ج ۳، ص ۱۶۳۔

(۱۷) تذکرہ علماء ہند، ص ۳۵، حدائق حنفیۃ، ص ۳۱۷، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ از ڈاکٹر زبیر احمد، ص ۴۵۵۔

(۱۸) قرآن مجید کی تفسیریں، ص ۹۲، بحوالہ مقامات مظہری از مولانا غلام علی امجدی، اردو تفاسیر (کتابیات) مرتب: جمیل احمد نقوی، ص ۲۵۔ برصغیر میں اردو زبان میں لکھی جانے والی کتب تفسیر کی معرفت کے لیے ملاحظہ کیجئے: علم تفسیر اور اس کا ارتقاء (۲)، یونٹ نمبر ۶، ۷، ۸، ۹، از ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

(۱۹) تذکرہ المفسرین از زاہد الحسینی، ص ۱۰۔

(۲۰) محاضرات قرآنی، ص ۷، قبلہ ڈاکٹر صاحب کی یہ ہمشیرہ محترمہ ان کی وفات سے قبل انتقال کر چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند فرمائے اور ہم تمام لوگوں کو ان کے فیض سے نوازے۔ امین یا رب العالمین۔

(۲۱) ایضاً، ص ۹۔

(۲۱الف) محاضرات قرآنی، ص ۱۵۔

(۲۲) محاضرات قرآنی، ص: ۱۵۔

(۲۳) تفصیل کے لئے دیکھیے: سابق حوالہ ص: ۱۵ و مابعدھا۔

(۲۴) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے سابق حوالہ ص: ۱۶ و مابعدھا۔

(۲۵) محاضرات قرآنی، ص: ۱۷۔

(۲۶) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: سابقہ حوالہ۔

(۲۷) محاضرات قرآنی، ص ۱۸۔

(۲۸) مزید تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجئے: سابق حوالہ ص ۱۹ و مابعدھا۔

(۲۹) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سابق حوالہ ص: ۲۴ و مابعدھا۔

(۳۰) ایضاً س ۲۹، ۳۰۔

(۳۱) تفصیل کیلئے دیکھیے: سابق حوالہ ص ۳۲، ۳۴۔

(۳۲) ایضاً، ص ۳۴۔

(۳۳) ایضاً، ص ۴۳۔

(۳۴) ایضاً، ص ۴۴۔

نزدیک قرآن مجید کے علوم پنجگانہ یہ ہیں: عقائد، احکام، تزکیہ، امم سابقہ کا ذکر، اور موت و مابعد الموت کا تذکرہ۔

۲۳۔ قرآن مجید کی تدریس وتعلیم ہر دور کے انسانوں کے لیے ضروری ہے۔

۲۴۔ قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے الفاظ پڑھے اور پڑھائے۔ صرف ترجمہ قرآن پر اکتفا نہ کرے۔

۲۵۔ مخاطبین کی فہم وفراست کی سطح کے مطابق دین کی تعلیم دینا سنت رسول ﷺ۔

۲۶۔ عصر حاضر کے مسلمانوں کو قرآن مجید سے ٹوٹے ہوئے رشتہ کو ہر لحاظ سے دوبارہ بحال کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اقوام عالم پر غلبہ حاصل کیا جا سکے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) سورۃ العلق (۹۶):۱۔

(۲) سورۃ الجمعۃ (۶۲):۲۔

(۳) الفہرست، ابن ندیم، ابوالفراج محمد بن اسحاق (م ۳۸۵ھ) ص ۵۵۔

(۴) دیکھیے: دیباچہ الاتقان فی علوم القرآن بنام ''علوم القرآن'' از محمد عبدالحلیم چشتی، مترجم: محمد عبدالحلیم انصاری، ج ا، ص ۵۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن۔

(۵) تفصیل کے لیے دیکھیے: سابق حوالہ، ص ۵۸، علم تفسیر اور مفسرین از ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ص ۱۶، ۱۸، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

(۶) مناہل العرفان، از زرقانی، ج ا، ص ۲۸۔

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، سابق حوالہ ج ا، ص ۵۹، تاریخ تفسیر از شیخ قاسم القیسی ص ۵۳، میزان الاعتدال فی نقد الرجال از حافظ شمس الدین الذہبی، ج ۲، ص ۵۹، ۶۰، تاریخ تفسیر از عبدالصمد صارم، ص ۵۴۔

(۸) ایضاً، بحوالہ دمیری، حیاۃ الحوان، ج ا، ص ۲۳۰۔

(۹) طبقات المفسرین از الداودی، ج ا، ص ۱۴۱، تحقیق علی محمد عمر، مصر، ۱۹۷۶ھ۔

(۱۰) مباحث فی علوم القرآن، صبحی صالح ص ۱۱۲، بیروت ۱۹۶۸ء۔

(۱۱) دیکھیے: کتاب المنتظم، ابن الجوزی، ج ۶، ص ۳۸۸، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ۔

۱۰۔ قرآن مجید کا درس دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ درس کے دوران مخاطبین کے نفوس کا تزکیہ کرے، اوران کے عقائد واعمال کی اصلاح کرے۔

۱۱۔ قرآن مجید کا درس دینے والے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ جملہ اسلامی علوم سے آگاہ ہو، کیونکہ قرآن مجید خودام العلوم ہےاور دیگر علوم اس کے محتاج ہیں۔

۱۲۔ انسان کے ذوق، مزاج اور مطالعہ کی نوعیت ورغبت کے پیش نظر اسے معالعہ کتب کا مشورہ دینا چاہیے۔

۱۳۔ قرآن مجید عمومیت وشمولیت، اکملیت اورآفاقیت جیسی اعلیٰ وابدی صفات وخصائص کا حامل ہے۔

۱۴۔ قرآن مجید کی تفسیر کا بہت بڑا حصہ آغاز ہی سے ملت اسلامیہ کے اجتماعی طرزعمل سے منتقل ہوتا آرہا ہےاورتا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

۱۵۔ قرآن مجید کا ترجمہ کرنا ایک مشکل کام ہے۔اس کے لیے وہی شرائط ہیں جو قرآن مجید کی تفسیر کرنے والے کے لیے ہیں۔

۱۶۔ قرآن مجید کی تفسیر کے رجحانات کی تعداد کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہے۔انسانی ذہن کے ساتھ ساتھ نئے نئے رجحانات پیدا ہوتے رہیں گے۔

۱۷۔ قرآن مجید کے علوم اوراس کی تفسیر کے بارے میں تحقیق کرنے کے لیے موضوعات کی کمی نہیں ہے۔

۱۸۔ مسلمانوں نے حسب ضرورت دیگر مذاہب کی کتب سے موادکو استعمال کیا ہے، جبکہ دیگر مذاہب اس وسعت قلبی سے محروم ہیں۔

۱۹۔ مسلمانوں نے جتنے بھی علوم فنون ایجاد کیے ہیں ان سب کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے قرآن مجید کے علوم اوراس کی تفسیر سے ہے۔

۲۰۔ قرآن کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جو زبان و بیان کی بقیہ سب چیزوں سے منفرد ہے۔ یہ نہ شعر ہے، نہ کہانیت اور نہ خطابت۔

۲۱۔ کلام عرب میں حسن وخوبی اور فصاحت و بلاغت کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے وہ سب کے سب بدرجہ اتم قرآن مجید میں موجود ہیں۔

۲۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن مجید کے پانچ علوم یہ ہیں: علم الاحکام، علم المخاصمہ علم التذکیر بآلاء اللہ، علم التذکیر بایام اللہ، علم التذکیر بالموت و مابعد الموت"۔ جبکہ ڈاکٹر محمود احمد غازی ؒ کے

ضرور اندازہ ہوا کہ جدید وسائل سے کام لے کر قرآن مجید کو بہت اچھی طرح سیکھا اور پڑھا جا سکتا ہے"(۷۷)۔

نتائج

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے "محاضرات قرآنی" کے تعارف اور خصائص بیان کرنے کے بعد جو ممکنہ نتائج سامنے آئے ہیں ان میں سے چندایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ علوم القرآن نے عہد رسالت سے عصر حاضر تک ایک خاص تسلسل کے ساتھ اپنے تدریجی و ارتقائی مراحل طے کیے ہیں اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا کیونکہ قرآن مجید ام العلوم ہے جب تک یہ کتاب باقی رہے گی اس وقت تک اس کے اندر سے اصحاب فہم فراست اور عقل و دانش اپنے غور وفکر اور تدبر و تفکر کے ہتھیار سے اس کے اندر سے علوم نکالتے رہیں گے (اِن شاءاللہ)۔

۲۔ محاضرات قرآنی اصل میں ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی ہمشیرہ محترمہ عذرا فاروقی رحمہا اللہ کے احساس کا نتیجہ ہیں۔

۳۔ ڈاکٹر غازی صاحب کے دس عدد محاضرات قرآنی کا اسلوب تقریری، داعیانہ اور خطیبانہ ہے نہ کہ عالمانہ اور محققانہ۔

۴۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے اپنے محاضرات کا آغاز تصور جہاد سے کیا ہے جسے مٹانے کے لیے اغیار ہی نہیں بلکہ اپنے کلمہ گو حضرات بھی کوشاں ہیں۔

۵۔ عصر حاضر میں قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کے مروجہ طریقوں کا بغور جائزہ لیا جائے تا کہ ان میں بہتری پیدا ہو سکے۔

۶۔ اگر کوئی غیر مسلم قرآن مجید بغور پڑھے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ جتنا قرآن مجید مسلمانوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح کافر کے لیے بھی ضروری ہے۔

۷۔ تقدیس کے ساتھ تحقیق ممکن نہیں۔انسان صرف اسی چیز پر تحقیق کر سکتا ہے جسے وہ مسخر کر سکے۔

۸۔ انسانیت پر قرآن مجید کے لاتعداد احسانات ہیں اور یہ مسلمانوں کی زندگی کی اساس ہے۔

۹۔ قرآن مجید کے تعلیمی و تدریسی عمل میں طلبہ اور عام مخاطبین کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

کی نشاندہی کی ہے، فرماتے ہیں:

’’مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ میں حمد، رب، عالمین، رحمٰن، رحیم، مالک، یوم، دین، عبادت، استعانت، ہدایت، صراط مستقیم، انعام، غضب، ضلال۔ یہ سب الفاظ عام طور پر معروف ہیں۔ان میں سے کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اردو میں استعمال نہ ہوتا ہو۔اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کے بیشتر الفاظ کسی نہ کسی صیغہ میں اردو زبان میں مستعمل ہیں۔اگر انہیں نمایاں کر دیا جائے تو پڑھنے والا بڑی آسانی سے قرآن مجید کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے (۷۵)۔

۳۳۔ محاضرات قرآنی میں قبلہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے مخاطبین کی سطح، ذوق اور ضرورت کے مطابق دین کی تعلیم و تدریس کے عمل کو انجام دینا ان کے لیے سود مند بھی ہے اور ایسا کرنا سنت رسول ﷺ بھی ہے، فرماتے ہیں:

’’. . . اگر مخاطبین کی سطح اور ان کا ذوق دیکھ کر تفسیر کا انتخاب کریں تو ان کے لیے زیادہ آسان اور مفید ہوگا۔اس لیے اگر مقصد دین اور شریعت کی تعلیم ہے تو پھر مخاطب کی ضرورت کا خیال رکھنا سنت رسول ﷺ میں شامل ہے۔رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ سوال کرنے والے کی سطح اور پس منظر کے مطابق جواب ارشاد فرمایا کرتے تھے۔بہت سے لوگوں نے مختلف مواقع پر رسول ﷺ سے سوال کیا کہ بہترین عمل کون سا ہے تو آپ ﷺ نے مختلف جوابات عطا فرمائے اور ہر ایک کی ضرورت کو مدنظر رکھا‘‘ (۷۶)۔

مقالہ ہذا کا اختتام قبلہ ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کی درج ذیل ناصحانہ باتوں سے کرتے ہیں جنہیں انہوں نے محاضرات قرآنی کے آخری محاضرہ کے آخیر میں سامعات سے کیا، فرماتے ہیں:

’’اپنے مخاطبین میں قرآن مجید کے متن سے وابستگی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ کام اس وقت زیادہ آسانی سے ہوسکتا ہے جب مخاطبین اور طلبہ قرآن مجید کے بیشتر حصہ کے حافظ اور اس کے الفاظ سے اچھی طرح مانوس ہوں۔آج کل یہ کام بہت آسان ہوگیا ہے۔ بڑے بڑے قراء کے کیسٹ موجود ہیں۔قوت سماعت سے کام لیں، بار بار سننے سے لہجہ بھی درست ہو جائے گا۔اور بہت سا حصہ قرآن مجید کا حفظ بھی ہو جائے گا۔ بہت آسانی کی بات میں نے اس لیے کی ہے کہ آج کل ہمارے ہاں ماہرین حفظ کی ایک سعودی ٹیم آئی ہے جس نے کوئی خاص تکنیک ایجاد کی ہے کہ وہ ایک ماہ میں بچہ کو پورا قرآن مجید حفظ کروا دیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ تمام جدید مشینری استعمال کرتے ہوں گے۔اور بچے کی بھی ساری قوتیں استعمال کی جاتی ہوں گی۔اس سے یہ

اس خاص مسلک کے لوگ ہوتے ہیں جو اس عالم کا اپنا فقہی یا کلامی مسلک ہوتا ہے۔ دوسرے مسلک کا کوئی آدمی حاضرین وسامعین میں موجود نہیں ہوتا۔ ترجمہ قرآن بھی اپنے مسلک ہی کے عالم کا مخصوص ہوتا ہے۔ یوں تو کسی ترجمہ یا تفسیر کو مخصوص کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ایک اعتبار سے بہتر اور مناسب یہی ہے جس سے آپ کا ذوق ملے اسی عالم کے ترجمہ اور تفسیر کو آپ پڑھ لیں۔ لیکن اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ فلاں ترجمہ اور تفسیر ہی کو پڑھا جائے، اس کے علاوہ کسی اور ترجمہ یا تفسیر کو نہ پڑھا جائے تو یہ بات غلط ہوگی۔ کسی کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں کو زبردستی اپنے ذوق پر جمع کرے'' (۷۲)۔

۳۲۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کا درس دینے والوں کے لیے یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ پہلے قرآن مجید کے الفاظ پڑھیں پھر ان کا ترجمہ بیان کریں، صرف ترجمہ پڑھنے اور اسے بنیاد بنا کر درس قرآن دینے پر اکتفا کر لینا مناسب نہیں ہے، فرماتے ہیں:

''درس قرآن میں بنیادی چیز قرآن مجید کے الفاظ اور ان کی تلاوت ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے عرض کی کہ کبھی درس قرآن میں متن کی تلاوت کرنے کے بجائے صرف ترجمہ پڑھنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک مشہور دینی شخصیت کو دیکھا کہ وہ صرف ترجمہ کی مدد سے درس قرآن دے رہے تھے۔ مجھے یہ بات بڑی عجیب لگی اور انتہائی ناگوار محسوس ہوئی کہ اصل درس تو قرآن مجید کا دینا مقصود ہے۔ لیکن اکتفاء ترجمہ پر کیا جا رہا ہے۔ کم از کم پہلے قرآن مجید کے الفاظ کی تلاوت کی جائے۔ لوگوں کو اس کے الفاظ سے مانوس کروایا جائے۔ اور یہ کوشش کی جائے کہ لوگ جس حد تک سمجھ سکیں اس کو سمجھیں اور یہ بھی کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے (۷۳)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''اگر آپ کے مخاطبین اردو زبان اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں تو ان کے لیے بغیر عربی زبان سیکھے بھی قرآن مجید کے عمومی مفہوم کو کم از کم ۵۰ فی صد سمجھ لینا آسان ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے جتنے بھی الفاظ آئے ہیں ان میں جو مادے استعمال ہوئے ہیں وہ سارے کے سارے ۱۵۰۰ کے قریب ہیں۔ ان میں ۱۴۰۰ سے زائد مادے وہ ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ۱۴۰۰ مادے اگر پڑھنے والے کے ذہن میں رہیں تو قرآن مجید کا عمومی مفہوم اس کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اور بار بار ترجمہ پڑھنے اور بار بار درس سننے سے خود بخود ایک ذوق اور فہم پیدا ہو جاتا ہے'' (۷۴)۔

قبلہ ڈاکٹر صاحب نے زیر گفتگو مسئلہ کی توضیح کے لیے سورۃ الفاتحہ میں استعمال ہونے والے پندرہ عدد الفاظ

مسلمانوں کی تاریخ کا کوئی دور ہو، اور اس کے تقاضوں اور ضرورت پر گفتگو نہ ہوئی ہو۔ اسلام کی ابتدائی بارہ صدیوں میں کوئی صدی ایسی نہیں گذری جب مسلمانوں کے نظام تعلیم اور ان کے نظام تربیت میں قرآن مجید کو بنیادی اور اساسی اہمیت حاصل نہ رہی ہو۔ پھر مختلف ادوار، مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے ذہن میں جو سوالات وحی اور نبوت کے بارے میں پیدا ہوتے رہے ہیں وہ کم وبیش ہر دور میں یکساں رہے ہیں۔ بلکہ وحی ونبوت اور حیات بعد الممات جیسے بنیادی عقائد کے بارے میں منکرین خدا جن شبہات واعتراضات کا اظہار کرتے رہے ان کی حقیقت بھی ہر دور میں کم وبیش ایک جیسی ہی رہی ہے۔ . . ''(۶۹)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں ''یہی وجہ ہے کہ ایک اعتبار سے درس قرآن مجید کی ضرورت اور تقاضے ہمیشہ یکساں رہے ہیں:

زمانہ ایک ، حیات ایک ، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

یہ سمجھنا کہ جدید دور کے تقاضے اور ہیں اور قدیم دور کے تقاضے کچھ اور تھے، کم فہمی کی دلیل ہے۔ لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ بعض خاص حالات میں، یا خاص زمانوں میں خاص ضرورتوں کے پیش نظر کسی وقت کسی پہلو سے کوئی ضرورت بڑھ جائے یا کم ہو جائے۔ ضرورتوں میں یہ کمی بیشی اور تقاضوں میں یہ جزوی رد وبدل ہوتی رہتی ہے''(۷۰)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے ماضی کے مقابلہ میں حال میں قرآن مجید کی تعلیم وتدریس کے عمل کو زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''آج ہمارے نظام تعلیم میں ایسا کوئی خودکار بندوبست نہیں ہے کہ اس کے نتیجے میں لوگ قرآن مجید سے اس طرح واقف ہو جائیں جس طرح کہ انہیں واقف ہونا چاہیے۔ ان حالات میں اس عوامی انداز کے درس قرآن کی یا نظام تعلیم سے ہٹ کر ایک خارجی نظام کے تحت قرآن مجید کی تعلیم وتدریس کی اہمیت اب پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ بڑھ گئی ہے''(۷۱)۔

۳۱۔ محاضرات قرآنی میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے عصر حاضر میں ہم مسلمانوں میں پائی جانے والی ایک عام نوعیت کی خامی کی نشاندہی کی ہے، فرماتے ہیں:

''اب ہوتا یہ ہے جو بالکل درست نہیں ہے کہ ایک عالم کا درس قرآن ہوتا ہے، اس میں صرف

قرآن مجید کے مضامین کو ایک خاص انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے'' (۶۴)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''ہم اپنی سمجھ کے مطابق اگر جائزہ لیں تو شاہ صاحب کے بیان کردہ علوم خمسہ کی طرح ہمیں بھی قرآن پاک میں پانچ بنیادی مضامین نظر آتے ہیں، ان پانچوں میں سے ہر مضمون قرآن مجید کے ہر صفحہ پر بالواسطہ یا بلا واسطہ موجود ہے، جس کا ہر قاری خود مشاہدہ کر سکتا ہے'' (۶۵)۔

ڈاکٹر غازی صاحب کے بیان کردہ پانچ قرآنی مضامین یہ ہیں:

۱۔ عقائد ۲۔ احکام ۳۔ تزکیہ

۴۔ امم سابقہ کا ذکر ۵۔ موت اور مابعد الموت کا تذکرہ (۶۶)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ ان پانچ مضامین کے متعلقات کو سہل اور علمی انداز میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ ہیں قرآن مجید کے وہ بنیادی مضامین جو اس کے اصل موضوع سے براہ راست متعلق ہیں۔ یعنی انسان کی اس موجودہ زندگی میں اصلاح اور اس کی آئندہ زندگی میں فلاح کو کیسے حاصل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا جانشین کیوں کر بن کر دکھایا جائے'' (۶۷)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''ان کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور موضوعات قرآن پاک میں آئے ہیں۔ بعض جگہ طبی نوعیت کے مسائل ہیں۔ بعض جگہ ماحولیات کا تذکرہ ہے۔ یہ سارے مسائل بھی انہی پانچ مضامین کو ذہن نشین کرانے کے لیے ہیں۔ اور بالآخر ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن مجید کا اصل موضوع انسان کے سامنے تازہ اور بیدار رہے (۶۸)۔

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کے اس بیان سے جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ بالا مضامین کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اور موضوعات موجود ہیں۔ ان سے مطالعہ قرآن کی نئی نئی جہات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ جہات قرآنی تعلیمات سے متعلقہ ہوں یا دیگر نوعیت کے مسائل سے متعلقہ ہوں۔

۳۰۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی کتاب ''محاضرات قرآن'' کے خصائص میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انہوں نے قرآن مجید کی تدریس و تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور اسے ہر دور کے لیے ضروری قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''ایک اعتبار سے تدریس قرآن مجید کی ضروریات اور تقاضے ہر دور میں یکساں رہے ہیں۔

حقیقی کامرانی کے لیے ضروری ہیں ان سب سے قرآن مجید میں بالواسطہ یا بلاواسطہ بحث کی گئی ہے۔ جو موضوعات ومباحث اس بنیادی مضمون سے زیادہ گہرا اور قریبی تعلق رکھتے ہیں ان سب سے اس کتاب میں زیادہ بحث کی گئی ہے اور جو مباحث اس مرکزی موضوع سے براہ راست اور زیادہ گہرا تعلق نہیں رکھتے ان سے زیادہ مفصل بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ صرف سرسری اشارے کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔لیکن قرآن مجید کے کسی صفحہ پر بھی کوئی ایک آیت بھی آپ کو ایسی نظر نہیں آئے گی جس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ اس دنیاوی زندگی میں انسان کی اصلاح اور اس اخروی زندگی میں انسان کی فلاح سے نہ ہو۔ یہ ایک بنیادی چیز ہے جسے قرآن مجید کے ہر طالبعلم کے سامنے رہنا چاہیے''(۶۰)۔

۲۔ ''اب اگر قرآن مجید کا بنیادی مضمون یعنی دنیوی زندگی میں اصلاح اور اخروی زندگی میں فلاح آپ کے سامنے ہوتو پھر آپ دیکھیں گے کہ اس بنیادی مضمون سے بہت سے دوسرے موضوع منسلک ہیں۔اس سے بہت سی چیزوں کا تعلق بنتا ہے۔انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کیسی ہونی چاہیے؟ گھریلو زندگی کیسی ہو؟ انسان کا تعلق اپنے پروردگار سے کیسا ہو؟ انسان کا اپنے ماحول سے کیسا تعلق ہو؟ انسان کے افکار وخیالات کیا ہوں؟ اس کا اپنے افکار اور خیالات کے ساتھ کیا رویہ ہو، انسان کے جذبات وعواطف اور اس کے احساسات کیا ہوں؟ یہ ساری چیزیں اس بنیادی مضمون سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔اس لیے قرآن مجید نے ان تمام موضوعات سے بحث کی ہے''(۶۱)۔

۳۔ ''وہ مضامین جو قرآن مجید کے بنیادی موضوع سے گہرا تعلق رکھتے ہیں ان کو مختلف اہل علم نے مختلف انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضامین قرآن مجید کے اساسی موضوعات یا بنیادی مباحث قرار دیئے جا سکتے ہیں... ایک انداز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے۔... وہ ایک لفظ ''تذکیر'' کا استعمال کرتے ہیں جس کے معنی ہیں یاد دلانا، اور یہ لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ قرآن مجید نہ صرف سابقہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہدایت الٰہی کی یاد دہانی ہے بلکہ خود قرآن مجید کے اپنے مضامین اور اساسی تعلیمات کی اس میں بار بار یاد دہانی کرائی گئی ہے۔اس لیے قرآن مجید کے مضامین کے سیاق وسباق میں تذکیر کا لفظ برمحل ہے''(۶۲)۔

۴۔ ''ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیان کردہ پانچ قرآنی علوم (۶۳) کی سہل تشریح کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان کردہ علوم خمسہ ہیں جن میں انھوں نے

۵۔ قرآن مجید کا اسلوب انتہائی ایجاز اور جامعیت کا ہے، اس کا انداز بلاتشبیہ ٹیلی گرافک زبان کا سا ہے۔

۲۷۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے اسلوب کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے درج ذیل دو باتوں کو اہمیت کا حامل قرار دیا ہے:

> ''ایک تو قرآن مجید کا اپنا ایک الگ اسلوب ہے جو زبان و بیان کی بقیہ سب چیزوں سے منفرد ہے یہ نہ شعر ہے، نہ کہانت ہے اور نہ خطابت ہے۔ دوسری چیز قرآن مجید میں یہ پیش نظر رکھی گئی کہ اس کی زبان اور انداز بیان کو اس کے مخاطبین اولین کے فہم سے قریب تر کر کے پیش کیا گیا ہے۔ جہاں عرب کے اسلوب کو قرآن مجید نے اپنایا وہیں اہل عرب کی اچھی عادات کو بھی تسلیم کیا۔ جہاں جہاں ان میں کمزوریاں اور خامیاں تھیں وہاں ان کمزوریوں اور خامیوں کی بھی نشاندہی کی گئی''(۵۶)۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ: ''جیسے جیسے قرآن مجید مختلف اقوام میں جاتا جائے گا ان اقوام کی خرابیاں اور خوبیاں اسی طرح سے وحی الٰہی کی روشنی میں دیکھی اور جانچی جائیں گی جیسے قرآن مجید میں عربوں کی خوبیوں اور خرابیوں کو دیکھا گیا۔ اسی لیے قرآن مجید میں اہل عرب کی عادات کا ذکر کیا گیا ہے۔ گویا عربوں کو کیس اسٹڈی کے طور پر لے کر قرآن پاک کے اصول وقواعد کو منطبق کر کے دکھایا گیا اور بتایا گیا کہ آئندہ آنے والی اقوام کی خوبیوں اور کمزوریوں کو اسی طرح دیکھا جائے جیسے قرآن نے عربوں کی خوبیوں اور خامیوں کو دیکھ کر کھرا اور کھوٹا الگ الگ کر دیا ہے(۵۷)۔

۲۸۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے مختلف النوع اسالیب (۵۸) کے حوالے سے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''..........ان اسالیب میں کم وبیش ہر ایک کا نمونہ کلام عرب میں ملتا ہے۔ گویا کلام عرب میں حسن وخوبی اور فصاحت وبلاغت کے جو اسالیب اپنائے جاتے تھے، وہ سب کے سب بدرجہ اتم قرآن پاک میں موجود ہیں''(۵۹)۔

۲۹۔ محاضرات قرآنی میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کے موضوع اور اس کے اہم مضامین کو بہت عمدہ اور سہل انداز میں مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں دلیلاً چند ایک اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

ا۔ ''تھوڑا سا غور کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتاب (یعنی قرآن مجید) کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ اس زندگی میں انسان کی اصلاح اور اخروی زندگی میں انسان کی فلاح کو کیسے یقینی بنایا جائے۔ پورے قرآن میں اسی بنیادی مضمون سے بحث ہوئی ہے۔ وہ تمام امور جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس زندگی میں انسان کی دائمی اور

انداز کر دیا جائے اور مجھ سے پوچھا جائے کہ اس پیغام سے کیا مراد ہے؟ تو میں لغت میں دیکھ کر تار کی عبارت کو لغوی مطلب تو ضرور بتادوں گا، لیکن اس کی بقیہ تفصیلات میرے علم میں نہیں ہوں گی۔ وہ اصل مخاطب ہی کو معلوم ہوں گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رسول ﷺ کے ارشادات اور سنت رسول ﷺ میں بیان کردہ تعبیر وتشریح سے الگ کر کے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو وہ ایسا ہی ہوگا کہ جیسے میں اس ٹیلی گرام کے تفصیلی اور حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کروں جو آپ کو بھیجا گیا ہے(۵۴)۔

مکی سورتوں کے ایجاز کی توضیح کے لیے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے سورۃ المدثر کی ان آیات کو پیش کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (1) قُمْ فَأَنذِرْ (2) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (3) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (4) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (5) وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ (6) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾.

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''یہاں ہر جملہ ایک ایک لفظ پر مشتمل ہے بالکل ٹیلی گرافک انداز کی زبان ہے۔ لیکن جملوں کے اولین مخاطب رسول ﷺ ہیں اور آپ ﷺ ہی کو معلوم ہے کہ یہاں کس لفظ سے کیا مراد ہے؟ حضور ﷺ نے ان میں سے ہر جملہ کی تفسیر فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تفسیر کو سمجھا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص آج اٹھ کر یہ کہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے سنت اور حدیث کی ضرورت نہیں ہے اور محض لغت کی مدد سے قرآن مجید کے معانی متعین کیے جاسکتے ہیں، یا وہ اپنے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سند سے آمدہ تعبیر اور تشریح سے مستغنی سمجھے، تو وہ شخص قرآن مجید کو اتنا ہی سمجھ سکے گا جتنا وہ شخص اس ٹیلی گرام کو سمجھتا ہے جو اس کا مخاطب نہیں ہوتا''(۵۵)۔

۲۶۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے اپنے محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کے نظم اور اسلوب پر گفتگو کرنے والے کو نصیحت کی ہے کہ اسے درج ذیل پانچ چیزوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے:

۱۔ قرآن مجید میں اس کے بنیادی مضامین یکجا کیوں ہیں؟

۲۔ قرآن مجید کے مضامین غزل مسلسل کے انداز میں ہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ جو مختصر منظر کشی کی ہے وہاں قرآن مجید اس منظر کو یاد دلانا چاہتا ہے۔ اس کی واقعاتی تفصیلات بیان کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قرآن مجید انسانوں کی ہدایت اور عبرت کے لیے اتارا گیا ہے، اور اس کام کے لیے جزوی اور واقعاتی تفصیلات غیر ضروری ہیں۔

۴۔ قرآن مجید کا انداز خطیبانہ ہے، تالیفانہ نہیں۔ تقریری ہے، تحریری نہیں۔

اختیار کی ہے۔ خاص طور پر مولانا حمید الدین فراہی نے نہ صرف نظام کی اصطلاح اپنائی ہے بلکہ اس موضوع پر طویل عرصہ تک غور وفکر اور مطالعہ کے بعد انہوں نے اپنے تصور کو حتمی شکل دی۔ ان کی ایک کتاب ہے ''دلائل النظام''۔ اس میں انہوں نے اپنے دریافت شدہ نظام کی تفصیلات مثالیں دے کر بیان کی ہیں'' (۵۲)۔

پھر فرماتے ہیں: ''ان اصطلاحات میں تھوڑا فرق ہے۔ مناسبت تو پورے نظام کا ایک حصہ ہے اور پورے system کو آپ نظام کہہ سکتے ہیں۔ گویا قرآن مجید کے کلمات کی، پھر آیات کی، پھر سورتوں کی ترتیب میں جو حکمت ہے یا system کارفرما ہے اس کا مجموعی نام تو ''نظام'' ہے اور اس کے اندر جو جزوی تفصیلات ہیں وہ مناسبت کہلاتی ہیں۔ ان دونوں (اصطلاحات) میں یہ لطیف فرق ہے۔ گویا نظام ایک عام اصطلاح ہے اور مناسبت اس کے ایک حصہ کا نام ہے'' (۵۳)۔

۲۵۔ محاضرات قرآنی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے زیر گفتگو موضوع کے بعض پہلوؤں کو سمجھانے کے لیے روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے امور سے توضیح کی ہے جیسے مکی سورتوں کے ایجاز کو سمجھانے کے لیے ٹیلی گراف کی مثال پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''چوتھی چیز جو بڑی اہم ہے اور خاص طور پر مکی سورتوں میں پائی جاتی ہے، وہ قرآن مجید کا غیر معمولی ایجاز ہے۔ اگرچہ مدنی سورتوں میں بھی ایجاز کے نمونے کثرت سے ملتے ہیں، لیکن مکی سورتوں کے ایجاز کی شان ہی اور ہے۔ اور بعض جگہ ایجاز اتنا ہے کہ ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف میں معانی کا سمند پنہاں ہے۔ قرآن پاک کی مکی سورتوں کے ایجاز کو ٹیلی گراف یا تار برقی کی زبان سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ ٹیلی گراف زبان میں الفاظ بہت مختصر ہوتے ہیں، لیکن معانی وسیع ہوتے ہیں۔ بظاہر بہت ہی مختصر الفاظ میں ایک وسیع پیغام منتقل ہو جاتا ہے۔ مخاطب اور پڑھنے والا اس پیغام کے مفہوم، حقیقت اور پس منظر کو پورے طور پر سمجھ جاتا ہے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ اور ان میں کیا کہا گیا ہے؟

یہ تشبیہ ٹیلی گراف کی میں نے جان بوجھ کر اختیار کی ہے۔ اس لیے کہ جب آپ کسی کو یہ ٹیلی گرام دیں کہ send money یعنی رقم بھیج دو، تو بظاہر تو یہ صرف دو لفظ ہیں۔ لیکن ان دو لفظوں کا ایک تفصیلی پس منظر ہے۔ یہ بات صرف ٹیلی گرام کے مخاطب کو معلوم ہے کہ یہ پس منظر کیا ہے۔ اسی کو معلوم ہے کہ کیوں، اور کس مقصد کے لیے، اور کس کو اور کہاں، کب اور کتنی رقم بھیج دی جائے۔ یہ سب اس سیاق وسباق کی وجہ سے مخاطب کو پہلے سے معلوم ہے۔ اب صرف مختصر پیغام دیا گیا کہ رقم بھیج دو۔ لیکن اگر وہ ٹیلی گرام لا کر مجھے یا کسی اور غیر مخاطب کو دے دیا جائے اور اصل مخاطب کو نظر

اور انسانی علوم نے قرآن فہمی میں مدد دی'' (۴۸)۔

۲۳۔ محترم ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے تفسیر کے رجحانات اور انداز وطرق کو علوم القرآن کا ایک اہم مضمون قرار دیا ہے چنانچہ محاضرات قرآنی میں فرماتے ہیں: ''علوم القرآن کا ایک اہم مضمون اسالیب مفسرین یا مناہج مفسرین بھی ہے۔ اس عنوان کے تحت اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ مفسرین نے قرآن مجید کی تفسیر کے دوران میں کون کون سے اسالیب اور مناہج اختیار کیے ہیں۔ . . . تفسیر قرآن کے دیگر مناہج کے علاوہ ادبی، فقہی، لغوی اور فلسفیانہ مناہج۔ . . کا مطالعہ بھی علوم القرآن میں شامل ہے'' (۴۹)۔

۲۴۔ محاضرات قرآنی کی ایک منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے نظم قرآن کے سلسلہ میں نئی نئی کاوشوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا، مثلاً فرماتے ہیں:

الف۔ ''پنجاب کے مشہور شہر میانوالی کے قریب ایک گاؤں واں بچھراں کے ایک بزرگ مولانا حسین علی نے پوری زندگی قرآن مجید پر غور کیا۔ پھر اس طویل غور وخوص کے بعد انہوں نے ایک نیا سسٹم دریافت کیا جو سابقہ دریافت شدہ نظاموں سے بالکل الگ اور منفرد ہے۔ ان کے اس اسلوب کے مطابق ان کے شاگرد رشید مولانا غلام اللہ خان نے تفسیر جواہر القرآن مرتب کی جس میں اس پہلو پر بہت زور دیا گیا۔ ان تمام اہل علم کے مطالعہ کا نچوڑ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ یا ایک ایک کلمہ آپس میں اس طرح مربوط ہے جیسے کسی زیور میں موتی جڑے ہوتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک موتی کو بھی آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایک موتی بھی ادھر سے ادھر کر دیا جائے تو زیور کے حسن میں فرق پڑ جاتا ہے'' (۵۰)۔

ب۔ ''اسی طرح ہمارے صوبہ سرحد میں صوابی کے ایک بزرگ نے قرآن مجید کے نظم کا ایک اور انداز دریافت کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر سورت کا ایک دعویٰ ہوتا ہے پھر بقیہ سورت اس دعوے کے شواہد اور دلائل پر مشتمل ہوتی ہے۔ دلائل پر جو اعتراضات ہیں وہ بھی سورت میں شامل ہیں۔ پھر اعتراض کا جواب، پھر اس اعتراض پر اگر کوئی شبہ ہے تو اس شبہ کا ذکر اور شبہ کا جواب۔ غرض پوری سورت ایک دعوے اور سلسلہ دلائل سے عبارت ہے اور انہوں نے ہر سورت پر اس تحقیق کو منطبق کر کے دیکھا ہے۔ یہ بھی ایک غیر معمولی چیز ہے'' (۵۱)۔

۲۴۔ نظم قرآن پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے مناسبت کی اصطلاح کو متقدمین اور نظام کی اصطلاح کو متاخرین کی اصطلاح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''. . . مناسبت کی اصطلاح متقدمین نے اختیار کی ہے۔ نظام کی اصطلاح بعض متاخرین نے

آپ ﷺ نے کسی بھی غیر مسلم کو اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر کوئی حسی چیز پیش نہیں فرمائی۔ صرف اپنی شخصیت اور قرآن مجید کو دلیل کے طور پر پیش کیا'' (۴۴)۔

۲۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے اپنے قرآنی محاضرات میں آغاز اسلام سے آج تک مسلمانوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والے جملہ اسلامی علوم وفنون کو علوم القرآن اور تفسیر قرآن قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''علوم القرآن سے مراد وہ تمام علوم و معارف ہیں جو علماء کرام اور مفسرین اور مفکرین ملت نے گذشتہ چودہ سو سال کے دوران میں قرآن مجید کے حوالہ سے مرتب فرمائے ہیں۔ ایک اعتبار سے اسلامی علوم وفنون کا پورا ذخیرہ قرآن مجید کی تفسیر سے عبارت ہے۔ آج سے کم وبیش ایک ہزار سال قبل مشہور مفسر قرآن اور فقیہہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے لکھا تھا کہ مسلمانوں کے جتنے علوم وفنون ہیں، جن کا انہوں نے اس وقت اندازہ سات سو کے قریب لگایا تھا، وہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ سنت رسول ﷺ کی شرح ہیں، اور سنت رسول ﷺ قرآن مجید کی شرح ہے۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کے سارے علوم وفنون علوم القرآن کی حیثیت رکھتے ہیں'' (۴۵)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ''اسلام سے وابستگی کا بھی یہی تقاضا ہے، وحدت علوم کا منطقی نتیجہ بھی یہی ہے، ، اور وحدت فکر اور تصور وحدت کائنات کا بھی یہی ثمرہ ہے کہ سارے علوم وفنون کو قرآن مجید سے وہی نسبت ہو جو پتوں کو اپنی شاخوں سے، شاخوں کو اپنے تنے سے اور تنے کو اپنی جڑ سے ہوتی ہے'' (۴۶)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں: ''۔ ۔ ۔ جب ہم علوم القرآن کی بات کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو دائرے ہوتے ہیں ایک نسبتاً تنگ اور چھوٹا دائرہ وہ ہے جس میں وہ علوم اور فنون شامل ہیں جن کا تعلق براہ راست قرآن مجید کی تفسیر اور فہم سے ہے۔ ۔ ۔ علوم القرآن کا ایک اور نسبتاً وسیع اور بڑا دائرہ بھی ہے، اور وہ دائرہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں انسان کی وہ تمام فکری کاوشیں شامل ہیں جن کی سمت درست ہو اور جن کی اساس صحیح ہو۔ یہ وہ دائرہ ہے جس میں آئے دن نئے نئے علوم و معارف شامل ہو رہے ہیں، اور جن میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اس دائرہ میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے مسلمانوں نے اپنی فکری اور علمی سرگرمیوں میں کام لیا ہو، اور جو قرآن مجید کے بتائے ہوئے تصورات کے مطابق ہو، اور اس کی بنیادی تعلیم سے ہم آہنگ ہو'' (۴۷)۔

اس کے بعد ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب مسلمان اپنے تمام موجودہ معاشرتی اور انسانی علوم کو از سر نو مدون کرلیں گے تو پھر وہ اسی طرح سے قرآن فہمی میں مددگار ثابت ہوں گے جس طرح ماضی میں مسلمانوں کے معاشرتی

حاصل کرنے میں کسی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ماضی میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی مسیحی مصنف نے یا کسی یہودی یا ہندو مصنف نے اپنی کسی مذہبی کتاب کی شرح یا تائید میں مسلمانوں کے کسی نقطۂ نظر کو بیان کیا ہو اور اپنی کسی مذہبی چیز کی تائید میں قرآن پاک یا مسلمانوں کے نقطہ نظر سے کام لیا ہو۔ اس سے ان کے تعصب کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن ایسی شاید ایک بھی مثال نہیں ملے گی کہ کسی بڑے مفسر قرآن نے قرآن مجید کی تفسیر اور تشریح بیان کرنے میں دوسروں بالخصوص اہل کتاب کی مذہبی کتابوں کا حوالہ نہ دیا ہو۔ اس سے مسلمانوں کی وسعت ظرفی کا بھی پتا چلتا ہے اور عدم تعصب کا بھی اندازہ ہوتا ہے (۴۳)۔

۲۱۔ محاصرات قرآنی میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور نبی اکرم ﷺ کے معجزات میں موازنہ کر کے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی عمومیت اور شمولیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ صاحب کتاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جس علاقہ میں جو معجزہ بھیجا جائے وہ اس علاقے کے اعلیٰ ترین انسانی کمال سے ماوراء اور اس کی عظمت کی انتہاء سے بہت آگے ہو۔ اور لوگ تسلیم کر لیں کہ یہ ہمارے بس سے باہر کی چیز ہے۔ ایک بنیادی صفت تو معجزہ کی یہ ہے۔ دوسری صفت جو پہلے تمام معجزات میں مشترک رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت رہی ہے کہ جب تک اور جس علاقے میں کسی نبی کی نبوت کارفرما رہی، اس وقت تک وہ معجزہ بھی باقی رہا۔ اور جب نبوت کا دور ختم ہوا تو معجزہ بھی ختم ہو گیا۔ تیسری صفت یہ تھی کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کو حسی معجزات عطا فرمائے گئے جن کو انسان اپنے ظاہری حواس سے محسوس کر سکتا تھا کہ یہ معجزہ ہے۔ چوتھا اہم وصف یہ تھا کہ بقیہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات وقتی معجزات تھے، جو ایک خاص زمانہ کے بعد ختم ہو گئے۔ آج ہم یہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنا عصا پھینکتے تھے تو وہ اژدہا بن جایا کرتا تھا۔ لیکن آج نہ وہ عصا ہے اور نہ وہ اژدہا ہے۔ ہم میں سے کسی نے نہ وہ عصا دیکھا اور نہ وہ اژدہا دیکھا۔ اس لیے یہ معجزہ صرف اس دور کے لیے تھا۔ وہ دور گزرا تو وہ معجزہ بھی ختم ہو گیا۔

اس کے برعکس رسول ﷺ کی نبوت ہمیشہ کے لیے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ وہ آنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کا پیش کردہ وہ معجزہ بھی باقی ہے، جو اس نبوت کی تصدیق اور دلیل کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ جب تک حضور ﷺ کا دین باقی ہے، آپ ﷺ کا معجزہ بھی باقی رہے گا۔ قرآن مجید حضور ﷺ کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ہے اور اس اعتبار سے منفرد ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی نبوت کی تائید و تصدیق میں جب بھی کوئی چیز پیش فرمائی تو وہ قرآن ناطق اور قرآن صامت ہے۔ ان دونوں کے علاوہ جتنے معجزات بھی آپ ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے ان کو رسول ﷺ نے اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں فرمایا۔ سیرت کے بہت سے واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ

موجود ہے اور قرآن مجید کے ماننے والے موجود ہیں وہ قرآن مجید کے نئے نئے مطالب اور معانی پر غور کرتے رہیں گے اور یوں علم تفسیر کے نئے نئے اسالیب، نئے نئے مناہج اور نئے نئے رجحانات سامنے آتے رہیں گے'' (۳۷)۔

۱۹۔ محاضرات قرآنی کی ایک عمدہ خوبی یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے مطالعہ قرآن اور تفسیر قرآن کی مختلف النوع جہات کی نشاندہی کی ہے۔ ان جہات کی روشنی میں قرآن وتفسیر کے متعلق تحقیق کرنے والے طلبہ وطالبات تحقیق کے لیے موضوعات کا انتخاب کر سکتے ہیں، فرماتے ہیں:

''۔ ۔ ۔ مطالعہ قرآن مجید کے ابھی اتنے اچھوتے میدان موجود ہیں جن میں ابھی غوطہ زنی شروع بھی نہیں کی گئی۔ نہیں کہہ سکتے کہ ابھی علوم قرآن کے کتنے صدف اور ان میں کتنے گوہر پنہاں ہیں۔ قرآنی حقائق ومعارف کے سمندروں میں غوطہ زنی۔ ۔ ۔ جو نہیں ہوئی ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جواب تک ہوئی ہے'' (۳۸)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مرحوم ومغفور کے ساتھ پیش آنے والے نومسلم موسیقار کے عجیب وغریب واقعہ (۳۹) کا حوالہ دینے کے بعد ڈاکٹر غازی فرماتے ہیں کہ:

''اس واقعہ سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی جو صوتیات ہے، یہ علم وفن کی ایک ایسی دنیا ہے جس میں کوئی محقق آج تک نہیں اترا ہے۔ اور نہ ہی قرآن مجید کے اس پہلو پر اب تک کسی نے اس انداز سے غور وخوض کیا ہے۔ اس واقعہ کے سننے تک کم از کم میرا تاثر کیا خیال بھی یہی تھا کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کو بہت اچھی طرح پڑھتا ہے، غنہ اخفا، اظہار وغیرہ کا خیال کرتا ہے تو یہ ایک اچھی بات ہے۔ لیکن اس فن کی اتنی زیادہ اہمیت سے میں اس سے قبل واقف نہیں تھا۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ تجوید کا یہ فن بھی بے حد اہم چیز ہے (۴۰)۔

ایک اسلام دشمن شخص کا واقعہ (۴۱) ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کہ: ''۔ ۔ ۔ ابھی قرآن مجید پر غور وخوض کے نئے نئے دروازے کھلنے ہیں اور نئے نئے رجحان پیدا ہونے ہیں'' (۴۲)۔

۲۰۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے کتب تفسیر میں اسرائیلی روایات کے موجود ہونے سے اس حقیقت پر استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب سے مواد لینے میں کسی بھی قسم کا تعصب نہیں کیا ہے، فرماتے ہیں:

''اسرائیلیات کے بارہ میں اس اخذ وقبول سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا مزاج علمی توسع کا ہے۔ یعنی وسعت علمی اور وسعت نظری ہمیشہ مسلمانوں کا خاصہ رہی ہے۔ مسلمانوں نے کبھی بھی دوسروں سے کوئی علمی چیز

میں مطالعہ کرنے یا گفتگو کرنے کی درج ذیل دو وجوہات کا تعین کیا گیا ہے:

الف۔ ''پہلی وجہ یہ ہے کہ تفسیری ادب میں جس طرح سے اور جس تیزی کے ساتھ وسعت پیدا ہوئی اس کے نتیجے میں بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ پورے قرآن مجید کے باقاعدہ اور مکمل تفسیروں کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں تفسیری موضوعات پر مشتمل تیار ہوئیں اور آئے دن تیار ہو رہی ہیں۔ ان میں سے بعض تفسیروں میں ایسی چیزیں بھی شامل ہوگئی ہیں جو صحیح اسلامی فکر کی نمائندہ نہیں ہیں۔ قرآن مجید کے طلباء کو ان تمام رجحانات اور اسالیب سے باخبر اور متنبہ رہنا چاہیے۔ اس لیے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ چند ایسے نامور، مستند اور رجحان ساز مفسرین قرآن کا تذکرہ کیا جائے جو تفسیر کے پورے ذخیرے میں نمایاں اور منفرد مقام بھی رکھتے ہیں اور صحیح اسلامی فکر کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ یہ وہ بالغ نظر اور تاریخ ساز مفسرین قرآن ہیں جنہوں نے قرآن مجید کے علوم کی نشر و اشاعت میں انتہائی مفید اور تعمیری کردار ادا کیا ہے ،جن کے کام کے اثرات ،نتائج اور ثمرات آج پوری دنیا کے سامنے ہیں، اور جن کے اخلاص اور برکت عمل سے آج قرآن مجید کے معانی اور مطالب اپنی اصل شکل میں ہم تک پہنچے ہیں اور ہمارے پاس موجود ہیں۔

ب۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ قریب قریب تمام بڑے اور نمایاں مفسرین قرآن تفسیر کے مختلف رجحانات کی نمائندگی اور فہم قرآن کے مختلف اسالیب کی ترجمانی کرتے ہیں۔ بعض تفسیریں ایسی ہیں جو انتہائی جامع انداز کی ہیں، اور ان میں تمام بنیادی رجحانات کو سمو لیا گیا ہے۔ کچھ تفسیریں ایسی ہیں جو علم تفسیر کے کسی خاص رجحان یا اسلوب کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور اگر قرآن کے طلباء اس خاص رجحان یا اسلوب سے واقفیت حاصل کرنا چاہیں تو وہ تفسیریں ان کے لیے خاص طور پر مفید ہیں۔ لیکن ان طلباء کے لیے ان تفاسیر کی افادیت نسبتاً کم ہوگی جو قرآن مجید سے صرف عمومی اور ضروری واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تفسیر کے کسی متعین اسلوب سے دلچسپی نہیں رکھتے'' (۳۶)۔

۱۸۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ اپنے قرآنی محاضرات میں تفسیری رجحانات کی حتمی تعداد کے تعین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> ''یہ تعین تو قطعی طور پر کرنا ممکن نہیں ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں کل کتنے رجحانات پیدا ہوئے۔ اس لیے کہ جب تک انسانی ذہن کام کرتا رہے گا، نئے نئے رجحانات پیدا ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ خود بیسویں صدی میں کئی نئے رجحانات سامنے آئے، جب تک انسان روئے زمین پر

''. . . یاد رکھنا چاہیے کہ ترجمہ بھی تفسیر ہی کی ایک شاخ ہے اور تفسیر ہی کا ایک ذیلی اور چھوٹا سا شعبہ ہے۔ اس لیے جس طرح مفسر قرآن کے لیے بہت سی چیزیں ضروری ہیں۔ اسی طرح مترجم قرآن کے لیے بھی بہت سی چیزیں ضروری ہیں'' (۳۲)۔

پھر خطبہ دوازدہم میں فرماتے ہیں:

''ایک اور چیز جو درس قرآن کے حلقوں کو منظّم اور مرتب کرنے میں پیش آتی ہے اور جس پر تھوڑی سی گفتگو کی ضرورت ہے وہ قرآن مجید کا متن اور ترجمہ ہے۔ یاد رکھیے کہ عربی متن ہی دراصل قرآن ہے۔ اور جو ترجمہ ہے وہ بھی دراصل تفسیر ہی کی ایک شاخ ہے۔ یعنی ایک مترجم نے اپنی فہم کے مطابق قرآن پاک کو سمجھا اور اس کا ترجمہ کیا۔ . . تفسیر کے لیے جو چیزیں درکار ہیں وہی قرآن مجید کے ترجمہ کے لیے بھی درکار ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص عربی زبان نہیں جانتا تو وہ براہ راست قرآن مجید کا ترجمہ نہیں کر سکتا'' (۳۳)۔

پھر فرماتے ہیں کہ

:''. . . جب تک (قرآن مجید) پڑھنے والے کی براہ راست وابستگی قرآن مجید کے ساتھ نہیں ہو گی اس وقت تک یہ کوشش نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگی۔ یہ وابستگی متن سے ہونی چاہیے، کتاب الٰہی کے الفاظ سے ہونی چاہیے۔ کسی مترجم یا مفسر کے ترجمہ سے وابستگی ضروری نہیں۔ ترجمہ قرآن مجید کی خدمت کے لیے ہے۔ وہ قرآن کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اصل چیز قرآن مجید کا متن ہے جو معجز ہے، منزل من اللہ ہے۔ معانی اور مطالب کا سمندر ہے'' (۳۴)۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''. . . اگر متن کو نظر انداز کر دیا جائے اور ساری توجہ ترجمہ پر مرکوز کر دی جائے تو گویا ایک طرف تو ہم نے ایک انسان کی فہم کو قرآن مجید کے قائم مقام کر دیا جو بہت بڑی جسارت بلکہ بے ادبی ہے۔ دوسری طرف ہم نے قرآن کی وسعتوں کو ترجمہ کی تنگنائیوں میں محدود کر ڈالا۔ کوئی کتنا ہی بڑا انسان ہو حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا صحابی جلیل کیوں نہ ہو۔ اس سے قرآن کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اور غلطی سے کوئی مبرا نہیں ہے'' (۳۵)۔

۱۷۔ محاضرات قرآنی کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کے مفسرین کے بارے

اس طرح سے نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ پھر ان ایک ڈیڑھ لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مزید لاکھوں تابعین کو تربیت دی۔ تابعین رحمہم اللہ نے آگے چل کر دسیوں لاکھ، بلکہ شاید کروڑوں تبع تابعین کو تربیت دے دی۔ اس طرح یہ سب چیزیں اجتماعی نقل اور اجتماعی عمل کے ذریعہ سے آگے منتقل ہو رہی ہیں (۲۹)۔

۱۵۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں قرآن مجید کے ترجمہ کو اس کی تفسیر قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

''ترجمہ قرآن بھی تفسیر قرآن کا ایک اہم حصہ ہے، ترجمہ بھی ایک طرح کی تفسیر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک آپ قرآن مجید کی کسی آیت کو سمجھ کر اس کا مطلب متعین نہ کریں اس کا ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے ترجمے کے لیے بھی فہم کی ایک سطح درکار ہے۔ جہاں جہاں قرآن مجید کی تفسیر کو سمجھنا ضروری ہے وہاں تفسیر سمجھے بغیر ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ جہاں تاویل کرنی ہے۔ وہاں تاویل کے بغیر ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تفسیر اور تاویل کی ایک کم از کم سطح ترجمے کے لیے بھی ضروری ہے (۳۰)۔

۱۶۔ محاضرات قرآنی مین ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والے کے لیے کچھ شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے، فرماتے ہیں:

> ''قرآن مجید کا ترجمہ کرنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہوسکتا۔ ترجمہ کرنے میں اتنی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں کہ جب تک قرآن مجید کے مضامین پر بہت اچھی گرفت نہ ہو براہ راست کسی آدمی کا ترجمہ کے لیے قلم اٹھانا نہ صرف ایک بڑا دشوار اور مشکل کام ہے، بلکہ ایک بہت بڑی جسارت بھی ہے۔ ترجمہ کے لیے ضروری ہے کہ خود قرآنی زبان پر عبور ہو۔ احادیث پر عبور ہو۔ پھر جس زبان میں آپ ترجمہ کر رہے ہوں اس زبان پر عبور ہو۔ اور اس زبان کی نزاکتوں کا اندازہ ہو۔ پھر جہاں، جس زمانہ میں اور جس علاقے میں آپ ترجمہ کر رہے ہیں، اس زمانہ کا محاورہ آپ کو پتہ ہو۔ اور وہاں کے رسم و رواج کا آپ کو علم ہو۔ بعض اوقات ایک خاص رواج کے پس منظر میں آپ ایک بات کو ایک انداز سے کہیں گے تو اس کا مطلب اور ہوگا۔ لیکن اسی بات کو کسی دوسرے ماحول میں اسی انداز سے کہیں گے تو اس کا مطلب کچھ اور ہوگا۔ لغت میں دونوں کی گنجائش ہوگی۔ اس لیے ترجمہ کرتے وقت ان چاروں چیزوں کو پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے'' (۳۱)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

اصولوں سے ہٹ کر من مانے انداز سے نہ کرنے لگے'' (۲۵)۔

تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

'' قرآن مجید کو من مانی تاویلات کا نشانہ بنایا جائے تو پھر یہ کتاب ہدایت کے بجائے گمراہی کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف قرآن میں اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ بہت سے لوگ اس سے گمراہ بھی ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اس سے ہدایت بھی پاتے ہیں'' (۲۶)۔

۱۳۔ محاضرات قرآنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ '' علوم القرآن'' اور علم تفسیر بعض اعتبار سے ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اور بعض اعتبار سے یہ دونوں الگ الگ علوم ہیں۔ یہ دونوں اس اعتبار سے ایک ہی چیز ہیں کہ جن علوم و معارف کو علوم القرآن کہا جاتا ہے۔ ان سب سے علم تفسیر ہی میں کام لیا جاتا ہے۔ وہ گویا علم تفسیر کے اوزار اور آلات ہیں۔ یہ وہ وسائل ہیں جن سے کام لے کر قرآن مجید کی تفسیر اور تعبیر کی جاتی ہے۔ لیکن اس اعتبار سے وہ تفسیر سے الگ ہیں کہ یہ تفسیر میں کام آنے والے آلات و ذرائع ہیں، خود تفسیر نہیں ہیں۔ تفسیر اس عمل کا نام ہے جس کی رو سے قواعد اور اصول تفسیر کا انطباق کر کے قرآن مجید کے معانی دریافت کیے جائیں'' (۲۷)۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ '' یہ جو مختلف علوم وفنون یا آلات و وسائل ہیں ان میں بہت سی وہ چیزیں شامل ہیں جن کو جانے بغیر یا جن سے کام لیے بغیر تفسیر قرآن کے عمل میں پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ مثال کے طور پر خود نزول کی تفصیلات کہ کون سی آیت کیسے نازل ہوئی، قرآن مجید میں جو قصص بیان ہوئے ہیں ان کا پس منظر کیا ہے، وہ کیوں بیان ہوئے، کوئی خاص حکم کب، کیوں اور کن حالات میں نازل ہوا، یہ سب امور جو اسباب نزول کہلاتے ہیں، ان کا گہرا علم بہت سے معاملات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح یہ تعین کہ کون سی آیت مکی ہے اور کونسی مدنی، یہ اور اس طرح کے بہت سے علوم و مسائل ہیں جن کو مجموعی طور پر علوم القرآن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (۲۸)۔

۱۴۔ محاضرات قرآنی میں تفسیر قرآن کے حوالے سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ '' تفسیر قرآن کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو امت کے اجتماعی طرز عمل کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ یہ اجتماعی طرز عمل ہر دلیل سے بڑھ کر اور ہر شک وشبہ سے ماوراء ہے۔ اس کو اسی طرح قطعیت حاصل ہے جس طرح قرآن مجید کو حاصل ہے۔ نمازیں پانچ ہیں۔ فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین اور عشاء کی چار۔ ان چیزوں کو رسول ﷺ نے محض بیان فرمانے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ یا صرف لکھوا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ ﷺ نے کم وبیش ڈیڑھ لاکھ صحابہ کو عملی تربیت دے دی کہ وہ

بالفعل براہ راست، اور پوری انسانیت کے لیے بالقوۃ ایک نظام ہدایت ہے۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پرکھ کر کھرے اور کھوٹے کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔ یہ وہ نظام ہدایت ہے جو رہتی دنیا تک کے لیے ہے، جس کی پیروی ہر زمان اور ہر مکان کے انسانوں کو پیش آنے والے ہر معاملہ میں روحانی ہدایت اور اخلاقی وتشریعی راہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔ اس کتاب کی مدد سے مکارم اخلاق کے معیارات رہتی دنیا تک کے لئے مقرر کئے جاتے رہیں گے" (۲۲)۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

"یہ کتاب علوم و معارف کا ایک لامتناہی گنجینہ ہے۔ یہ رہتی دنیا تک کے لیے کتاب ہدایت اور دستور العمل ہے۔ اگر اس میں ہر دور کے لیے راہنمائی کا سامان موجود ہے تو ہر دور کے اہل علم کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کے انسانوں کے لیے اس کتاب کی تعبیر و تفسیر کا فرض انجام دیں واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید معانی و مطالب اور حقائق و معارف کا ایک ایسا لامتناہی سمندر ہے جس کے نہ معانی اور مطالب کی کوئی حد ہے اور نہ اس کے حقائق و معارف کی کوئی انتہا ہے" (۲۳)۔

جہاں تک قرآن مجید سے ہدایت و راہنمائی حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے اور اسے سمجھنے کے لیے قرون اولی سے مروجہ اصولوں اور ضابطوں کا لحاظ رکھا جائے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کتاب سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو سمجھنے اور منطبق کرنے میں ان اصولوں اور قواعد کی پابندی کی جائے جو حضور ﷺ کے زمانے سے تفسیر و تشریح قرآن کے لئے برتے جا رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماعی طرز عمل اور امت اسلامیہ کے اجتماعی رویہ،، تعامل اور فہم قرآن کی رو سے تفسیر قرآن کے لئے ایسے مفصل اصول اور قواعد طے پا گئے ہیں جن کی پیروی روز اول سے آج تک جاری ہے (۲۴)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"ان اصولوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ جس طرح کتاب الٰہی کا متن محفوظ رہا، اس کی زبان محفوظ رہی، اسی طرح اس کے معانی اور مطالب بھی ہر قسم کی تحریف اور اشتباہ سے محفوظ رہے، اور اس بات کا اطمینان رہے کہ کوئی شخص نیک نیتی یا بد نیتی سے اس کتاب کی تعبیر و تشریح طے شدہ

۲۔ ''اگر کسی نے مغربی افکار اور نظریات کا گہرا مطالعہ کیا تو آپ اسے عبدالماجد دریا بادی کی تفسیر پڑھنے کا مشورہ دیں جو ایک جلد میں ہے۔لیکن بڑی غیر معمولی اور عمدہ تفسیر ہے'' (۱۷)۔

۳۔ اگر کوئی شخص تقابل ادیان میں دلچسپی رکھتا ہے تو ایک تفسیر حقانی ہے،، انیسویں صدی کے اواخر میں ایک بزرگ تھے مولانا عبدالحق حقانی، یہ ان کی تفسیر ہے،، (۱۸)۔

۴۔ اگر کوئی انگریزی ادب کا دلدادہ ہے اور مغرب کی نفسیات کا طالب علم ہے تو پھر آپ اسے عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ اور تفسیر دیں (۱۹)۔

پھر فرماتے ہیں:

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پہلے آدی کا ذوق اور مزاج دیکھ لیں اور اس کے مطابق اسے پڑھنے کے لئے کتابیں دیں۔اگر اس کے دل میں ہدایت کا بیج ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے تو یقیناً اسے ہدایت حاصل ہوگی (۲۰)

ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی اس کتاب میں دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کے اسباب ومحرکات کو معلوم کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ شخص کیسے اس فتنہ میں مبتلا ہوا ہے پھر اسباب کی روشنی میں اس کا فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا کوئی ممکنہ علاج تجویز کیا جائے، چنانچہ آپ دہریت کے فتنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

> ''اگر کوئی شخص دہریت کے فتنے میں گرفتار ہے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اس فتنہ میں کیوں مبتلا ہوا، اور وہ کون سے اسباب ومحرکات تھے جو اس فتنہ کا ذریعہ بنے۔سبب معلوم کرنے کے بعد علاج آسان ہو جاتا ہے......،، (۲۱)۔

۱۲۔ محاضرات قرآنی میں قرآن مجید کی عمومیت، شمولیت، اکملیت اور آفاقیت کو نہایت عمدہ اور سہل انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔اس حقیقت پر ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کا یہ بیان واضح طور پر دلالت کرتا ہے، فرماتے ہیں:

> ''قرآن مجید۔۔۔۔اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔یہ مسلمانوں کے لیے قیامت تک ضابطہ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ایک اسلامی معاشرے میں تمام اصولوں اور معاشرتی قوانین کا مآخذ ومصدر اوّلیں یہ کتاب ہے۔اس اسلامی ریاست میں یہ کتاب ایک برتر قانون اور دستورالعمل کی حیثیت رکھتی ہے۔قرآن مجید ایک ایسا ترازو اور پیمانہ ہے جس کی بنیاد پر حق وباطل میں تمیز کی جاسکتی ہے۔یہ وہ فرقان ہے جو ہر صحیح کو ہر سقیم سے الگ کرسکتی ہے۔یہ کتاب مسلمانوں کے لیے

ب۔ دمغ العقائد الباطلۃ، یعنی وہ تمام باطل عقائد جو لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہیں، وہ مسلمانوں کے ذہن ہوں یا غیر مسلموں کے ان سب باطل عقائد کی تردید کی جائے۔

ج۔ نفی الأعمال الفاسدہ، یعنی جو اعمال فاسدہ انسانوں میں رائج ہیں، چاہے ان کی بنیاد کسی غلط عقیدے پر ہو یا نہ ہو، ان اعمال کی غلطی کو واضح کیا جائے، اور ان کو مٹانے اور درست کرنے کی کوشش کی جائے۔۔۔(۱۳)۔

یہ تین وہ مقاصد ہیں جو درس قرآن کے اصل مقاصد ہیں اور یہی مقاصد رہنے چاہیں، چاہے درس قرآن کسی بھی سطح کا ہو، چاہے وہ امام رازی رحمہ اللہ کی سطح کا درس قرآن ہو، یا ہماری اور آپ کی سطح کا، اس کے یہ تین مقاصد لازماً ہوں گے۔ انسان کے نفس کی تہذیب کی ہر وقت ضرورت ہے۔ اس لیے کہ تہذیب نفس اور تزکیہ روح کی کوئی انتہا نہیں ہے، نفس کی جتنی بھی تہذیب اور روح کا جتنا بھی تزکیہ ہوتا چلا جائے گا، اس سے اونچا ایک معیار ہمیشہ موجود رہے گا (۱۴)۔

۱۰۔ اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید کا درس دینے والے کے لیے دیگر علوم سے واقف ہونا ضروری نہیں ہے، ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن مجید کو نہ کسی بنیاد کی ضرورت ہے، نہ بیساکھیوں کی، قرآن مجید بنیاد بھی فراہم کرتا ہے، دیواریں بھی فراہم کرتا ہے اور تعلیم کی تکمیل بھی کرتا ہے۔ قرآن مجید خود اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے۔ باقی علوم قرآن مجید کے محتاج ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ آپ سے کہیں کہ آپ نے فقہ اور اصول فقہ کا علم حاصل نہیں کیا، یا آپ نے علم الکلام نہیں پڑھا۔ اس لیے آپ کو درس قرآن کی ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہیے۔ میرا ناچیز کا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس وسوسہ میں نہ پڑیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔ میں خود فقہ کا طالب علم ہوں، فقہی موضوعات پر ہی پڑھتا اور پڑھاتا ہوں۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قرآن فہمی فقہ کی محتاج نہیں، یہ تمام علوم قرآن پاک کے محتاج ہیں قرآن ان میں سے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس لیے آپ کسی کی پروا کیے بغیر اپنا کام جاری رکھیں (۱۵)۔

۱۱۔ اس کتاب کی ایک منفرد خوبی یہ ہے کہ اس میں انسان کے مطالعہ کی نوعیت کے لحاظ سے تفسیروں کو پڑھنے کا مشورہ دیا گیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ا۔ ''اگر کوئی ادب کا طالب علم ہو تو اس کو قرآن مجید کے ادبی محاسن کی کوئی کتاب دیجیے۔ مثلاً سید قطب رحمہ اللہ کی کتاب ہے ''مشاہد القیامہ فی القرآن''۔ اس کو پڑھ کر قرآن مجید کی ادبی عظمت کا اعتراف ہوگا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کوئی شخص بھی قرآن مجید کے لغوی معنوی حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا بشرطیکہ وہ اس کے دائرے میں آجائے'' (۱۶)۔

''مسلمان کو قرآن مجید کا مطالعہ اس لیے کرنا چاہئے کہ قرآن مجید ہی مسلمانوں کی زندگی کی اساس ہے، جس عالمی برادری کو ہم امت مسلمہ کہتے ہیں (جس کے لیے کبھی کبھی ملت اسلامیہ کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔اس کی اساس صرف قرآن مجید ہے، قرآن مجید کے علاوہ امت مسلمہ کی اور کوئی اساس نہیں ہے۔قرآن مجید ہمارے پاس دو شکلوں میں آیا ہے:

۱۔ قرآن ناطق، یعنی بولتا قرآن

۲۔ قرآن صامت، یعنی خاموش قرآن

قرآن صامت (یعنی خاموش قرآن) جو یہ کتاب ہے جو خود تو نہیں بولتی لیکن ہم اسے پڑھتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے ہیں۔قرآن ناطق یعنی بولتا قرآن وہ ذات گرامی ہے، علیہ الصلاۃ والتحیہ، جس نے قرآن مجید کو دنیا تک پہنچایا، اس کی تفسیر وتشریح کی اور اس قرآن پر عمل کر کے دکھایا۔ ۔ ۔(۱۱)۔

۸۔ کتاب کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی تدریس میں مخاطبین کی ذہنی وعلمی استعداد کا لحاظ رکھنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''درس قرآن کے اسلوب اور منہاج پر بات کرتے ہوئے ہمیں یہ ضرور خیال رکھنا اور دیکھنا چاہئے کہ ہمارے اس درس کے مخاطبین کون ہیں۔مخاطبین کا لحاظ رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ مخاطبین کی بہت سی علمی اور فکری سطحیں ہوتی ہیں، بہت سے پس منظر ہوتے ہیں اور ان سب کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔بعض اوقات درس قرآن کا مخاطب ایک عام تعلیم یافتہ شہری ہوتا ہے، اس کے تقاضے اور ضروریات اور ہوتے ہیں۔۔اس لئے پہلے یہ تعین کر لینا چاہئے کہ ہمارا ہدف کیا ہے اور ہم کس طبقہ کو خطاب کرنا چاہتے ہیں، جس طبقہ اور جس معیار کے لوگوں سے بات کرنی ہو اس طبقہ کے فکری پس منظر، اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات، اس طبقہ میں اٹھائے جانے والے سوالات، ان شبہات وسوالات کا منشا پہلے سے ہمارے سامنے ہونا چاہیے''(۱۲)۔

۹۔ کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حوالے سے نزول قرآن کے درج ذیل تین مقاصد کو بیان کر کے آسان الفاظ میں ان کی توضیح کی گئی ہے:

الف۔ تہذیب نفوس البشر کے انسانوں کے نفوس کی اندر سے تہذیب ہو۔

بھی کی جائے۔ چنانچہ انسانوں نے ہر نافع اور ضار چیز کو مقدس سمجھنا شروع کر دیا۔ آگے چل کر یہ احترام اور یہ تقدیس بڑھتے بڑھتے عبادت کے درجہ تک جا پہنچا'' (۷)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''یوں ہوتے ہوتے ہر کائناتی قوت محترم اور مقدس قرار پا جاتی، پھر اس کی پوجا کی جانے لگتی ہے اور اس کو بالآخر معبود کے درجہ پر فائز کر دیا جاتا ہے....'' (۸)۔

۵۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں تحقیق کے ایک اہم اصول کو بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ: ''تقدیس کے ساتھ تحقیق ممکن نہیں''۔ اس اصول کی توضیح ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''یہ ہمیشہ یاد رکھیے گا (کہ) تحقیق ممکن ہے امکان تسخیر کے ساتھ جس چیز کو مسخر کرنے کا آپ کے اندر جذبہ پیدا ہو اور آپ کو یقین ہو کہ آپ اسے مسخر کر سکتے ہیں وہی چیز آپ کی تحقیق کا موضوع بنے گی۔ لیکن جس چیز کے گرد تکریم و تقدیس کا ہالہ چھایا ہوا ہو اس کی تحقیق نہیں ہوتی۔ آپ میں سے بہت سی خواتین کا تعلق میڈیکل سائنس کے شعبہ سے بھی ہے۔ میڈیکل سائنس میں مردہ لاشوں کو چیر پھاڑ کر دیکھا جاتا ہے، مردہ جسم پر تحقیق کی جاتی ہے اور طلبہ کو بتایا جاتا ہے کہ انسانی جسم کس طرح کام کرتا ہے؟ لیکن میڈیکل سائنس کا طالبعلم اپنے باپ کی میت کو اس تحقیق کے لئے استعمال نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی اس سے ایسا کرنے کو کہے گا تو اس پر جھگڑے گا، فساد کرے گا، اور شاید مار پٹائی تک نوبت آ جائے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ باپ کے ساتھ جو تقدس اور احترام کا تعلق ہے وہ اس تحقیق کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ کسی اجنبی انسان کے ساتھ وہ احترام اور تقدس وابستہ نہیں ہوتا جو باپ کی مردہ لاش سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس لے اس کی Dissection اور تحقیق میں کوئی شخص تامل نہیں کرتا'' (۹)۔

۶۔ اس کتاب میں انسانیت پر قرآن مجید کی عطاؤں، رحمتوں اور احسانوں کو ایک عمدہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی مثال کہیں اور نہیں ملتی جیسے انسانی وحدت و مساوات کا واضح اور دوٹوک اعلان، عقل و وحی اور مذہب و علم کے درمیان توازن اور امتزاج، علمی منہاج اور طرز استدلال وغیرہ (۱۰)۔

۷۔ ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ کی اس کتاب میں قرآن مجید کو مسلمانوں کی زندگی کی اساس قرار دیتے ہوئے اس کے مطالعہ کی ضرورت واہمیت کو بیان کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں:

خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں تدریس قرآن کے عمل کو بہتر طریقے سے انجام دے سکے۔ اس اصول کو ڈاکٹر غازیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''جب ہم تدریس قرآن مجید کا ایک منہاجی جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید کی تدریس کے آج کل کون کون سے طریقے رائج ہیں، ان طریقوں میں کیا کیا مقاصد کارفرما ہیں اور ہمارے پیش نظر جو مقاصد ہیں ان کو حاصل کرنے لیے تدریس قرآن کے اس عمل کو زیادہ سے زیادہ بہتر کیسے بنایا جائے۔

منہاج سے مراد وہ طریقہ کار ہے جو کسی ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے یا کسی بڑے عمل کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے شریعت کے ساتھ ساتھ منہاج کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ منہاج سے مراد یہ ہے کہ شریعت کے کسی حکم پر عملدرآمد کرنے کے لیے جو طریق کار اور اسلوب اختیار کیا جائے وہ کیا ہو، اس کے تقاضے کیا ہوں اور اس کی تفصیلات کو کیسے مرتب اور مدون کیا جائے (۴)۔

۳۔ اس کتاب میں قرآن مجید کا مطالعہ کرنے کے اغراض و مقاصد کے تعین کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کو قرآن مجید کا مطالعہ کیوں کیسے اور کس لیے کرنا چاہئے!(۵)۔

غیر مسلموں کے لئے مطالعہ قرآن کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک انصاف پسند غیر مسلم اگر قرآن مجید پر نظر ڈالے گا اور قرآن مجید کی تاریخ اور انسانیت پر اس کتاب کے اثرات کا مطالعہ کرے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کتاب کا مطالعہ اس کے لیے بھی شاید اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس کتاب کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس نے انسانیت کی تاریخ پر اتنا گہرا اثر ڈالا ہو جتنا قرآن مجید نے ڈالا ہے(۶)۔

۴۔ اس کتاب میں ماضی اور حال میں لوگوں میں پائی جانے والی ایک بہت بڑی اور خطرناک غلط فہمی کی نشاندہی کر کے اس سے مکمل طور پر اجتناب کرنے کی نصیحت کی گئی ہے چنانچہ صاحب کتاب فرماتے ہیں:

> ''نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ایک بہت بڑی غلط فہمی پائی جاتی تھی (جو کسی حد تک اب بھی پائی جاتی ہے) کہ ہر وہ چیز جو انسانوں کو کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے وہ اپنے اندر خاص قسم کے مافوق الفطرت اثرات اور قوتیں رکھتی ہے۔ یہ غلط فہمی انسانوں میں بہت پہلے کم علمی اور جہالت کی وجہ سے پیدا ہوگئی، اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ ہر وہ قوت جو اس کی نظر میں مافوق الفطرت حیثیت رکھتی ہے وہ اس بات کی مستحق ہے کہ نہ صرف اس کا احترام کیا جائے بلکہ اس کی تقدیس

محاضرات قرآنی کے خصائص

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے خطبات و محاضرات (لیکچرر) پر مبنی کتاب ''محاضرات قرآنی'' کا بغور اور تسلسل سے مطالعہ کے دوران جو جو خصائص سامنے آتے گئے انہیں اس مقالہ میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ محاضرات قرآنی کی سب سے پہلی خوبی یہ ہے کہ اس کے آغاز میں جہاد، خواہ بالسیف ہو یا بالقرآن کے تصور اور جذبے کو اجاگر کیا گیا ہے اور جہاد بالقرآن کے اثر کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب کتاب ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جہاد، اسلام کا ایک بنیادی ستون ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی رو سے جہاد اسلام کا ذروۃ سنام ہے۔ جیسا کہ آپ مجھ سے بہتر جانتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کے ستونوں اور ارکان کا تذکرہ بھی احادیث مبارکہ میں ملتا ہے۔ لیکن اس عمارت کا سب سے بڑا اور سب سے بلند برج اور سب سے اونچا کنگرہ جہاد ہے۔ جس کو ذروۃ سنام الاسلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاد صرف تلوار سے ہی نہیں بلکہ علمی اور فکری اسلحہ سے بھی لڑا جاتا ہے۔ اس کا انداز اور طریقہ کار ہر جگہ اور ہر وقت ایک جیسا نہیں ہوتا، بلکہ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے اس کا انداز بدلتا رہتا ہے۔ وہ عملی انداز کا بھی ہوتا ہے اور علمی اور فکری انداز کا بھی ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاد بالسیف کا تذکرہ ہے جو جہاد کی سب سے اعلیٰ اور ارفع قسم ہے، وہیں علمی اور فکری جہاد کا بھی تذکرہ آیا ہے، ارشاد گرامی ہے، ﴿وجاهد هم به جهاداً كبيرا﴾۔ یہ رسول ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کے خلاف یعنی کفار عرب کے خلاف قرآن مجید سے جہاد کریں۔ یہاں اس جہاد کو جہاد کبیر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے ذریعہ سے جو جہاد کیا جائے گا وہ نہ صرف نص قرآنی کی رو سے علمی اور فکری جہاد ہوگا بلکہ وہ جاد کبیر بھی کہلائے گا۔

یہ جہاد بالقرآن وہ جہاد ہے جس کے نتیجہ میں مجاہدین کی ایک پوری نسل تیار ہوتی ہے، اسی کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ کی ایک مضبوط علمی، فکری اور روحانی بنیاد استوار ہوتی ہے اور اسی کے نتیجے میں لوگوں کے جسم خاکی نہیں بلکہ روح و قلب فتح ہوتے ہیں۔ تلوار کے جہاد سے لوگوں کی گردنوں کو فتح کیا جاتا ہے، لیکن قرآن کے ذریعہ سے جو جہاد کیا جاتا ہے اس سے لوگوں کے دل، ان کی روحیں اور ان کے قلب و دماغ متاثر ہوتے ہیں، اس لیے بجا طور پر یہ جہاد کبیر کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ (۳)

۲۔ اس کتاب میں ایک اہم اصول کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تدریس کے لئے عصر حاضر میں مروجہ اسالیب و مناہج اور ان کے استعمال کے اغراض و مقاصد کا دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تا کہ ہر معلم،

- خطبہ چہارم: جمع وتدوین قرآن مجید
- خطبہ پنجم: علم تفسیر ایک تعارف
- خطبہ ششم: تاریخ اسلام کے چند عظیم مفسرین قرآن
- خطبہ ہفتم: مفسرین قرآن کے تفسیری مناہج
- خطبہ ہشتم: اعجاز القرآن
- خطبہ نہم: علوم القرآن ایک جائزہ
- خطبہ دہم: نظم قرآن اور اسلوب قرآن
- خطبہ یازدہم: قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اہم مضامین
- خطبہ دوازدہم: تدریس قرآن مجید دور جدید کی ضرورت اور تقاضے

سبب خطبات

مذکورہ بالا دس خطبات کے سبب اور ان کی ضرورت کے متعلق ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم، تاریخ وتدوین قرآن کریم اور علوم القرآن کے چند پہلوؤں پر یہ خطبات اپریل ۲۰۰۳ء میں خواتین مدرسات قرآن کے روبرو دیئے گئے۔ ان خطبات کی ضرورت کا احساس سب سے پہلے میری بہن محترمہ عذرا نسیم فاروقی کو ہوا، جو اگرچہ عمر میں مجھ سے کم لیکن دینی حمیت، اخلاص اور للّٰہیت میں مجھ سے بہت آگے اور میرے جیسے بہت سوں کے لیے قابل رشک ہیں۔ وہ خود ایک عرصہ سے درس قرآن کا اہتمام کر رہی ہیں۔ . . ''(۱)۔

اسلوب خطبات

خطبات کے اسلوب کے متعلق ڈاکٹر غازی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

''ان خطبات کی زبان تحریری نہیں تقریری ہے۔ انداز بیان عالمانہ اور محققانہ نہیں داعیانہ اور خطیبانہ ہے۔ چونکہ خطبات کا کوئی متن پہلے سے تیار شدہ نہ تھا اس لیے انداز بیان میں خطیبانہ رنگ کہیں کہیں بہت نمایاں ہو گیا ہے۔ نظر ثانی کے دوران میں اس انداز کو بدلنا طویل وقت کا متقاضی تھا۔ اس لیے اس کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔''(۲)

محاضرات حدیث (از ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم) کی اہم خصوصیات
(ایک تجزیاتی مطالعہ)

* ڈاکٹر تاج الدین ازہری

برصغیر میں غالباً پہلی مرتبہ مدراس کے علاقہ میں ساؤتھ انڈین مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام خالص علمی وفکری لیکچرز کا اہتمام ''خطبات'' کے نام سے ہوا۔ جس میں علامہ سلیمان ندوی اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہما جیسے اساطین ملت نے اپنی برسوں کی تحقیقات کو اپنے محاضرات کی صورت میں عوام کے سامنے رکھا۔ خطبات کے نام سے جب یہ فکری گفتگو شائع ہوئی تو لیل ونہار کی گردش نے ان کی افادیت سے کمی نہ آنے دی بلکہ ان سے استفادہ کا رجحان روز افزوں ہوتا رہا۔ اس علمی روایت کو آگے بڑھا کر ۱۹۸۰ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور نے دوبارہ تازہ کیا جہاں ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے پیرس سے تشریف لا کر بارہ لیکچرز دیئے اور انہیں خطبات بہاولپور کے نام سے شائع کیا گیا۔ ان کی افادیت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور یہ مختلف جگہوں سے بار بار شائع ہو رہے ہیں۔ (۱)

اسی طریقۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اسلام آباد کے ادارے ''الھدیٰ انٹرنیشنل'' کی دعوت پر جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نے ۷ اکتوبر سے ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء تک الھدیٰ کے وسیع ہال میں حدیث اور اس سے متعلقہ علوم کے بارے میں لیکچرز دیئے جنہیں بعد میں صوتی تسجیل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ڈاکٹر صاحب کی منظوری سے الفیصل ناشران لاہور نے پہلی بار ۲۰۰۴ء میں شائع کیا اور اب تک یہ محاضرات چھ بار شائع ہو چکے ہیں جس سے ان کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ان محاضرات کے علمی مرتبہ ومقام اور اہم خصوصیات کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ محاضر کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے کیونکہ محاضر کا علمی تجربہ، معرفتِ لغات، وسیع مطالعہ، انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ان کی نظر اور ان سے تعامل ہی اس کے محاضرات کو چار چاند لگاتے ہیں اور یہ سب کچھ ڈاکٹر غازی صاحب کو حاصل تھا۔ اس کے ساتھ ان کے عام فہم اندازِ گفتگو، حدیث رسول ﷺ سے دلی محبت، اس کی اشاعت کے جذبے، اس کے عالمانہ دفاع اور اس میدان میں مزید کام کے لیے لوگوں کو ابھارنے کے احساس نے ان محاضرات کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر وچیئرمین شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۳۹۔ بنی اسرائیل،۷۰

۴۰۔ الاعراف :۱۵۷

۴۱۔ سورۃ الحج ۷۸

۴۲۔ محاضرات ص ۳۶۷

۴۳۔ البقرۃ:۱۲۹

۴۴۔ حدیث تخریج اور متن

۴۵۔ محاضرات ص ۳۶۸

۴۶۔ محاضرات ص ۳۶۹۔۳۹۱ (تصرف)

۴۷۔ محاضرات ص ۳۷۲

۴۸۔ محاضرات ص ۳۷۳

۴۹۔ سیوطی الاتقان، نوع ۷۸ ص ۸۶۹

۵۰۔ محاضرات قرآنی۔۱۵۰۔۱۶۰

۵۱۔ محاضرات، ص ۱۵۰۔۱۶۰

۵۲۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی، مرتب و مدون ادب القاضی ص ۱۶۔۱۸

۵۳۔ محاضرات قرآنی ص ۳۷

۵۴۔ ایضاً، ص ۳۸

۵۵۔ محاضرات قرنی، ص:۴۰۱

۱۴۔ سید سلمان ندوی (مرتبہ) مقالات شبلیؒ جلد اول نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۹ء ص ۲۹۔

۱۵۔ بدر الدین زرکشی ''البرہان فی علوم القرآن'' میں یہ فہرست ص ۲۹ جلد اول پر موجود ہے۔

۱۶۔ جلال الدین سیوطی نے خصوصی طور پر ان دو کتابوں ''البرہان فی علوم القرآن'' اور ''مواقع العلوم من مواقع النجوم'' کو پیش نظر رکھا۔

۱۷۔ ڈاکٹر صبحی صالح ''علوم القرآن'' یہ کتاب بیروت اور مصر سے کئی دفعہ شائع ہو چکی ہے، پاکستان میں غلام احمد حریری نے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو کہ کئی بار چھپ چکی ہے۔

۱۸۔ محاضرات قرآنی ص:۹

۱۹۔ محاضرات قرآنی، ص:۹

۲۰۔ محاضرات قرآنی، ص:۲۸۳

۲۱۔ محاضرات قرآنی، ص:۲۸۳

۲۲۔ محاضرات قرآنی ص ۲۸۳

۲۳۔ ایضاً، ص:۲۸۴

۲۴۔ محاضرات ص ۱۶۹۳

۲۵۔ محاضرات قرآنی، ۱۶۳، ۱۶۴

۲۶۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر ص ۱۷ اشاعت اسلام کتب خانہ محلہ جنگی پشاور

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۸

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۸

۲۹۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر ص: ۱۷

۳۰۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر، ص ۳۰

۳۱۔ الفوز الکبیر ص ۳۳

۳۲۔ الفوز الکبیر ۳۲، ۳۳

۳۳۔ الفوز الکبیر ص ۳۵

۳۴۔ محاضرات ص ۳۵۷

۳۵۔ محاضرات۔ ۳۵۸۔ ۳۶۱، بتصرف

۳۶۔ محاضرات ص ۳۶۱۔ ۳۶۳

۳۷۔ محاضرات ص ۳۶۴۔ ۳۶۵

۳۸۔ النازعات، ۲۳، ۲۴

ہماری دینی درسگاہوں میں روز یہ تنقیدی تبصرے ہوتے رہتے ہیں۔لیکن یہ کہنے کی کسی کی مجال نہیں ہے کہ مولانا تھانوی یا مولانا مودودی یا مولانا احمد رضا خان سے بھی غلطی ہوئی ہے۔کوئی ذرا یہ جرأت کر کے دیکھے،ان کے مریدین سرتوڑ دیں گے اور اسلام سے خارج کر کے دم لیں گے"۔(۵۵)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی تمام حسنات کو اعلیٰ درجے میں قبول فرما کر ان کے "محاضرات قرآنی" کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اپنے شایان شان مقام رفیع عطا فرمائے۔آمین

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سورۃ العلق:۱

۲۔ السیوطی،جلال الدین،الاتقان فی علوم القرآن،ادارہ اسلامیات لاہور،ج اص ۲۲ ۱۹۸۲ء

۳۔ ال عمران۔۱۶۴

۴۔ اس حقیقت کے اعتراف میں کسی کو انکار نہیں کہ برصغیر میں ترجمہ قرآن کی بنیاد ڈالنے والے شاہ ولی اللہ تھے۔ان کے فارسی ترجمہ وتفسیر کے بعد ان کے بیٹوں نے قرآن کریم کے اردو تراجم کیے اور بعد میں ایک سلسلہ چل نکلا کہ برصغیر کی تقریباً ہر قابل ذکر زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام براہ راست بندوں تک پہنچا۔

۵۔ شاہ ولی اللہ "الفوز الکبیر" مکتبہ برھان اردو بازار دہلی ۱۹۵۵ ص ۵

۶۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی "محاضرات قرآنی" الفیصل ناشران وتاجران کتب،اردو بازار لاہور ص ۷۔۸

۷۔ پیش نظر مذکورہ اشاعت ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے جو کہ دار الفکر بیروت کی کاوش ہے۔

۸۔ الزرکشی برھان الدین،البرھان فی علوم القرآن ص

۹۔ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) کا پورا نام حافظ عبدالرحمٰن بن الکمال ابوبکر بن محمد بن سابق الدین بن الفخر عثمان السیوطی لقب جلال الدین اور کنیت ابو الفضل،حدیث فقہ،نحو،معانی بیان،بدیع میں ماہر تھے۔تین سو کتابوں کے مصنف ہیں۔بعض کے نزدیک ۴۶۰ اور بعض کے نزدیک ۵۰۰ کتب ہیں۔ملاحظہ مقدمہ "الاتقان فی علوم القرآن"

۱۰۔ سیوطی الاتقان فی علوم القرآن۔ص ۳۲

۱۱۔ ان کتب کے نام الاتقان کے مقدمہ میں درج ہیں۔

۱۲۔ علامہ سیوطی کی تفسیر جلالین کے علاوہ مجمع البحرین ومطلع البدرین ہے،التحبیر فی علوم التفسیر اس کا مقدمہ ہے۔

۱۳۔ مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن بیروت ۲۰۰۷ء۔

ہیں ۔جس طرح علوم الحدیث علوم الفقہ بھی تفسیر قرآن کے معاون علوم ہیں ۔تفسیر قرآن کے لیے یہ علوم عہد بہ عہد مرتب ہوئے ہیں ،دور جدید آج پھر ان علوم میں وسعت کا متقاضی ہے جدید مسائل کو قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے علوم القرآن کے دائرے کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے ۔علوم لقرآن کی زیادہ تر قواعد وضوابط قرآن کریم کے لفظی و داخلی معنوں کی خاطر مرتب ہوئے ہیں ۔خارجی ترقی اور عصری علوم کو زیر بحث لانے کے لیے مزید قواعد وضوابط درکار ہیں ۔علامہ بدرالدین زرکشی نے ۴۸ اور علامہ جلال الدین سیوطی نے اضافہ کر کے ۸۰ قواعد اور انواع کو علوم القرآن میں شامل کیا ۔شاہ ولی اللہؒ نے اس میدان میں اور نئی جہتیں تلاش کیں جو علوم القرآن اور اصول التفسیر کو مؤثر بنانے کے لیے ایک اہم قدم تھا ڈاکٹر محمود احمد غازی بھی علوم القرآن کے عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق نتیجہ خیز بنانے کے داعی ہیں ۔

ان محاضرات کو پڑھ کر علوم القرآن کی وسعت ، گہرائی اور جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔اور اسلام کی شاندار علمی ماضی قدیم ورثہ اور اسلاف کے کارناموں پر اعتماد اور اطمینان بڑھتا ہے ۔ایک نہایت حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس قدر وسیع علم رکھنے والی شخصیت اپنی ذاتی رائے اور خیال ظاہر کرنے میں حد درجہ احتراز سے کام لیتے ہیں ۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے درس وتدریس قرآنی اور علوم القرآن کا اکابر پرستی اور دوہرے معیار پر کڑی تنقید کی ہے ،فرماتے ہیں '' ہمیں درس قرآن کریم کے حلقے منظم کرنے ہیں ۔لوگوں کو بنیادی عقائد پر جمع کرنا اور شریعت کی تعلیم اس طرح دینا جہاں خود شارع نے اختلاف کی گنجائش رکھی ہے اس اختلاف کو آپ تسلیم کریں ۔اب ہوتا یہ ہے جو بالکل درست نہیں ہے کہ ایک عالم کا درس قرآن کریم ہوتا ہے ۔اس میں صرف اس خاص مسلک کے لوگ ہوتے ہیں جو ان عالم کا اپنا فقہی یا کلامی مسلک ہوتا ہے ۔دوسرے مسلک کا کوئی آدمی حاضرین اور سامعین میں موجود نہیں ہوتا ۔ترجمہ قرآن کریم بھی اپنے مسلک کے عالم کا مخصوص ہوتا ہے ۔یوں تو کسی ترجمہ یا تفسیر کو مخصوص کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔جس سے آپ کا ذوق ملے اسی عالم کے ترجمہ اور تفسیر کو آپ پڑھ لیں ،لیکن اگر اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جائے کہ فلاں ترجمہ اور تفسیر ہی کو پڑھا جائے اس کے علاوہ کسی اور ترجمہ یا تفسیر کو نہ پڑھا جائے تو یہ بات غلط ہوگی کسی کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ لوگوں کو زبردستی اپنے ذوق پر جمع کرے ۔

ایک اور جگہ اکابر پرستی کی بڑے اچھے انداز میں تنقید کر رہے ہیں فرماتے ہیں '' اگر غلطی ابو بکر صدیقؓ سے ہوسکتی ہے تو پھر کوئی شخص بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے ۔حضرت عمرؓ سے فہم قرآن میں چوک ہوتی ہے اور وہ اس کا برملا اظہار کرتے ہیں ۔ہمارے ہاں آج کل یہ کہنا آسان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ سے غلطی ہوگئی ، ہمارے لیے یہ کہہ دینا بھی بہت سہل ہے کہ امام شافعیؒ نے فلاں جگہ غلطی کی او یہ کہہ دینا بھی آسان ہے کہ امام مالک نے فلان بات صحیح نہیں سمجھی ،

اول:　　تطہیرِ فکر

دوم:　　تعمیرِ فکر

تطہیرِ فکر کے تحت رائج الوقت علوم وفنون کا قرآن کریم کے نقطہ نظر سے تنقیدی جائزہ لے کر صداقت وغیر صداقت کا امتیاز واضح کرنا شامل ہے یہ وہ پہلا عمل ہوگا جس سے رائج الوقت غالب نظریات میں موجود نقائص سامنے آئیں گے مثال کے طور پر فلسفہ، سائنس، فلسفہ سیاست، معاشیات، عمرانیات، نفسیات وغیرہ میں موجود خامیوں کی نشاندہی مطلوب ہو۔ جبکہ اس کے بعد تعمیر فکر کا مرحلہ آتا ہے۔

قرآنی فکر اور عصری فکر کے درمیان امتیازات اور خامیوں کی نشاندہی کے بعد تعمیر فکر کا مرحلہ آتا ہے اس میں قرآنی نقطہ نگاہ سے تمام قدیم وجدید علوم کی ترتیب نو اور تشکیل جدید شامل ہے قرآنی اصولوں کی روشنی میں علوم کی تدوین نو کر کے اسے عصر جدید میں کارآمد بنانا ہے۔ (۵۲)

علوم القرآن کا بے پناہ ذخیرہ مسلم تفسیری ادب کا مسلسل حصہ چلا آرہا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہے گا۔ لیکن دور جدید میں یہ علوم (علوم القرآن) مؤثر نہ رہے اس کے دو سبب ہیں۔

اول:　　یہ کہ علوم القرآن کو بتدریج ایک تفسیری شعبہ قرار دے کر محض داخلی میدان تک محدود کر دیا گیا۔ ایسے میں انسانی فکری بصیرت ایک دائرے میں مقید ہوگئی۔

دوم:　　دوسرا سبب یہ ہے کہ عصری علوم اور فنون کو قرآنی علوم کے اثر سے دور کر دیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ متکلم اور مفسر پیدا نہ ہو سکے جو عصری اثرات کو علوم القرآن کا حصہ بنانے کا داعیہ پاتے (۵۳)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے نزدیک وقت کا تقاضا ہے کہ نئے چیلنجز اور تازہ مسائل سے عہدہ برآ ہونا حجیت قرآنی بھی ہے اور قرآنی علوم کے مطالعہ کے لیے ایک وسیع میدان بھی ہے (۵۴)

علوم القرآن کے تحت مرتب شدہ قواعد وضوابط کے مطالعہ وتفسیر کا ابتدائی دروازہ بھی ہے اس دروازہ کی جب تک توسیع نہیں ہوتی جدید علمی دریافتوں کو قرآنی علوم کی کسوٹی پر پرکھنا مشکل ہے اور مطالعہ قرآن کی نئی جہتوں کا تعین ممکن نہیں۔

تاریخی طور پر قرآنی مطالعہ وتفسیر کے لیے جن قواعد وضوابط اور اصول کو علوم القرآن کی اصطلاح دی گئی ہے بنیادی طور پر یہ مطالعہ قرآن کریم اور تفسیر کے امدادی علوم ہیں جو قرآن کریم کے داخلی معنوں تک پہنچنے میں معاون ہوتے

شاہ ولی اللہؒ کے بعد علوم القرآن کے مجال میں لکھنے والے علماء نے انہی کی پیروی کی ہے اوانہی کی بیان کردہ نکات کی توضیح وتشریح کی۔ البتہ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے شاہ ولی اللہ کے مؤقف کے مطابق علوم القرآن میں وسعت اور اس میدان میں نئی حکمت عملی کی نشاندہی کی ہے۔ جو کہ درج ذیل ہے:

ا۔ علوم القرآن اور اصول تفسیر کے ضمن میں بہت سے قواعد وضوابط خود حضورﷺ نے بیان کر دیئے ہیں۔ ایسے ہی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین نے بیان فرمائے اور امت نے پیروی کی لیکن ہر صدی اور ہر دور میں قرآن کریم کے مفسرین کو نئی نئی تفسیریں لکھنے کی ضرورت کا احساس ہوا۔

ب۔ قرآن کریم علوم ومعارف کا گنجینہ ہے۔ یہ ہر دور کے لیے کتاب ہدایت اور دستور العمل ہے، اہل علم کا فرض ہے کہ وہ اپنے دور کے انسانون کے لیے قرآن کریم کی تعبیر، تشریح وتفسیر کریں۔

ج۔ نئے علم تفسیر، علوم القرآن اور اصول کی ضرورت ہے تا کہ ہر نئی آنے والی صورت حال میں قرآن کریم کے احکام کو اس پر منطبق کرنے کا عمل جاری رہ سکے، اس مقصد کے لیے تفسیر کے اصول اور تشریح کے نئے قواعد درکار ہیں۔

د۔ جن علوم ومعارف کو علوم القرآن کہا جاتا ہے ان سب سے علم تفسیر میں کام لیا جاتا ہے۔ یہ علم تفسیر کے آواز اور آلات ہیں جن سے قرآن کریم کی تفسیر اور تشریح کی جاتی ہے تفسیر اس عمل کا نام ہے جس کی رو سے قواعد اور اصول تفسیر کا انطباق کر کے قرآن کریم کے معانی دریافت کیے جاتے ہیں۔

ھ۔ علوم القرآن کی باقاعدہ داغ بیل دوسری ہجری تک پڑ چکی تھی اور حدود متعین ہو گئی تھیں پھر جیسے جیسے علم تفسیر کا ارتقاء ہوتا گیا نئے نئے علوم وفنون بھی پیدا ہوتے گئے۔ (۵۰)

و۔ مطالعہ قرآن کے ابھی اتنے اچھوتے میدان موجود ہیں جو ابھی تک زیر غور نہیں لائے گئے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابھی علوم القرآن کے کتنے صدف اور ان میں کتنے گوہر پنہاں ہیں۔ (۵۱)

عصر جدید مطالعہ قرآن اور علوم القرآن کریم سے مقاصد کے حصول کا مطالعہ کرتا ہے۔ ملت اسلامیہ کو موجودہ زوال آمادہ صورت حال سے باہر آنے کے لیے قرآن کریم سے اخذ واستنباط فکر کے لیے واضح مقاصد کا تعین کرنا ہوگا ۔ ڈاکٹر محمود غازی اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

یہ وہ مضامین ہیں جو امم سابقہ کے حوالہ سے قرآن کریم میں آتے ہیں، ایک اعتبار سے یہ عقیدہ کی تکمیل ہیں کہ ان واقعات کے تذکرہ سے عقیدہ مضبوط ہوتا ہے ایک اعتبار سے یہ احکام کی تکمیل ہیں کہ ان سے احکام پر عمل کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور ایک اعتبار سے یہ اخلاق کی تکمیل ہیں کہ ان سے اخلاق روشن ہوتے ہیں، اس طرح یہ دراصل گزشتہ تینوں بنیادی مضامین کا یعنی عقائد، احکام، اخلاق کا تکملہ اور تتمہ ہیں اور ان تینوں کو Reinforce کرنے کے لیے ہیں۔

پانچویں اور آخری چیز جو ان چاروں کو reinforce کرتی ہے وہ موت اور مابعد الموت کا تذکرہ ہے۔ یعنی مناظر و مشاہد کے بارے میں جیسے فلم کا ایک شارٹ ہوتا ہے۔ اور مختصر ترین وقت میں بڑے بڑے مناظر دکھا دیئے جاتے ہیں اسی طرح قرآن کریم میں مختصر ترین الفاظ میں یہ امور بتائے گئے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ قیامت کی ہولناکی کے منظر کو ذہنوں میں بیدار اور تازہ رکھا جائے۔ اس لیے کہیں حساب کتاب کا منظر ہے کہیں حشر کا منظر ہے اور کہیں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ (۴۸)

یہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قرآن مجید کے وہ بنیادی مضامین ہیں جو قرآن کریم کے اصل موضوع سے براہ راست متعلق، یعنی انسان کی اس موجودہ زندگی میں صلاح اور آئندہ زندگی میں فلاح کو کیسے حاصل کیا جائے۔

اس سے پتہ چلا کہ غازی صاحب نے شاہ صاحب کے علوم خمسہ کو بہت اسان اور سہل انداز میں ذکر کیا ہے۔

علوم القرآن کی موضوعات کی وسعت اور ڈاکٹر غازی کی کئی نئی جہات کی نشاندہی

معنوی لحاظ سے علوم القرآن کا میدان بہت وسیع ہے۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے مفسر قرآن اور فقیہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے مسلمانوں کے کل علوم کی تعداد کا شمار تقریباً سات سو (700) بتایا تھا۔ ان سب علوم کو بالواسطہ یا بلا واسطہ سنت رسول ﷺ کی شرح اور سنت رسول ﷺ کو قرآن کریم کی شرح قرار دیا اور اس اعتبار سے سارے علوم و فنون علوم القرآن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے ابن النقیب کے حوالے سے علوم القرآن کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

اول: ایسا علم جس کو خدا تعالیٰ نے مخلوق ظاہر نہیں فرمایا۔

دوم: ایسا علم جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے اسرار اور راز ہیں۔ اور جنہیں صرف نبی ﷺ پر ظاہر فرمایا۔

سوم: ایسا علم جو آپ ﷺ کو انسان کی تعلیم کے لیے سکھایا گیا چاہے وہ ظاہری ہو یا پوشیدہ اس میں محکمات و متشابہات کی تقسیم ہے جس میں متشابہ آیات کی تاویل ہوتی ہے (۴۹)۔

حلال، حرام، مستحب وغیرہ ان کے اندر رہتے ہوئے امت کے اہل علم اپنے اجتہاد اور اجماع سے ضروری تفصیلات طے کر سکتے ہیں۔ ان تفصیلات کی قیامت تک کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ (۴۲)

تیسرا بنیادی مضمون ہے اخلاق، تزکیہ اور احسان یعنی وہ چیز جو انسان کے جذبات اور احساسات کو منضبط کرے وہ اخلاق، تزکیہ اور احسان ہے، تزکیہ کی اصطلاح قرآن کریم میں استعمال ہوئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (۴۳)

تزکیہ سے مراد ہے روحانی پاکیزگی کا ایسا عمل جس کے نتیجہ میں انسان اندر سے پاکیزہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اتنا مضبوط ہو جائے جتنا ہونا چاہیئے اس عمل کا نام جو تربیت کے ایک پورے نظام عمل سے عبارت ہے تزکیہ ہے جب انسان پاکیزگی اور تزکیہ کے اس طویل عمل سے گزرتا ہے تو وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جو احسان کا مقام کہلاتا ہے۔ اس کا ذکر اس مشہور حدیث میں ملتا ہے جو حدیث جبریلؑ کہلاتی ہے (۴۴)۔

اس حدیث کے بموجب احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (۴۵)

قرآن کریم کا چوتھا بڑا مضمون امم سابقہ کا تذکرہ قرآن مجید نے دو قسم کے تذکرے کیے ہیں ایک انبیاء کرام کا تذکرہ بنی نوع انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مبعوث فرمایا۔

انبیاء کرام کی سیرت کا تذکرہ جو قرآن کریم میں جا بجا بکھرا ہے۔ جب قرآن کریم کا قاری یہ تذکرہ بار بار پڑھتا رہے گا تو اس کے سامنے یہ سارے انسانی اوصاف اور اخلاقی خصائل مشکل ہو کر آتے رہیں گے قرآن مجید کا پڑھنے والا انبیاء کرام کی روحانی معیت میں زندگی گزارے گا۔ ہر وقت اس کے سامنے یہ مناظر رہیں گے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیسے صبر کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیسے شکر کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیسے قربانی دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیسے حق بات کہی۔ انسانی ذہن اور کردار سازی پر اس کا جو اثر ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے وہ واضح ہے۔ (۴۶)

ان تمام خوبیوں اور کمالات کا مجموعہ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی ہے اگر قرآن کریم کا قاری قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھتا ہے تو روحانی طور پر وہ انبیاء کی معیت میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو قرآن کریم کی نظر میں مثبت رول ماڈل ہیں۔ دوسرا تذکرہ امم سابقہ کے حوالہ سے ان منفی کرداروں کا ہے جو گمراہی اور انحراف کا نمونہ ہیں۔ جن میں فرعون قارون ہامان وغیرہ شامل ہیں۔ (۴۷)

کو خدا سمجھتا ہے جیسا فرعون ''فحشر فنادی فقال انا ربّکم الاعلی'' (۳۸)

اس کے برعکس کبھی ایک اور غلط فہمی انسان کو یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ میں تو کیڑوں مکوڑوں سے بھی بدتر ہوں، دنیا کی ہر چیز مجھ سے برتر اور افضل ہے وہ میرے لیے خدا ہے، ہر وہ چیز جو مجھے نفع یا نقصان پہنچائے وہ میرے لیے خدا کا درجہ رکھتی ہے وہ بندر ہو، چھپکلی ہو، پیپل کا درخت ہو، گنگا اور جمنا کے دریا ہوں، ان سب کو معبود ٹھہرایا گیا ہے۔

قرآن مجید نے ان دونوں غلط فہمیوں کی تردید کر دی اور بتایا کہ انسان کا درجہ ہم نے اپنی تمام مخلوقات سے بلند کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (۳۹)

یعنی ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا، بر و بحر میں ان کو سواریاں عطا کیں ان کو پاکیزہ اور ستھری چیزوں پر مشتمل رزق عطا فرمایا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو بڑی فضیلت اور برتری عطا کی۔ لہٰذا جب ہم نے اکرام عطا کیا ہے تو دنیا کی کسی چیز کو دیوتا نہ مانو، ہر چیز سے تمھارا درجہ بلند ہے اور ہر چیز تمہارے لیے مسخر کی گئی ہے۔

قرآن مجید کا دوسرا بڑا مضمون احکام ہے، یعنی قرآن کریم کی وہ ہدایات اور تعلیمات جو انسانی زندگی کے ظاہری اعمال کو منظم کرتی ہیں، قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم اور شریعت کے اوصاف اور خوبیاں بیان کرتے ارشاد فرمایا:

﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (۴۰)

یہاں یہود کی طرف بھی بالواسطہ اشارہ ہے کہ ان کے ربیوں اور راہبوں نے عوام الناس پر غیر ضروری ضابطوں اور لاتعداد اصول اور قواعد کا اتنا بوجھ لاد دیا تھا کہ لوگ اس سے اکتا گئے تھے۔ قرآن مجید نے واضح اور دوٹوک اعلان کیا کہ دین میں نہ کوئی سختی ہے اور نہ تنگی۔ ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' (۴۱) اور '' الدّین یسر '' اور ایسے ہی دوسرے اصول و قواعد شریعت کے احکام کی بنیاد ہیں۔

جس طرح عقائد میں بعض بنیادی ہدایات دی گئی ہیں اسی طرح احکام میں بھی بنیادی ہدایات دی گئی ہیں براہ راست احکام پر مبنی آیات قرآن کریم میں صرف دو سو یا سوا دو سو ہیں اور اتنی ہی مزید ہیں جو احکام سے بالواسطہ تعلق رکھتی ہیں۔ بقیہ چھ ہزار ایک سو آیات کریمات دوسرے معاملات سے متعلق ہیں، یہ حدود جو قرآن کریم نے دی ہیں یعنی

پر آنکھ بند کر کے بھی چلا جائے تو منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اس راستہ میں اتنی روشنی ہے کہ لیلھا کنھارھا اس کی راتیں بھی اتنی روشن ہیں جیسے ! اس کے دن، اس راستہ میں کوئی الجھاؤ اور پریشانی نہیں (۳۵)

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں عقیدہ کی تین بنیادیں ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، توحید، رسالت اور معاد۔ معاد کے لفظی معنی ہیں وہ جگہ یا وہ وقت جہاں آپ کسی سے ملاقات کا وقت مقرر کریں، معاد کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان سے اور ہر قوم سے ملاقات کا ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ اس ملاقات کی تفصیلات قرآن کریم میں موجود ہیں، توحید، رسالت اور معاد کا آپس میں گہرا منطقی ربط ہے۔ جب انسان کائنات پر تھوڑا سا بھی غور کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہونا چاہئے اور ہے اگر خالق ہے تو حکیم بھی ہے اور وہ علیم بھی ہے۔ کہ علم کے بغیر کائنات کو چلانا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح وہ ساری الٰہی صفات جو قرآن کریم میں اسماء حسنیٰ میں بیان ہوئی ہیں وہ ایک عقیدہ کے منطقی نتیجہ کے طور پر ایک ایک کر کے سامنے آتی چلی جائیں گی۔

جب ایک دفعہ توحید کا عقیدہ انسان مان لے تو پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہم کیسے کام کریں، لہٰذا ہمیں اس کی مرضی معلوم کرنی ہوگی یوں ذرا غور کرنے سے رسالت اور نبوت پر یقین آ گیا کہ وہ بھی ضروری ہے۔

جب نبوت اور رسالت پر عقیدہ مضبوط ہو گیا تو یہ سوال پیدا ہوتا کہ جو نیکوکار رہے ہوں گے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا سلوک کریگا اور جو بدکار رہوں گے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ یوں یہاں سے معاد پر یقین پیدا ہو گیا۔ (۳۶)

جب قرآن مجید توحید کے بنیادی عقائد کا ذکر کرتا ہے تو اس کے پیش نظر یہ بات بھی رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں ماضی میں کن کن راستوں سے گمراہیاں آتی ہیں، قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ ایسی گمراہیوں کو پہلے ہی روک دیا جائے۔ (۳۷)

عقیدہ کے بارے میں انسانی غلط فہمی کا ازالہ

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ایک اور چیز عقائد کے بارے میں خاص طور پر قرآن مجید میں آتی ہے جو ماضی میں بڑی غلط فہمی کا ذریعہ بنتی رہی ہے اس باب میں اگر الجھن پیدا ہو جائے تو انسان بہت سی غلط فہمیوں کا شکار بن جاتا ہے۔ سب سے بڑی غلط فہمی انسان کو اپنے بارے میں ہو جاتی ہے، کبھی وہ سمجھتا ہے کہ میں سب سے بڑا ہوں تو اپنے آپ

۱۔ یہود ۲۔ عیسائی ۳۔ مشرکین ۴۔ منافقین

یہود اور عیسائیوں کے بعد قرآن مجید میں مشرکین کے عقائد پر تبصرے ہیں مشرکین میں وہ تمام اقوام شامل ہیں جو بت پرستی کے کسی نہ کسی مرض میں گرفتار ہیں اور کسی آسمانی مذہب کی کوئی بدلی ہوئی شکل نہیں ہیں۔ چوتھا اور آخری گروہ منافقین کا ہے۔قرآن مجید کی مدنی سورتوں میں ان کی زیادہ تفصیل ہے۔خاص طور پر مدنی دور کے اہم واقعات ،مثلاً غزوہ احد،واقعہ افک ،اور غزوہ احزاب کے ضمن میں منافقین کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔(۳۰) تیسرا مضمون وہ ہے جس کو شاہ صاحب تذکیر بالآء اللہ کے عنوان سے یاد کرتے ہیں یہ ایک اعتبار سے توحید اور عقائد کا ایک مہتم بالشان شعبہ ہے۔اور ایک دوسرے اعتبار سے اپنی انفرادی شان بھی رکھتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی قدرت کاملہ اور بندے پر اللہ تعالیٰ کے جو خاص انعامات ہیں ان کا تذکرہ بار بار یاد دہانی خود اپنی جگہ ایک اہمیت کی حامل ہے بندوں کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے جو عجیب وغریب نمونے دکھائے ہیں ان کو قرآن مجید آلاء کے جامع لفظ سے یاد کیا گیا ہے(۳۱)

قرآن مجید کا چوتھا بنیادی مضمون وہ ہے جس کو شاہ صاحب تذکیر بایّام اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی دین پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے نقطہ نظر سے انسانیت کی تاریخ اور اس کا نشیب وفراز،ماضی میں جتنے اچھے انسان ہوئے یا برے انسان ہوئے ان کے واقعات ،ان کو اس لیے بیان کیا جائے کہ پڑھنے والے اچھے راستے کو اختیار کریں اور برے راستے سے بچیں(۳۲)

پانچواں اور آخری مضمون جو شاہ صاحب کے نزدیک قرآن مجید کا بنیادی مضمون ہے وہ تذکیر بالموت ومابعد الموت ہے یعنی موت اور موت کے بعد آنے والے تمام واقعات کی یاد دہانی(۳۳)

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ان پانچ علوم کو مزید سہیل کر کے بیان کیا ہے تا کہ عام آدمی کی سمجھ میں بھی آسکے ۔ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں''ہم اپنی سمجھ کے مطابق اگر جائزہ لیں تو شاہ صاحب کے بیان کردہ علوم خمسہ کی طرح ہمیں بھی قرآن پاک میں پانچ مضامین نظر آتے ہیں۔ان پانچویں میں سے ہر مضمون قرآن مجید کے ہر صفحہ پر بالواسطہ یا بلا واسطہ موجود ہے۔(۳۴)

ان میں سب سے پہلا مضمون عقائد کا ہے،عقیدہ کے لغوی معنی ہیں گر،عقدہ بھی اس سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عقیدہ کو بیان کر کے انسانی فکر کو ایک خاص راستہ اور نہج عطا فرمایا ہے۔یہ راستہ اتنا واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ میں ایک ایسا راستہ لے کر آیا ہوں جو نہایت سیدھا ہے جس

سے اسلامی علوم وفنون کا پورا ذخیرہ قرآن مجید کی تفسیر سے عبارت ہے۔(۲۰)..وحدت علوم کا منطقی نتیجہ بھی
یہی ہے اور وحدت فکر اور تصور وحدت کائنات کا بھی یہی ثمرہ ہے کہ سارے علوم وفنون کو قرآن مجید سے وہی
نسبت ہو جو پتوں کا شاخوں سے اور شاخوں کا تنے سے یہی وہ مقصد ہے جس کے حصول کے لئے گزشتہ
ساٹھ ستر سال سے اہل فکر و دانش کوشاں ہیں۔ یہ وہ کوشش ہے جس کو آج تمام عصری علوم کو اسلامی بنانے یعنی
"Islamization of Knowledge" کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔(۲۱)
آج مسلمانوں کے پاس رائج الوقت تمام علوم وفنون اکثر و بیشتر مغربی ذرائع ومصادر سے پہنچے ہیں۔ان
سب علوم کی اساس اور ان سب نظریات کی اٹھان ایک غیر اسلامی ماحول میں ہوئی ہے۔غیر اسلامی نظریات
وتصورات اور لادینی افکار واساسات پر ان سارے علوم وفنون کا ارتقاء ہوا ہے۔(۲۲)
یہی وجہ ہے کہ قرآنی علوم وفنون میں اور دور جدید کے مغربی علوم میں بہت سے مقامات پر ایک تعارض اور
تناقض محسوس ہوتا ہے۔
جب مسلمان اپنے تمام موجودہ معاشرتی اور انسانی علوم کو از سر نو مدوّن کر لیں گے تو پھر وہ اسی طرح سے
قرآن فہمی میں مددگار ثابت ہوں گے جس طرح ماضی میں مسلمانوں کے معاشرتی اور انسانی علوم نے قرآن
فہمی میں مدد دی۔(۲۳)

۵۔ اس کتاب کی یہ بھی خوبی ہے کہ اس کے اندر تفسیر اور اصول تفسیر کے بارے میں سلیس اور آسان زبان بہت
اہم مواد موجود ہے خاص کر تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق اور قدیم اور متاخرین کے درمیان جو اختلاف تھا
ڈاکٹر صاحب نے بہت آسان لفظوں میں بیان کیا اور ساتھ یہ بھی ثابت کیا کہ بعض متاخرین بھی تاویل کو
تفسیر کے معنوں میں استعمال کرتے مثلاً برصغیر میں مولانا حمید الدین فراہی اور ان کے شاگرد مولانا امین
احسن اصلاحی نے تاویل اور تفسیر کو قریب قریب مترادف معنوں میں استعمال کیا ہے۔(۲۴)
فرماتے ہیں حضرات مفسرین کی عمومی اصطلاح میں تفسیر یہ کہ قرآن مجید کی تفسیر کے عام اصولوں کو منطبق کر
کے جو ظاہری مطلب سمجھ میں آئے وہ بیان کر دیا جائے،یعنی جو مفہوم تفسیر کے عام اصولوں کے مطابق ہوا سے تفسیر
کہتے ہیں لیکن اگر بظاہر کوئی ایسا مشکل لفظ ہو کہ یا تو اس کے ظاہری معنی مراد نہ لیے جاسکیں یا اگر اس کے ظاہری معنی مراد
لیے جائیں تو اس سے کوئی اعتراض یا قباحت پیدا ہوتی ہے اور وہاں ظاہری معنی سے ہٹ کر کوئی دقیق تر مفہوم مراد لینا
ناگزیر ہو،تو پھر ظاہری معنی سے ہٹ کر جو معنی مراد لیے جائیں گے ان کو تاویل کہا جائے گا۔(۲۵)

ڈاکٹرمحمود غازی نے قرآن کے مضامین (علوم خمسہ) کو دو مختلف انداز میں پیش کیا:

ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کے مضامین کو دو مختلف انداز میں پیش کیا جس میں پہلے شاہ ولی اللہؒ کے بیان کردہ علوم خمسہ کا مکمل ذکر کیا۔اس کے بعد اپنے غور وفکر سے اخذ کردہ قرآن کریم کے پانچ بنیادی مضامین کا ذکر فرمایا۔ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ان پانچ علوم کو مزید سہل کر کے بیان کیا ہے تاکہ عام لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔عقائد،احکام،اخلاق،تزکیہ اور احسان امم سابقہ کا تذکرہ اور موت بعد الموت۔شاہ ولی اللہ الدھلوی کے نزدیک قرآن مجید کے بنیادی مباحث یہ ہیں۔

۱۔ تذکیر باحکام اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد دلانا،شاہ صاحب کی اصطلاح میں یہ قرآن مجید کا ایک بہت اہم اور بنیادی مضمون ہے۔یہ فقہی احکام جو قرآن کریم میں بیان ہوئے جن کی مزید تفصیل حدیث میں آئی اور جن کے بارے مزید شرح وسبط سے فقہائے اسلام نے کام لیا اس کو شاہ صاحب نے چار اہم ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ عبادات: وہ اعمال جو انسان اور اللہ کے درمیان تعلق کو مضبوط کرتے ہیں،مثلاً نماز،رووزہ،زکوٰۃ اور حج (۲۶)

۲۔ معاملات: یعنی وہ احکام جو انسان کے انسانوں کے ساتھ تعلقات کو منضبط کرتے ہیں،ان احکام میں انسان کی گھریلو زندگی،نکاح،طلاق،خرید وفروخت اور جنگ اور صلح وغیرہ کے قوانین شامل ہیں۔معاملات میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو قانون کا موضوع سمجھی جاتی ہیں (۲۷)۔

۳۔ تدبیر منزل: انسان کی عائلی زندگی کی ترتیب اور نظم،یہ خاندانی روابط کا وہ معاشرتی پہلو ہے جس کی پاسداری کر کے ہی خاندان اور معاشرہ کے اداروں کو کامیابی سے چلایا جا سکتا ہے (۲۸)۔

۴۔ چوتھی چیز تدبیر مدن ہے،یعنی حکومتوں کا نظام چلانا اور اس میں ہدایات اور رہنمائی فراہم کرنا،یہ چار بڑے شعبے ہیں جنہیں شاہ صاحب احکام کی چار بڑی شاخیں قرار دیتے ہیں (۲۹)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآن مجید کا دوسرا بنیادی مضمون مخاصمہ ہے،مخاصمہ سے مراد دوسری اقوام یا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے جو مکالمہ ہوا اس کا اسلوب کیا ہو،دوسری اقوام کے غلط عقائد پر تبصرہ،ان غلطیوں کی اصلاح اور ان کی جگہ صحیح عقائد کی یاد دہانی اور اعتراضات کے جوابات:

گمراہ فرقوں میں قرآن مجید نے چار کو بہت اہمیت دی ہے۔

اپنے شیخ عبداللہ محی الدین الکافیجی کا علوم القرآن میں مختصر رسالہ، قاضی القضاۃ جلال الدین بلقینی کی ''مواقع العلوم من مواقع النجوم'' امام بدرالدین زرکشی ''البرھان فی علوم القرآن'' کو الاتقان اور اپنی دوسری کتاب ''التجیر فی علوم التفسیر '' (۱۲) کے بنیادی مآخذ کے طور پر لیا (۱۳) مذکورہ کتب اور الاتقان میں بیان کردہ انواع کو علامہ شبلی نعمانی چھ اقسام کی تصانیف کا موضوع قرار دیتے ہیں، فقہی، ادبی، تاریخی، نحوی، لغوی اور کلامی۔(۱۴)

بدرالدین زرکشی (م ۷۹۴ھ) نے سنتالیس ایسے علوم کا تذکرہ کیا ہے جو مطالعہ قرآن میں مددگار ہیں (۱۵) علامہ جلال الدین سیوطی نے جلال الدین بلقینی کی کتاب ''مواقع العلوم من مواقع النجوم'' کو مدنظر رکھا اور اسکی بہت تعریف کی (۱۶) جلال الدین سیوطی نے ''الاتقان'' کے علاوہ تجیر فی علوم التفسیر لکھی جس میں علوم القرآن کے تحت ۱۰۲ انواع کو شامل کیا اور ''الاتقان'' میں علوم القرآن کے (۸۰) اقسام پر اکتفاء کیا۔

علام القرآن میں بنیادی طور پر یہی مذکورہ اقسام یا علوم علماء کے نزدیک زیر بحث لائے گئے بعد ان میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا خصوصاً فنی نوعیت کے اقسام میں زیادہ وسعت کی گنجائش باقی نہ رہی تھی، البتہ عصر حاضر میں ان علوم کو مزید مختصر کرنے کا رجحان بھی رہا ہے جس سے مزید جامعیت پیدا ہوتی رہی، ڈاکٹر صبحی صالح نے ''علوم القرآن'' میں چیدہ چیدہ اقسام کو بیان کیا (۱۷) مولانا تقی عثمانی نے ''علوم القرآن'' میں چودہ ابواب کو شامل کیا۔

علوم القرآن کا یہ ارتقائی سفر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر آ کر ایک نیا رخ اختیار کرتا ہے ''الفوز الکبیر'' میں انھوں نے ان علوم کو چار ابواب، وجوہ خفائے نظم قرآن، نظم قرآنی کے لطائف اور اس کے اسلوب بدیع کی تشریح، فنون تفسیر اور غریب القرآن کے تحت بیان کیا ہے جبکہ باب اول میں مطالعہ قرآن کو علوم پنجگانہ کے تحت بیان کیا گیا، اول :علم الاحکام جس میں عبادات، معاملات، تدبیر منزل اور تدبیر مدن، دوم :علم مناظرہ یا مخاصمہ، جس میں یہود، نصاریٰ ،مشرکین اور منافقین سے معاملات، سوم : تذکیر بالآء اللہ، جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، خالقیت، ربوبیت اور رحمت ،چہارم : تذکیر بایام اللہ، جس میں ہدایت وضلالت اور حق وباطل کی کشمکش پر روشنی اور پنجم : تذکیر بالموت و ما بعد الموت ،جس میں موت اور بعد از موت کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

محاضرات قرآنی کی اہمیت عصری تقاضوں کی روشنی میں تفسیری ادب

ڈاکٹر محمود احمد غازی'' کی کتاب محاضرات قرآنی'' میں ایک اہم اضافہ ہے۔ محاضرات قرآنی کئی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس میں قرآنیات کے حوالے سے تقریباً تمام موضوعات کا احاطہ کرنے اور طویل ودقیق موضوعات کو مختصر

اور عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بڑی حد تک ڈاکٹر صاحب کو اس کوشش میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں محاضرات قرآنی کا مطالعہ ایک عام قاری کو دوسری بہت سی کتب سے مستغنی کرتا ہے اور ایک محقق کے علمی سفر کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ وہاں ڈاکٹر صاحب کے علمی مقام و مرتبہ کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ جہاں یہ محاضرات ایک ادیب کے لیے ادب کی چاشنی اور ایک محقق کے لیے تحقیقی رہنمائی لئے ہوئے ہیں۔ وہیں ایک مدرس کے لئے انداز تدریس کا سامان بھی فراہم کرتے ہیں۔

اس کتاب کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب علوم القرآن کے سابقہ کتب (عربی+اردو) کے افکار کا ایک جامع اور مختصر مجموعہ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

۲۔ اس کتاب کا انداز تحریر خطیبانہ ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اسلام آباد اور راولپنڈی شہر کے کم و پیش ایک سو مدرسات کے سامنے خطبات کی شکل میں پیش کیا اور پھر ان کی بہن عذرا نسیم فاروقی نے اسے صوتی مسجل سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا۔ اس لئے کتاب کا انداز تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اور انداز بیان بھی عالمانہ اور داعیانہ ہے تحقیقی نہیں (۱۸)

خود ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں ''ان خطبات کی زبان تحریری نہیں تقریری ہے، انداز بیان عالمانہ اور محققانہ نہیں داعیانہ اور خطیبانہ ہے چونکہ خطبات کا کوئی متن پہلے سے تیار شدہ نہ تھا اس لیے انداز بیان میں خطیبانہ رنگ کہیں کہیں بہت نمایاں ہو گیا ہے۔ نظر ثانی کے دوران میں اس انداز کو بدلنا طویل وقت کا متقاضی تھا اس لئے اس کی کوشش نہیں کی گئی۔ (۱۹)

۳۔ اس کتاب سے عام لوگ اور علماء دونوں مستفید ہو سکتے ہیں، عام لوگ اس لئے کہ اس کتاب کی زبان بہت سلیس سادہ اور آسان ہے اور علماء کے لیے مصادر اصلیہ سے بہت نایاب قسم کے نکات پیش کیے گئے ہیں۔

۴۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے وہ یہ کہ علوم القرآن کے موضوعات کو بنیادی مآخذ کی روشنی میں مگر عصر جدید کی ذہنی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر زیر بحث لایا گیا ہے۔

خود ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں ''علوم القرآن سے مراد وہ تمام علوم و معارف ہیں جو علماء کرام اور مفسرین اور مفکرین ملت نے گزشتہ چودہ سو سال کے دوران قرآن مجید کے حوالہ سے مرتب فرمائے ہیں۔ ایک اعتبار

کی ذمہ داری بھی نبی کریم ﷺ کے دوش مبارک پر ڈالی گئی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ ﴾ (۳)

''اورہم نے آپ ﷺ پر ذکر یعنی قرآن کریم نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس چیز کی وضاحت کریں جو ان کے لیے نازل کی گئی''۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۴) نے قرآن اور علوم القرآن کے تین بڑے مقاصد بیان کئے ہیں۔اول: نفس انسانی کی تہذیب، دوم: عقائد باطلہ کا رد، سوم: اعمال فاسدہ کی نفی۔(۵)

ان مقاصد کے حصول میں قرآن کریم سے اخذ واستنباط کی علمی ،فکری ،عملی اور تجربی کاوشوں کی تاریخ چودہ صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ انسان کے نفسیاتی ارتقاء کی تکمیل تک قرآن کریم انسانیت کی ہدایت وراہنمائی کا اصل منبع ہے۔علوم القرآن ،علوم الحدیث، اصول الفقہ ، الفقہ جتنے بھی اسلامی علوم ہیں بنیادی طور پر قرآن حکیم ہی سے ماخوذ ہیں ۔علوم القرآن کے ارتقائی منازل میں شاہ ولی اللہ کی ''الفوز الکبیر'' نے علماء کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا اسی طرح علامہ اقبالؒ نے جدید علمی دریافتوں کو قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔یہ انہی احساسات وجذبات اور تلاش فکر کا تسلسل ہے جسے ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے علوم القرآن کے چند جدید موضوعات کا قرآن کریم اور علوم القرآن کے مصادر سے نمایاں کیا،اور قدیم موضوعات کو سلیس اور دل نشین زبان میں پیش کیا۔

مطالعہ علوم القرآن کی نئی جہتوں کے تناظر میں یہ سوال بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔کہ زوال کے بعد ملت اسلامی قرآن کریم کی علمی وفکری ترقی کا ماحول زندہ نہ رکھ سکی۔اور جدید مادی قوتوں نے مادی ترقی کو بام عروج پر پہنچا دیا۔اس کے مقابلے میں حامل قرآن امت غلامی کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی وفلسفیانہ علوم کے منفی اثرات کا شکار ہوئی اور مثبت اثرات سے محروم رہی۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی ''محاضرات قرآنی'' قرآن کریم ،تاریخ تدوین قرآن کریم اور علوم القرآن کے چند پہلوؤں پر یہ خطبات کی شکل میں اپریل ۲۰۰۳ء میں خواتین مدرسات قرآن کے روبرو دیئے گئے (۶)۔جو کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی کی یہ کتاب بارہ خطبات پر مشتمل ہے۔

خطبہ اول: تدریس قرآن مجید ایک منہاجی جائزہ

خطبہ دوم: قرآن مجید ایک عمومی تعارف

خطبہ سوم: تاریخ نزول قرآن مجید

خطبہ چہارم: جمع وتدوین قرآن مجید

خطبہ پنجم: علم تفسیر ایک تعارف

خطبہ ششم: تاریخ اسلام کے چند عظیم مفسرین قرآن

خطبہ ہفتم: مفسرین قرآن کے تفسیری مناہج

خطبہ ہشتم: اعجاز القرآن

خطبہ نہم: علوم القرآن ایک جائزہ

خطبہ دہم: نظم قرآن اور اسلوب قرآن

خطبہ یازدھم: قرآن مجید کا موضوع اور اس کے اہم مضامین

خطبہ دوازدھم: تدریس قرآن مجید دور جدید کی ضروریات اور تقاضے۔

علوم القرآن کے میدان میں ''محاضرات قرآنی'' کی اہمیت

قرآن کریم کی جمع وتدوین گویا علوم القرآن کا ایک آغاز ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میدان مختلف تحقیقات اور تصانیف سامنے آ گئی۔قرآن کریم کا بنیادی مقصد انسان کی تخلیق وفطرت کے مطابق راہنمائی ہے اس لئے علماء سلف نے جہاں اخذ فکر وتحقیق پر کام کیا وہاں انھوں نے وحی کے اسرار ورموز پر بھی پوری توجہ مرکوز رکھی۔وقت وزمانہ حالات وواقعات ،تبدیلی معاشرہ ماحول کی نزاکتوں کو نظر انداز نہیں کیا یوں قرآنی علوم کی تحقیق وجستجو میں علمائے سلف کا کام مثالی ہے۔اولین کتابوں میں ابن الجوزی کی ''فنون الأفنان فی عجائب القرآن'' (۷) اہم کتاب ہے امام بدر الدین زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے سنتالیس ایسے علوم کا تذکرہ کیا ہے جو مطالعہ قرآن کے ضمن میں مُمد اور معاون ثابت ہوتے ہیں ۔(۸)

اسی کتاب کو بنیاد بنا کر جلال الدین سیوطی (۹) نے اپنی کتاب '' **الاتقان فی علوم القرآن**''لکھی جس میں امام زرکشی کی قائم کردہ انواع علوم القرآن پر اضافہ کر کے اسی (۸۰) کر دیں امام سیوطیؒ کا خیال ہے کہ یہ تین سو سے تجاوز کر سکتی ہیں (۱۰)

''الاتقان '' کی تالیف کے دوران میں جلال الدین سیوطی نے علوم القرآن پر متعدد کتب کا مطالعہ کیا(۱۱) تین کتب کا بطور خاص جبکہ باقی کتب کا آپ نے ضمناً ذکر کیا ہے۔

عصر حاضر میں علمِ حدیث کی خدمت کی نئی جہات

(ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے افکار کی روشنی میں)

* ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

بلا شبہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ عصر حاضر کے نابغہ عصر تھے آپ کو بیشتر زبانوں پر عبور حاصل تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خداداد صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ آپ پچیس سے زائد کتب کے مؤلف تھے۔ آپ نے شاہ ولی اللہ کی معاشی تعلیمات اور فلسفے کی نشاۃ ثانیہ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ان کی گفتگو مجمع کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی تھی۔ جن لوگوں نے انہیں سنا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ گفتگو کے اسلوب و ہنر اور زبان و بیان کی خوبیوں سے بدرجہ کمال آشنا تھے اسلام کے بنیادی مصادر پر گہری نظر رکھتے تھے۔ الغرض ڈاکٹر صاحب اپنی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے ان منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ دینی و دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج اور جدید و قدیم علوم نظریات میں ماہرانہ شناسائی میں ممتاز تھے۔

مقالہ ہذا میں ڈاکٹر محمود غازی کے افکار کی روشنی میں علم حدیث کی خدمت کی نئی جہات کو تلاش کرنا مقصود ہے۔

تاہم یہ حقیقت ہے کہ میرے اس مقالے سے ڈاکٹر محمود غازی کے افکار میں مزید کسی پہلو کا اضافہ تو نہیں ہوگا البتہ موصوف کے ذکر سے اس کا مرتبہ شاید دوبالا ہو جائے اس بات کی عکاسی شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرمان سے ہوتی ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی بابت فرمایا تھا۔

ما ان مدحت محمداً بمقالتی   لکن مدحت مقالتی بمحمد (1)

میں نے اپنے مقالہ سے آنحضرت ﷺ کی تعریف نہیں کی مگر حضرت محمد ﷺ کی وجہ سے اپنے مقالے کی تعریف کی ہے۔ قبل اس کے اپنے موضوع کی طرف آئیں تمہیدی طور پر علمِ حدیث کی اہمیت اور اس سے وابستہ علوم وفنون کا تذکرہ اہمیت سے خالی نہیں ہوگا۔

❶ علم حدیث کی اہمیت

اللہ ربّ العالمین نے مسلمانوں کو دو ایسی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے جو دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہیں یہ دو نعمتیں

---

* شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

قرآن کریم اور ذات رسالت مآب حضرت محمد ﷺ ہیں حدیث کے بغیر قرآن کریم کی تشریح و تعبیر ناممکن ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَکَّرُوْنَ﴾(2)

ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن کریم) نازل کیا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں۔تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

محدّثین نے حدیث کا موضوع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اس حیثیت سے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں کو قرار دیا ہے۔جب کہ بعض کے نزدیک وہ تمام روایات حدیث کہلاتی ہیں جو براہ راست یا بالواسطہ رسول اللہ تک پہنچے دونوں صورتوں میں اس کا موضوع آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی بنتی ہے۔انسانی تاریخ میں جلیل القدر پیغمبر اور بڑی بڑی دینی شخصیتیں گزری ہیں۔جن کے متبعین کی تعداد آنحضرت ﷺ کے ماننے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔لیکن تاریخ گواہ عدل ہے ان میں سے کسی کے اقوال و افعال اور فرامین کو محفوظ رکھنے کا اس قدر اہتمام نہیں کیا جتنا ہادی برحق حضرت محمد ﷺ کے ارشادات عالیہ کو محفوظ و مصون کرنے کے لئے کیا ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ایک غیر مسلم ڈاکٹر سپرنگر (Dr. Springar) نے بھی کیا ہے(3)

کسی بھی کلام کی اہمیت وعظمت اس کے قائل کی نسبت سے ہوتی ہے۔جس طرح جو عظمت وادب اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہے۔وہی عظمت اس کے کلام مقدس قرآن کریم کا ہے۔اسی طرح جو ادب آنحضرت ﷺ کا ہے وہی ادب و احترام آپ کی حدیث مبارکہ کا ہے۔معلوم ہوا کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی گستاخی و بے ادبی کفر ہے ٹھیک اسی طرح آپ کے ارشادات عالیہ کی بے ادبی و گستاخی کفر ہے۔احادیث مقدسہ کا احترام و توقیر اور ان کی خدمت دراصل آنحضرت ﷺ کا احترام اور آپ کی خدمت ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے احادیث مبارکہ کے تمام گوشوں میں اس کی خدمت کا اہتمام کیا۔

❷ احادیث کے مختلف شعبہ جات

1 تاریخ حدیث

اس شعبہ میں حدیث کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے مثلاً ضرورت حدیث،مقام حدیث ،حجیت

حدیث، حفاظت حدیث، تدوین حدیث، وغیرہ۔

2۔ اصطلاحات حدیث

اس شعبہ میں حدیث کی بنیادی اصطلاحات کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔مثلاً خبر متواتر، مشہور، عزیز، خبر احاد، مرفوع، موقوف، مقطوع وغیرہ۔

۳۔ علوم حدیث

اس شعبہ میں حدیث کے مختلف علوم کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔مثلاً علم اسناد، علم جرح وتعدیل، علم اسماء الرجال، علم نقد حدیث وغیرہ (4)

3- علم حدیث: مختلف علوم وفنون کا سر چشمہ

بلاشبہ علم حدیث نے ایک علمی اور فکری سرگرمی کو جنم دے کر ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی ہے۔اور ایک ایسے تعلیمی عمل کا آغاز کیا جو تسلسل کے ساتھ جاری وساری ہے، بہت سارے علوم وفنون کی بنیاد علم حدیث ہی کی بدولت ہے۔علم حدیث کے ذخائر اسلامی علوم وفنون میں نہ صرف مسلسل تحفظ و بقا کی ضمانت ہیں بلکہ اسکی متواتر توسیع بھی علم حدیث کے ذریعے سے ہورہی ہے۔قاضی ابوبکر ابن العربی ایک مشہور محدث ہیں آپ لکھتے ہیں کہ:

> ''سات سو اسلامی علوم سنت کی شرح ہیں اور تمام بالواسطہ یا بلاواسطہ حدیث اور سنت کی تفسیر وتوضیح ہے۔'' (5)

ابن العربی کے مذکورہ بالا قول کو ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں۔حدیث اور سنت کو اگر ہم قرآن کریم کی شرح قرار دیں قرآن کریم، حدیث اور بقیہ علوم وفنون میں وہ رشتہ ہے۔جو ایک درخت میں اس کے تنے اور شاخوں میں اور پھلوں اور پھولوں میں پایا جاتا ہے۔گویا تمام علوم وفنون پھل اور پھول اور پتے ہیں۔حدیث شاخیں اور تنا ہے۔اور قرآن کریم وہ سر چشمہ ہے جس سے یہ تمام علوم وفنون پھوٹے ہیں۔یہاں چند ایک علوم کا تذکرہ کرنا مفید رہے گا۔جو علم حدیث ہی کی بدولت ہمیں میسر آئے ہیں۔

ا۔علم کلام

اس سے مراد وہ علم ہے۔جس میں عقلی دلائل کے ذریعے اسلام کے عقائد کو ثابت کیا جائے اور اس کے عقائد پر

وارد اعتراضات کا جواب دیا جائے۔(6)

اس علم کا آغاز جن مسائل سے ہوا وہ سب سے پہلے علم حدیث میں بیان ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ ایمان کا گھٹنا اور بڑھنا، کلام الٰہی قدیم ہے یا حادث، انسانی زندگی کی تشکیل میں وحی الٰہی فیصلہ کن ہے یا عقل۔ جن اہل علم نے سب سے قبل کلامی اور فلسفیانہ نوعیت کے یہ سوالات اٹھائے وہ محدثین تھے۔ امام احمدؒ، امام بخاریؒ وغیرہ نے ان مسائل سے بحث کی۔(7)

۲۔ علم فقہ

صاحب نورالانوار نے علم فقہ کا مفہوم بیان کیا ہے۔

"العلم با لاحکام الشرعیة عن ادلتها التفصیلیة"(8)

فقہ شرعی قوانین کے علم کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل ہوں۔

گویا قرآن وحدیث کی ان نصوص کو جو انسان کے عملی زندگی کی تشکیل کرتا ہے اور ان کو گہرائی کے ساتھ سمجھنا فقہ کہلاتا ہے۔

احادیث میں نماز، روزہ، زکوۃ، مناسک اور خرید وفروخت وغیرہ کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ یہ سارے احکام وہ ہیں جن سے وہ بنیادیں تشکیل پاتی ہیں جن کی عملی تفصیل فقہائے اسلام نے مرتب فرمائیں۔ انہوں نے احادیث پر اس لحاظ سے غور وفکر کیا کہ ان سے کون کون سے احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ ابتدائی فقہاء امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ وغیرہ اصلاً محدث تھے۔(9)

۳۔ علم اصول فقہ

ایسا علم ہے جس میں ایسے شرعی عملی احکام سے بحث ہوتی ہے جو اصلی مصادر سے حاصل کئے گئے ہوں۔(10)
گویا اصول فقہ کا مقصد ایسے قواعد اور ضوابط کی تخریج کرنا ہے جن کے ذریعے ایسے احکام تک رسائی ہو سکے جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن پر عمل کر کے ایک مجتہد استنباط احکام میں غلطی سے محفوظ رہے۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ علم حدیث کے بیان کردہ احکام سے علم اصول فقہ کی داغ بیل پڑی ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد:

"علم حدیث اس نبوغ اور عبقریت کا نمونہ ہے کہ جس میں معلومات اور

معاملات کی وسعت پر دار و مدار ہو اور اصول فقہ اس نبوغ اور عبقریت کا نمونہ ہے جس میں تخلیقی صلاحیتیں اور نئے نئے افکار و نظریات کو سامنے لانے پر معاملات کی بنیاد ہو"۔(11)

۴۔ علم تاریخ

قبل از اسلام فن تاریخ پر بہت کچھ لکھا گیا اس بارے میں بہت سی کتب موجود تھیں۔اس وقت ان کے ہاں تاریخ کا صرف یہ تصور تھا کہ کسی قوم اور معاشرے کے بارے میں قصے اور کہانیاں کو جمع کر دیا جائے قطع نظر اس سے کہ اس کا ماخذ کیا ہے۔ یہ چیز صحیح لکھی ہے یا غلط۔اس کا بیان کرنے والا کون ہے۔آپ سے کس نے بیان کیا۔آپ نے اس سے بلاواسطہ سنا ہے یا بالواسطہ وغیرہ اس وقت اس قسم کے سوالات کسی کے ذہن میں نہیں تھے۔اہم تاریخی اور تمدنی معلومات کا ایک کثیر حصہ قبل از اسلام موجود تھا۔ یہ تصورات سب سے پہلے علم حدیث نے دیے ہیں۔

اس بارے میں ڈاکٹر محمود احمدؒ رقمطراز ہیں۔

"......آج دنیا کا کوئی مؤرخ اسلام کے اس احسان کو مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ مانتا ہے تو بلا شبہ عدل و انصاف کی بات کرتا ہے۔اور نہیں مانتا تو بڑا احسان فراموش ہے یا کم از کم ناواقف ضرور ہے۔لیکن تاریخ کا صحیح تصور اور تاریخ کا وہ صحیح شعور جس طریقے سے مسلمانوں کو اور ان سے دنیا کو حاصل ہوا اس کا اولین مصدر و ماخذ علمِ حدیث ہے"۔(12)

۵۔ علم اصول دعوت

یہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا فن ہے۔اس فن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ دعوت کا اسلوب کیا ہونا چاہئے۔ایک داعی میں کونسی کونسی صفات ہونی چاہئے۔دعوت کے مقاصد کیا ہیں۔انسان کے اخلاق اور اس کی کردار سازی کس طرح ہو سکتی ہے۔اس باب میں جو رہنمائی ملتی ہے وہ احادیث نبویہ سے ملتی ہے۔احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ احادیث رقاق سے بھی ملتا ہے۔

۶۔ اسلام کا بین الاقوامی قانون (علم سیر)

علم بلاغت اور دیگر علوم کی بنیاد و اساس علم حدیث ہی پر منحصر ہے۔ یہ وہ علوم وفنون جو براہ راست علم حدیث کی بدولت معرض وجود میں آئے ہیں الغرض علم حدیث میں ہر آنے والا دن ایک نیا میدان سامنے لا رہا ہے۔اور اس میں

مزید وسعت آتی جارہی ہے۔گذشتہ صدی کو اگر ہم عصر حاضر یا دور جدید قرار دیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں علم حدیث کی خدمت میں ایک نئی سرگرمی پیدا ہوئی اور اس پر کام کے لئے طرح طرح کے موضوعات اور نئے نئے میدان سامنے آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں دنیائے اسلام میں علم حدیث کی خدمت مختلف انداز سے ہوئی اور اس باب میں انہوں نے دنیا کے سامنے ایسے ایسے نمونے پیش کئے جس سے علم حدیث کی خدمت میں ایک نئے دور کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔تاہم علم حدیث ایک وسیع سمندر ہے۔جس سے مختلف علوم وفنون ساری و جاری رہے گئے اور حدیث کی خدمت تا قیامت ہوتی رہے گی۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پے اڑنا
منزل یہ کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں (13)

4- نئے علوم کی روشنی میں علم حدیث کی خدمت

بلاشبہ گذشتہ دو صدیوں میں علم حدیث پر مختلف جہات پر کام ہوا ہے اگر ہم برصغیر کے حوالے سے علمِ حدیث پر کام کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اتنے وسیع پیانے پر اور اتنی جامعیت کے ساتھ ہوا ہے کہ عرب دنیا میں بھی اس کے نہ صرف اثرات محسوس کئے گئے بلکہ بہت سے علماء کرام نے اس کا کھلے الفاظ میں اعتراف بھی کیا ہے۔مصر کے نامور شخصیت علامہ رشید کے بقول:

''اگر ہمارے بھائی برصغیر کے مسلمان نہ ہوتے تو شاید علمِ حدیث دنیا سے اٹھ جاتا''(14)

اس حقیقت کے باوصف کہیں کسی کے ذہن میں یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ علم حدیث پر جو کام ہونا تھا وہ ہو چکا ہے محدثین کرام نے جو کارنامے سرانجام دے دیے وہ کافی ہیں اب مزید نہ کسی تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ کسی کام کی۔ یہ غلط فہمی دور ہو سکتی ہے اگر یہ دیکھ لیا جائے کہ آج کل حدیث پر کتنا کام ہو رہا ہے اور اس میں مزید کس طرح کی تحقیق کرنا ابھی باقی ہے اور اس کے کیا امکانات ہیں۔مقالہ ھذا میں ہماری کوشش رہے گی کہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی افکار ہی کی روشنی میں علم حدیث کی خدمت کی نئی جہات کو تلاش کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ کس میدان میں کتنا کام ہوا اور اس کی نوعیت کیا ہے۔اور کتنا کا ہونا ابھی باقی ہے۔ذیل میں ہم بالاختصار ان موضوعات اور ان خطوط کا جائزہ لیں گے جن میں علم حدیث کے میدان میں تحقیقی کام ہونا ابھی باقی ہے۔

ا۔ احادیث کا سائنسی مطالعہ

بیسویں صدی بالخصوص اس کے آخری ربع میں انسان کی برق رفتار پیش قدمی اور مزید وسیع ہوتی ہوئی معلومات نے اس کی لاعلمی کو مزید اجاگر کر دیا ہے۔ گزرتا ہوا ہر لمحہ نت نئے انکشافات و ایجادات سامنے لا رہا ہے۔ اور خالق کائنات کی نشانیوں کو اجاگر کر رہا ہے۔ کھلتی ہوئی ہر پرت اور اترتا ہوا ہر غلاف اسلام کی حقانیت کا اعلان کر رہا ہے۔ ہر عہد کی دانش و بینش نے دین اسلام کے حوالے سے جن اعتراضات کو اٹھایا یا جن سوالات کو پیش کیا علمائے اسلام نے ان کی مثبت اور مسکت جوابات فراہم کئے ہیں۔

اسلام ابدی صداقتوں اور سائنسی مسلّمات کا ترجمان ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام سے بڑھ کر اسرار فطرت کو کھولنے اور رموز کائنات کو جاننے کی تعلیم کسی بھی مذہب اور تہذیب میں نہیں ملتی۔ لہٰذا دور حاضر میں علم حدیث کا سائنسی انداز سے مطالعہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے حدیث کے سائنسی مطالعہ کے دو واقعات بیان کئے ہیں ایک حدیث جس میں ذکر ہے کہ مکھی کے ایک پر میں شفا ہوتی ہے اور دوسرے پر میں بیماری۔ دوسری حدیث عرینہ جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس قبیلہ کے چند اشخاص کو جو اسلام قبول کر چکے تھے اونٹی کا دودھ اور اس کا پیشاب پینے کا کہا تھا۔ انہوں نے بڑی تفصیل سے ڈاکٹر موریس بکائی اور ڈاکٹر حمید اللہ کی بحث وتمحیص کا ذکر کیا ہے۔(15)

قرآن کے سائنسی مطالعے کی طرح احادیث کا سائنسی مطالعے کا آغاز تو ہو چکا ہے خصوصاً اہل مغرب روز بروز نت نئے تجربات کر کے اسلام کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت فراہم کر رہے ہیں چودہ صدیاں پہلے جو بات پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمائی تھی وہ آج بھی سائنس کے میزان پر پوری اترتی ہے۔ لیکن یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ حدیث نبوی کا مقام ومرتبہ ان تجرباتی انسانی علوم سے بہت بلند اور اعلی ہے اس لئے کہ حدیث کی کتب سائنسی کتب نہیں بلکہ انہیں سائنس اور طب کی کتاب قرار دینا ان کا مرتبہ کم کرنے کے مترادف ہے۔ اور ان کی بے ادبی ہے۔ احادیث مطہرہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ وہ سب کا سب زبان رسالت سے نکلے ہوئے سچے موتی ہیں۔

یہاں ایک دو احادیث کا مختصر سائنسی مطالعہ پیش کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

الف۔ انگلیوں کی پوروں پر جراثیم کش پروٹین

اہل مغرب کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کے فعل کو غیر صحت مند (Unhygenic) قرار دے کر اس پر

حرف گیری کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ حدیث میں انگلیاں چاٹنے کا حکم ہے۔(16)

ایک تحقیق کے مطابق '' جرمنی کے طبی ماہرین نے تحقیق کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ انسان کی انگلیوں کے پوروں پر موجود خاص قسم کی پروٹین (Protein) اسے مختلف قسم کی بیماریوں سے بچاتی ہے۔ ماہرین کے مطابق وہ ای کولائی کہتے ہیں۔ جب انگلیوں کے پوروں پر آتے ہیں تو پوروں پر موجود پروٹین ان مضر صحت بیکٹیریا کو ختم کر دیتی ہے۔ اس طرح یہ جراثیم انسانی جسم پر رہ کر مضر اثرات پیدا نہیں کر تے۔ خاص طور پر جب انسان کو پسینہ آتا ہے۔ تو جراثیم کش پروٹین متحرک ہو جاتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے۔ کہ یہ پروٹین نہ ہوتی تو بچوں میں ہیضے، دست اور قے کی بیماریاں بہت زیادہ ہوتیں۔''(17)

ب۔ طاعون زدہ علاقے سے دور رہنے کا اور اس کی حکمت

طبی لحاظ سے طاعون ایک مہلک گلٹی ہے۔ جو تکلیف دہ متعدی عارضہ ہے۔ طاعون کے نتیجے میں جسم میں تعدیہ یا عفونت (Infection) زخم (Ulcers) اور مہلک رسولیاں نمودار ہوتی ہیں۔ اطبا اپنے مشاہدے کی رو سے انھیں طاعون کی علامات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طاعون کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

''طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ یا تم سے قبل لوگوں پر نازل ہوا۔ جب تم سنو کہ کسی علاقے میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب وہ اس علاقے میں آجائے جہاں تم مقیم ہو و اس علاقے سے مت بھاگو۔''(18)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''غدة كغدة البعير، يخرج في المراق والابط''(19)

طاعون ایک گلٹی ہے۔ جو اونٹ کی گلٹی سے مشابہ ہے۔ جو پیٹ کے نرم حصوں اور بغلوں میں نمودار ہوتی ہے۔

آپ ﷺ نے طاعون سے متاثرہ علاقے میں نہ جائے یا وہیں ٹھہرنے کا جو حکم دیا ہے اس میں بڑی حکمتیں پنہاں ہیں

امام ابن قیم مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

"......انسانی جسم میں مضر مادے ہوتے ہیں جو بھاگ دوڑ اور غسل کرنے سے متحرک ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ جسم کے مفید مادوں سے مل کر کئی بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے جب کسی جگہ طاعون حملہ آور ہو تو وہیں ٹھہرے میں عافیت ہے تا کہ انسان کے جسم میں مضر مادے متحرک نہ ہوں۔"(20)

جدید تحقیق نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔(21)

اس لیے ضروری ہے کہ ہم احادیث کا سائنسی مطالعہ میں اپنی تمام تر محنت اور کاوشیں صرف کر دیں اس لیے کے اسلام نے اپنے احیاء کے لئے ہمیشہ انسان کی مشقت سے توقعات وابستہ کی ہیں بقول اقبال،

نقش ہیں سب ناتمام ،خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام ،خون جگر کے بغیر(22)

۲۔ گذشتہ مذاہب کا مطالعہ

جب ہم احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں سابقہ کتب کے حوالہ جات بکثرت ملتے ہیں اس میں سابقہ انبیاء، سابقہ اقوام اور ان کے واقعات کا ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت سے مواقع پر تورات اور انجیل کے بیانات کو نقل کیا ہے۔

چنانچہ اگر آج ہم ان بیانات کو توراۃ یا انجیل یا دیگر کسی کتاب میں نہیں پاتے میں یا اس میں تھوڑا بہت ردو بدل پاتے ہیں تو ہمارے سامنے اس بات کی ایک تصدیق ہو جاتی ہے کہ ان میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر تبدیل واقع ہوئی تو کہاں کہاں ہوئی ہے اور کن طریقوں سے ہوئی۔

اور اگر ان کتابوں میں کوئی حوالہ ملتا ہے۔ تو اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کس حد تک ہے اور ان میں کتنی مماثلت ہے اور کس حوالے سے ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح مطالعہ مذاہب میں وہ گوشے بھی سامنے آتے ہیں جن میں مذاہب کی ھدایات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر و رسل کی طرف بھیجی تھیں اور مذاہب کے پیروکار کی تحریفات سے قبل جو تعلیمات تھیں ان کا واضح ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ مثلاً توراۃ مین یہ منقول ہے بائبل میں یہ تھا۔ فلان پیغمبر کی یہ تعلیمات تھیں اور فلاں پیغمبر کی یہ ھدایات تھیں۔ اس سے گذشتہ کتب مقدسہ کے مطالعہ اور مذاہب کی تاریخ پر کام کرنے کی ایک نئی جہت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اور یوں علم حدیث میں ایک نئے انداز سے تحقیق کام کی راہ کھلتی ہے۔

۳۔ مجموعہ احادیث کے موضوعات کی از سر نو ابواب بندی

حضرات محدثین نے اپنے مجموعہ ہائے احادیث کو اپنی ضروریات اور اپنے زمانہ کے لحاظ سے ان کی ابواب بندی کی ان کے عنوانات تجویز کئے۔ اور موضوعات رکھے۔ بہت سارے موضوعات ایسے ہیں جن سے شاہدان کو واسطہ نہ پڑا ہو مثلاً قوموں کا عروج و زوال کیسے ہوتا ہے۔ تہذیب وتمدن کی اساس کس پر ہوتی ہے۔ جیسے جیسے انسانیت کے مسائل بڑھتے رہیں گے نت نئے مسائل پیش آتے رہیں گے۔ نئے مجموعے ہر دور میں مرتب ہوتے رہیں گے۔ لیکن ماخذ یہی ذخائر رہیں گئے جو ائمہ اسلام نے پانچویں صدی ہجری تک مرتب کئے ہیں۔ ایک طرح سے ہم ان کو Power House کہیں گے جس سے کنکشن حاصل کر کے نئے نئے کام کی راہ ہموار کر سکتے ہیں۔ نئے نئے انداز سے راستے پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ بنیادی ماخذ جنہیں ہم نے پاور ہاؤس سے تعبیر کیا ہے وہ اپنی جگہ باقی رہیں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نئے انداز سے مجموعہ احادیث کو مرتب کیا جائے جس میں آج کی تہذیبی، تمدنی، سیاسی، معاشی، اجتماعی، روحانی اور اخلاقی ضروریات کے مطابق ابواب بندی کی جائے۔

۴۔ اسلام پر اعتراضات کا جواب

اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانے کا منصوبہ جس کا آغاز کفار مکہ نے کیا تھا اسے مخالفین و معاندین اسلام نے ہر دور میں دہرایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ محدثین نے فی زمانہ اسلام کے عقائد پر جو اعتراضات یونانیوں کی طرف سے ہو رہے تھے یا جو شبہات ایرانی اور ہندوستانی فلاسفر پیش کر رہے ان اعتراضات کا جواب انہوں احادیث کی روشنی میں دیا۔ لیکن آج قدیم یونانی فلسفہ اپنی موت آپ مر گیا ہے۔ قدیم ایرانی اور ہندوستانی تصورات ختم ہو چکے ہیں آج اسلام پر نئے انداز سے حملے ہو رہیں ہیں۔ رزم حق و باطل کا یہ سلسلہ دور حاضر میں بھی اسی طرح جاری و ساری ہے جو کام ماضی قریب میں گولڈ زائیر، مارگولیتھ، ٹسڈل، ٹوری اور سپر نگر جیسے متعصب، جانبدار مستشرقین اپنی کتب کے ذریعے کر رہے تھے وہی کام آج کے مغربی ذرائع ابلاغ زیادہ موثر، منظم اور غیر محسوس طریقے سے کر رہے ہیں۔ مغربی نفسیات نبوت کو بطور ماخذ علم ماننے سے انکاری ہے۔ وہ فن تاریخ کے حوالے سے۔ آرکیالوجی (Archaeology) کے نقطہ نگاہ سے اور آثار قدیمہ کے تناظر سے اس پر اعتراضات کر رہیں ہیں۔ یہ صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ دور حاضر کے مسلم سکالرز احادیث کی روشنی میں ان اعتراضات کا جواب دیں کیونکہ ان سب اعتراضات کا جواب کتب احادیث میں موجود ہے۔

لیکن ان جوابات کو سامنے لانے کی ضرورت ہے تا کہ اسلام کا آفاقی پیغام پوری انسانیت اور بالخصوص مغربی دنیا تک پہنچ سکے تا کہ ایک طرف تو مغربی میڈیا کے پروپیگنڈا کا توڑ کیا جا سکے اور دوسری طرف نام نہاد دانشوروں کی جانب سے لگائے گئے بے بنیاد الزامات کا مدلل اور سکت جواب دیا جا سکے۔

۵۔ انکار حدیث کا مقابلہ

بیسویں صدی میں فتنہ انکار حدیث اس برق رفتار سے پھیلا کہ بہت سے لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ اس صدی میں علم حدیث پر لکھنے والوں کا ایک میدان یہ بھی تھا کہ منکرین و معترضین حدیث کے اعتراضات کو دور کیا جائے چنانچہ فتنہ انکار حدیث کی مناسب سرکوبی کی گئی مگر منکرین حدیث بڑے باہمت لوگ واقع ہوئے تھے ایک اعتراض کا جواب دیا جاتا تو دوسرا داغ دیتے وہ تسلسل کے ساتھ ایک ہی اعتراض کو مختلف طریقوں سے دوہراتے رہے علم حدیث پر جو بنیادی اعتراضات کیے گئے تھے ان سب کی اصل اساس یہ غلط فہمی تھی کہ ذخیرہ احادیث تاریخی طور پر ثابت شدہ نہیں ہے یعنی غیر مستند ہے اس غلط فہمی کی تو اچھی طرح وضاحت ہوگئی اب اس طرح کا اعتراض کرنے والا یا تو کم علم ہے یا ناواقف ہے۔

عصر حاضر میں حدیث پر اس طرح کے اعتراضات نہیں ہوتے بلکہ اس کی نوعیت بالکل مختلف ہے وہ اعتراضات حدیث کے مندرجات پر ہو رہے ہیں کچھ لوگ کم علمی سے اور کچھ نیک نیتی سے کرتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سب اعتراضات کا علمی انداز میں جائزہ لے کر ان کا مثبت جواب دیا جائے۔اس بارے میں ڈاکٹر محمود رقمطراز ہیں۔

> ”۔۔۔حدیث رسول پر اعتراضات کرنے کی جو ذہنیت ہے یہ یہودی ذہنیت ہے یہ حضرت سلمان فارسی کے زمانے سے آج تک چلی آ رہی ہے اور ہر زمانے میں یہودی اس طرح کے سوالات کرتے رہے ہیں یہ ان تمام لوگوں کی ذمہ داری ہے جو حدیث کا علم رکھتے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو علم حدیث سے دلچسپی عطا فرمائی ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث کا دفاع کرنے کی توفیق فرمائی ہے“۔(23)

۶۔ حدیث کی نئی شروحات

شارحین حدیث کے سامنے مسلمان مخاطبین تھے۔ جو دین کو مانتے تھے اس پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لئے شارحین نے ان کا لحاظ رکھتے ہوئے حدیث کی شرح اس انداز سے تحریر کی کہ اس کے مخاطبین مسلمان ہیں لہٰذا وہ کلیات

کے بارے میں سوالات سامنے نہیں لائے تھے۔ بلکہ جزئیات پر ہی اکتفا کرتے تھے۔لیکن آج کا مخاطب، پڑھنے والا بہت سی چیزوں کا انکاری ہے یا پھر متردد ہے۔ وہ اسلام کے مسلمہ کلیات سے بھی معترض ہے۔ چنانچہ اب حدیث کی نئی شرحیں نئے پس منظر میں لکھنے کی ضرورت ہے۔ پرانی شرحیں پرانے سیاق وسباق میں مرقوم تھیں۔نئی شرحیں نئے سیاق و سباق میں لکھی جائیں گی۔ان میں پہلے کلیات کو بیان کیا جائے گا اور پھر جزئیات کا جواب دیا جائے گا۔اس طرح سے نئے انداز کی شرحیں نئے مخاطبین کو سامنے رکھ کر اور نئے مسائل کے لحاظ سے مرتب کرنا ازحد ضروری ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر محمود فرماتے ہیں۔

>''جس طرح سے متن حدیث کو نئے انداز سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے اسی طرح علم حدیث کی نئی شرحیں لکھنے کی ضرورت ہے .... یہ ایک نئی دنیا ہے جس پر ابھی کام کا شاید آغاز بھی نہیں ہوا ہے اور اگر آغاز ہوا ہے تو محض آغاز ہی ہے۔''(24)

۷۔ حدیث کی موضوعی تدوین

اگر ہم کسی بھی موضوع کے حوالے سے کسی ایک حدیث کی کتاب میں موجود مواد دیکھیں تو بمشکل 100 احادیث ایسی ملے گی جن کا تعلق اس خاص موضوع سے ہو لیکن اگر تمام مجموعہ احادیث کا جائزہ لیا جائے تو بے شمار احادیث سامنے آئیں گی جن سے کئی جلدیں مرتب ہوسکتی ہیں تاہم اس میں احادیث کی صحت کے بارے میں جانچنا بھی ضروری ہے صرف وہی احادیث لی جائیں جو صحت کے معیار پر پوری اترتی ہوں اس لیے ضروری ہے بعض خاص موضوعات کے حوالے سے تمام احادیث یکجا کر دی جائیں مثلاً علم معاشیات کے بارے میں احادیث کے بے شمار ذخائر ہیں ہزاروں ارشادات اور ہدایات موجود ہیں۔جن کا انسان کی انفرادی اور اجتماعی معاشی زندگی سے بڑا گہرا تعلق ہے۔انہیں یکجا کیا جائے۔اسی طرح علم حدیث کے تمام بنیادی ماخذ سے کام لے کر وہ تمام احادیث جن کا تعلق حکومت اور ریاست سے ہے ان کو جمع کر دیا جائے۔اس بارے ڈاکٹر محمود احمد غازی رقمطراز ہیں۔

>''بعض حضرات نے بعض ایسے مجموعے مرتب کئے ہیں۔محمد اکرم صاحب ہمارے ایک دوست ہیں انہوں نے علم حدیث کے ذخائر کو تلاش کر کے وہ احادیث دو جلدوں میں یکجا کی ہیں جو معاشیات سے متعلق ہیں۔لیکن ابھی اس پر طویل کام کی ضرورت ہے نئے نئے مجموعے جواب شائع ہوئے ہیں ان کو کنگھال کر اس مواد کو ایک ساتھ کرنے کی ضرورت ہے (25)

۸۔ حدیث کی کمپیوٹرائزیشن

1990 کے عشرے میں انفارمیشن ٹیکنالوجی میں بے پناہ ترقی ہوئی ہے یہ ایک نیا میدان ہے۔ جہاں تمام شعبہ ہائے زندگی نے اپنے اپنے دائرہ میں بے پناہ ترقی حاصل کی ہے۔علم حدیث کے ماہرین بھی اس میدان میں پیش پیش رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں احادیث کا ایک جامع ڈیٹابیس(Database) بنایا جس میں تمام کتب احادیث میں موجود تمام احادیث کو درج کر کے ہر حدیث کی فنی حیثیت اور اس بارے میں ائمہ حدیث کے اقوال و آرا سے بھی بحث کی ہے۔علاوہ ازیں حدیث کے تمام راویوں سے متعلق معلومات اوران کے متعلق فن رجال کے ائمہ کی آراء کو بھی شامل کیا ہے۔اس طرح کسی بھی نام پر کلک(Click) کرنے سے اس راوی کی مکمل تفصیلات سکرین پر ڈسپلے (Display) ہو جاتی ہیں۔

عرب دنیا میں گذشتہ پچاس برس میں حدیث پر اس نوعیت کا غیر معمولی کام ہوا ہے۔حدیث کے متعلق ایسے کئی سافٹ ویئر تیار ہو چکے ہیں مثلا اردن کے دار التراث الاسلامی کے موسوعة الحدیث، مکتبه الفیة لسنة النبویة اور مکتبہ شاملہ قابل ذکر ہیں۔اس طرح علامہ ناصر الدین البانیؒ کی کتب پر مشتمل سافٹ ویئر بھی منظر عام پر آچکا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے۔کہ ڈاکٹر محمود احمد نے یہ لیکچر 2003ء میں دیے تھے۔اس وقت حدیث پر اس نوعیت کا کام اتنا زیادہ نہیں ہوا تھا تاہم اب تو وسیع پیمانے پر کام ہو رہا ہے۔تاہم ان سافٹ ویئر میں مزید بہتری لائی جا سکتی ہے۔جدید ترین ''سرچ انجنز'' کی ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احادیث کے ساتھ قدیم وجدید علما کی لکھی ہوئی شروح (Commentaries) کو بھی لنک کر دیا جائے تا کہ براؤزنگ (Browsing) کرنے میں زیادہ وقت صرف نہ ہو۔ایسے ہی احادیث کے نمبرز کو مکمل طور پر اسٹینڈرائزڈ(Standardized) کرنے کی ضرورت ہے۔تا کہ تلاش میں دشواری پیش نہ آئے۔

ڈاکٹر محمود غازی رجال احادیث کی کمپیوٹرائزیشن کے بارے میں اپنا نقطہ نگاہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> ''لیکن اس سے بھی زیادہ جو مشکل کام ہے وہ رجال کی کمپیوٹرائزیشن کا کام ہے۔ چھ لاکھ افراد کے بارے میں تفصیلات،معلومات کے اس تمام ذخیرے کے ساتھ جو علمائے رجال اور جرح وتعدیل کے ائمہ نے جمع کیا ہے۔اس کو کمپیوٹرائز کرنا انتہائی اہم،مشکل اور لمبا کام ہے۔اس کے لئے ایک نئے سافٹ ویئر کی ضرورت ہے۔وہ سافٹ ویئر وہ آدمی بنا سکتا

ہے۔ جو خود بھی محدث ہو۔ علم حدیث بھی جانتا ہو اور پروگرمنگ (Programming) بھی جانتا ہو۔ اگر علم حدیث نہ جانتا ہو تو شاید اس کے لئے سافٹ ویئر بنانا بہت مشکل ہو گا۔"(26)

جہاں تک فن رجال کا تعلق ہے۔ تو اس حوالے سے بہت زیادہ کام ہو چکا ہے۔ بہت سے ایسے سافٹ ویئر تیار ہو چکے ہیں۔ جہاں ہم راوی کے حالات معلوم کر سکتے ہیں۔ البتہ جرح و تعدیل کے مواد میں سے انتخاب کرنا۔ اس کی درجہ بندی کرنا پھر حدیث کا درجہ متعین کرنا کہ حدیث صحیح ہے۔ حسن ہے یا پھر ضعیف وغیرہ۔ سارا کام کمپیوٹرائزیشن کے ساتھ ابھی ہونا باقی ہے۔

اس طرح کے بیسویوں میدان اور جہات ہیں جہاں علم حدیث کی خدمت کی جا سکتی ہے گذشتہ ماہ 18 تا 20 اپریل دوبئ میں انٹرنیشنل کانفرنس منعقد ہوئی جس کا موضوع "ندوة عن الاستشراف و التخطيط المستقبلي في السنة النبوية" تھا۔ اس کانفرنس میں شریک ہونے والے بیشتر اسکالرز نے اپنے مقالہ جات میں علم حدیث کے حوالے سے مستقبل میں ہونے والے تحقیقی کام اور اس کی پیش بندی کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ ان کی آراء کو سامنے رکھ کر مزید میدان کو تلاش کیا جا سکتا ہے اس طرح نہ صرف احادیث کے نئے میدان سامنے آئیں گے بلکہ یہ ایک طرح سے خدمت حدیث کا ایک بڑا موقع ہاتھ آئے گا۔

یاد رہے مثبت عمل وہی ہوتا ہے جو فی نفسہ مفید اور نتیجہ خیز ہو اسلئے اسلام میں ایسی سرگرمی سے روکا گیا ہے جو اصلاً بے مقصد اور بے ثمر ہو۔ لہذا خصوصاً احادیث کے میدان میں مثبت جہات کا تعین کرنا از حد ضروری ہے علم نافع ہی کو شریعت نے تسلیم کیا ہے۔ بقول اقبال:

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم!
کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم
وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں !
تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم

(27)

حوالہ جات

1- الجاحظ، البیان والتبین، ص: 1 / 131 دارالفکر اسلامی
2- سورۃ النحل، 44/116
3- ابن حجر، مقدمۃ الاصابہ، ص: 7، دار المعارف، مصر
4- نور الدین عتر علوم الحدیث، ص: 7 دارلکتب الاسلامی
5- ابن العربی، الجامع لاحکام القرآن، ص: 4 / 24، دار المعارف، مصر
6- الغزالی، محمد بن محمد، المستصطفی، ص: 2 / 34، المطبعۃ الامیریہ بولاق
7- مصطفیٰ، عبدالرزاق، تمہید لتاریخ الفلسفۃ الاسلامیہ، مکتبہ النخضۃ المصریۃ
8- ملاجیون، نور الانوار، ص: 36، دار المعارف، مصر۔
9- محمود، عبدالمجید، الإتجاهات الفقهية عند المحدثين في القرن الثالث، ص: 44، مکتبہ کلیۃ دار العلوم
10- الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول، ص: 2، مکتبہ السعادۃ، 1327ھ
11- غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، ص: 71، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور
12- ایضاً، ص: 72
13- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، ص: 142، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور 1994ء
14- رشید رضا، علامہ، محاضرات، ص: 20
15- غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، ص: 449
16- صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، باب استحباب لعق الاصابع، حدیث نمبر 2031، ص: 440
17- روزنامہ نوائے وقت 30 جون 2005ء
18- صحیح مسلم، کتاب الطب، باب الطاعون، حدیث نمبر 2218
19- ابن عبدالبر، التمہید، ص: 6 / 212، دار الکتب العلمیہ بیروت
20- ابن القیم الجوزیہ، الطب النبوی، ص: 104
21- آئی اے ابراہیم، اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، ص: 180، دار السلام جدہ
22- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، ص: 241
23- غازی، محمود، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، ص: 462
24- ایضاً، ص: 458
25- ایضاً، ص: 456
26- ایضاً، ص: 460
27- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، ص: 37

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی ''محاضراتِ فقہ'' کا تجزیاتی مطالعہ (1)

* ڈاکٹر غلام یوسف

محاضرات فقہ کا یہ مجموعہ پانچ سو چھپن (556) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب پہلی بار الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور سے جون م2005 میں شائع ہوئی۔

تعارف:

اس مقالہ میں ڈاکٹر صاحب کی علمی، تحقیقی اور وقیع تصنیف ''محاضراتِ فقہ'' کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ''محاضراتِ فقہ'' بارہ خطبات پر مشتمل ہے۔ یہ خطبات: 24 ستمبر 2004 ء سے 19 اکتوبر 2004 ء کے درمیانی عرصہ میں دیئے گئے۔ ان خطبات کو جناب احسان الحق حقانی نے ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے سن کر براہ راست کمپیوٹر پر کمپوز کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی نظر ثانی اور اصلاح کے بعد یہ کتابی شکل میں شائع کیے گئے۔

تاریخ اسلامی میں بیسویں صدی مغربی اقوام کی پے در پے کامیابیوں اور مسلمانان عالم کے ابتلاء کا زمانہ تھا، اور خصوصاً پاک وہند کے مسلمان شدید کشمکش سے دوچار ہوئے۔ یہ صدی اپنے دامن میں امت مسلمہ کے لئے گہرا درس عبرت رکھتی ہے۔ اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے ادارے بری طرح متاثر ہوئے۔ اس طرح کے تمام دباؤ کے باوجود ایسے صاحب فکر ونظر ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے اُمت مسلمہ کے جسد میں نئی روح پھونکی، علمی اور فکری میدان میں ان کی بھرپور رہنمائی کی، ان کے قلب ونظر کو نئی جلا بخشی، اُن کے عزم واعتماد کو بحال کیا اور پھر جلد ہی علم وعمل او رمکارم اخلاق سے آراستہ ہوکر وہ اس قابل ہوگئے کہ دنیا کے کسی نہ کسی خطہ میں اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔

بعض شخصیات ایسی بھی پیدا ہوتیں ہیں کہ اُن کے علمی وفکری کاموں کی وسعت، گہرائی اور اس کے اثرات کا صحیح اندازہ ان کے معاصرین کو نہیں ہوتا، بعد میں تاریخ ان کے کام اور اثرات کا جائزہ لے کر اُن کے مقام کو متعین کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ بھی بیسویں صدی عیسوی کی اُن اہم شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے علم وعمل کی دنیا میں بہت گہرے نقوش چھوڑے اور اُمت مسلمہ کی علمی وفکری رہنمائی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، چیئرمین شعبہ فقہ واسلامی قانون، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ڈاکٹر حافظ محمود احمد غازیؒ:

ڈاکٹر حافظ محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے دل دماغ میں علم ومعرفت کی جو شمع آپ کے اساتذہ نے روشن کی تھی اُسی کی نورانی کرنوں میں انہوں نے فقہ کے بہت دقیق اور جدید مسائل ومباحث کو علمی انداز میں بیان کیا ہے۔ ''محاضرات فقہ'' کے مطالعہ سے اُن کی اجتہادی بصیرت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ قرآن وسنت، فقہ واصول فقہ، لغت اور عربی لغت پر ان کی گہری نظر تھی

اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کو سلیس، مرتب، مدلل ومربوط بیان کی صلاحیتوں سے بھرپور نوازا تھا آپ کا بیان سننے والا آپ کی پرمغز معلومات اور عقل ومنطق کے دلائل سے ان کے بیان میں کھو جاتا تھا۔ آپ کو مختلف زبانوں پر عبور حاصل تھا، شُستہ اردو کے علاوہ بلیغ عربی، عمدہ فارسی، معیاری انگریزی وفرانسیسی میں آپ کو لکھنے اور بولنے کی صلاحیت حاصل تھی۔

ڈاکٹر صاحب کا دیگر علوم کے علاوہ خصوصاً فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ اور اُمہات الکتب کے بارے میں گہرا مطالعہ تھا۔ اسلامی تعلیمات کی تفہیم وتعلیمات کے لیے بہترین متکلم، صاحب بصیرت فقیہ، نکتہ رس ادیب اور نامور محقق تھے۔ بلاشبہ آپ کی تقاریر سننے والا آپ کی فہم قرآن وسنت کی قابلیت، شرعی وفقہی موضوعات پر آپ کی کمال دسترس وعبور پر دنگ رہ جاتا تھا۔

موصوف کو شرعی اور عصری دونوں قسم کے علوم پر دسترس حاصل تھی جدید عصری فنون وافکار سے وافر آگاہی کے باوجود آپ میں تجدد یا کسی فکری زیغ کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ اپنی صلاحیتوں کا لوہا قومی جامعات کے ماحول میں بھی، ملک اور بیرون ملک بڑی عمدگی کے ساتھ منوایا۔

ماہنامہ البلاغ، دارالعلوم کراچی، کے مدیر مسئول مولانا عزیر الرحمٰن ڈاکٹر غازیؒ کے انتقال پر تعزیتی نوٹ میں لکھتے ہیں:

> ''تصنیف، تدریس خطابت، عالمی مؤتمرات اور علمی وتحقیقی کاموں میں وافر حصہ لینے کے علاوہ مرحوم انتظامی صلاحیتوں کے بھی حامل تھے، عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کی صدارت، شریعت اپیلنٹ بنچ کی ممبرشپ، وفاقی وزیر مذہبی امور کی ذمہ داری جیسے اہم مناصب پر فائز رہے۔ لیکن ان اہم مناصب پر آپ نے سرکاری مراعات سے فائدہ نہیں اٹھایا سادگی کے ساتھ ملک وملت کی خدمت جاری رکھی، وفات کے وقت آپ اسٹیٹ

بینک کے شرعی ایڈوائزری بورڈ کے چیئرمین اور وفاقی شرعی عدالت کے جج کے منصب پر فائز تھے۔ڈاکٹر صاحب مرحوم ان جامع کمالات شخصیات میں سے ایک تھے جو عمومی مجالس اور معروف درسگاہوں میں تدریسی،تبلیغی اور تربیتی سرگرمیوں کے علاوہ بھی دین حق کی ترجمانی،معاند خیالات ونظریات اور زیغ وضلال کے فتنوں کا تعاقب کرنے کے لیے ان حلقوں تک رسائی کی صلاحیت رکھتے تھے جہاں دیگر اہل علم نہیں پہنچ پاتے،ان کی شخصیت ملک وملت کا قیمتی اثاثہ تھی ان کی متعدد وقیع تصانیف شائع ہو چکی ہیں جو ان شاء اللہ علم دوست اور طالبان حق کی رہنمائی کریں گی ۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اب اپنے تمام محاسن وکمالات سمیت ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکے ہیں،قضاء وقدر کا فیصلہ اٹل ہے جس کے سامنے ہر صاحب ایمان سر تسلیم خم کرتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحبؒ کی وفات کا سانحہ کسی مخصوص خاندان کا صدمہ نہیں ہے بلکہ ہر صاحب فکرونظر کا صدمہ ہے جس بر وہ تعزیت کا مستحق ہے"(2)۔

موجودہ دور تغیرات اور تبدیلیوں کا ہے جس میں روز بروز نئے واقعات وحوادث اور نئی نئی ایجادات سامنے آ رہی ہیں جن کی وجہ سے مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔اس دور میں معاشی نظام میں متنوع نئی شکلیں پیدا ہوئیں سماجی قدریں بدل گئیں،جدید سیاسی نظام کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے،صنعتی اور سائنسی ترقی میں اسباب ووسائل کی دنیا نے ایسی ایسی چیزوں کو جنم دیا جن کا ماضی میں تصور بھی نہیں تھا۔معاشی اور سماجی علوم کا دائرہ خوب وسیع ہو گیا خصوصاً صنعتی انقلاب مختلف ملکوں کا باہمی ربط،تجارت کا بین الاقوامی نظام،تجارت کے متعلق قدیم عرف ورواج میں تغیر وغیرہ ایسے اسباب ہیں کہ ان کا اثر انداز ہونا عین مطابق فطرت ہے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کو ان جدید چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جدید دور کی ضروریات اور تقاضوں کو مد نظر رکھ کر فقہ اسلامی کا فہم از سر نو حاصل کرنا اور جدید اسلوب کے مطابق فقہ اسلامی کی تدوین و اشاعت کی ضرورت جس قدر آج ہے اتنی ماضی میں کبھی نہ تھی۔

اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اسلامی دنیا کے کئی حکومتی وغیر حکومتی ادارے اور ذاتی حیثیت میں بہت سے افراد اپنے حصے کا کام اپنی استطاعت وعلمی بساط کے مطابق انجام دے رہے ہیں۔اس طرح کے تمام جدید چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب ایک اہم گائیڈ لائین کی حیثیت رکھتی ہے۔

''محاضراتِ فقہ'':

''محاضراتِ فقہ'' کا یہ مجموعہ بارہ (12) خطبات پر مشتمل ہے۔ خطبات کا آغاز 27 ستمبر 2004 کو دوشنبہ کے روز ہوا اور درمیان میں 09 اکتوبر یعنی اتوار کا دن نکال کر 03 اکتوبر 2004 تک یہ سلسلہ جاری رہا (3)۔

''محاضراتِ فقہ'' کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

- پہلا خطبہ : فقہ اسلامی علوم اسلامیہ کا گل سرسبد
- دوسرا خطبہ : علم اصول فقہ عقل ونقل کے امتزاج کا ایک منفرد نمونہ
- تیسرا خطبہ : فقہ اسلامی کے امتیازی خصائص
- چوتھا خطبہ : اہم فقہی مضامین: ایک تعارف
- پانچواں خطبہ: تدوین فقہ اور مناہج فقہاء
- چھٹا خطبہ: اسلامی قانون کے بنیادی تصورات
- ساتواں خطبہ: مقاصد شریعت اور اجتہاد
- آٹھواں خطبہ: اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون
- نواں خطبہ: اسلام کا قانون جرم سزا
- دسواں خطبہ: اسلام کا قانون تجارت و مالیات
- گیارہواں خطبہ: مسلمانوں کا بے مثال فقہی ذخیرہ
- بارہواں خطبہ: فقہ اسلامی دور جدید میں

پہلا خطبہ: فقہ اسلامی علوم اسلامیہ کا گل سرسبد

یہ خطبہ مؤرخہ: 27 ستمبر، 2004 کو دیا گیا

اس خطبہ میں ڈاکٹر صاحبؒ نے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے جو غلط فہمی، کم علمی، کسی منفی تاثر یا کم علم اور کم فہم لوگوں سے گفتگو کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے: کہ فقہ اسلامی قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ تھلگ کوئی چیز ہے۔ یہ محض ایک غلط فہمی ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اور فقہ اسلامی، قرآن مجید اور حدیث و سنت یہ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں اور ایک ہی چیز کے مختلف انداز ہیں۔ فقہ اسلامی کو ایک لمحہ کے لئے بھی

قرآن کریم اور سنت نبوی سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

ہر وہ فرد جو شریعت اسلامی کی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارنا چاہتا ہے اس کے لئے روزمرہ کے پیش آمدہ مسائل کو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص سے منطبق کرنا، شریعت اسلامیہ کے ہر ہر حکم پر غور کرکے جزوی اور تفصیلی احکام کو مرتب کرنا اور مرتب کرکے ان کے مطابق زندگی کو سنوارنے کا دوسرا نام فقہ اسلامی ہے۔

- فقہ اسلامی اور دنیا کے دوسرے قوانین (حمورابی قانون اور قانون روما وغیرہ) کے ساتھ ایک عمومی اور ابتدائی تقابل کرایا گیا ہے۔ جس میں اسلامی قانون کی اُن نمایاں خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے جو اس کو قدیم وجدید نظاموں سے ممیز کرتی ہیں۔
- اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ فقہ اسلامی، مصادر وماٰخذ کے لحاظ سے دیگر قوانین سے مختلف ہے۔ کیونکہ ان قوانین کے مصادر وماٰخذ، بادشاہوں کے مدون کردہ قوانین وفرامین، بادشاہوں کے مجسٹریٹوں کے دیئے ہوئے فیصلوں اور بادشاہوں کے مقرر کردہ ماہرین قوانین کے فیصلے اور مشورے ہیں۔ جبکہ فقہ اسلامی نہ تو کسی بادشاہ کا دیا ہوا قانون ہے، نہ یہ کسی مجسٹریٹ کے دیئے ہوئے ضابطے ہیں، نہ ہی بادشاہوں کے مقرر کردہ مشیروں کے مشورے ہیں۔ کیونکہ کسی بادشاہ یا کسی حکمران کا فقہ اسلامی کی ترتیب وتدوین میں کبھی بھی کوئی حصہ نہیں رہا۔ فقہ اسلامی کی ساری اساس قرآن کریم کی آیات الاحکام، احادیث نبویہ، بالخصوص احادیث احکام پر ہے۔
- فقہ اسلامی اور قانون روما کے مابین فرق اور اختلاف کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ اسلامی ہمہ گیر تبدیلی اور انسانی زندگی کی بھرپور تبدیلی کی نقیب ہے۔ اس کے برعکس قانون روما سابقہ طرز زندگی ہی کی ذرا بہتر تنظیم کا داعی ہے۔ فقہ اسلامی میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ کار بہت محدود ہے، کیونکہ یہاں بنیادی قانونی تصورات قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طے کردیئے گئے ہیں۔ اور بقیہ قانون سازی رہتی دنیا تک کے لئے انہی حدود کے اندر رہ کر ہوگی جو قرآن وسنت نے طے کردی ہیں۔
- قانون روما میں آزادانہ قانون سازی کا دائرہ لامحدود ہے۔ فقہ اسلامی میں قانون سازی تمام تر فقہاء اور مجتہدین کے آزادانہ اجتہاد کے نتیجہ میں وجود میں آئی، جب کہ قانون روما قریب قریب سارے کا سارا یا بادشاہ کا عطا کردہ ہے یا بادشاہوں کے مقرر کردہ ماہرین کا طے کردہ ہے۔ فقہ اسلامی اصلاً ایک غیر مدون قانون ہے جبکہ قانون روما کا طرّہ ٔ امتیاز ہی یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ مہذب دنیا کا پہلا مدون قانون ہے۔
- قانون روما سے فقہاء کی بے اعتنائی کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ فقہ

اسلامی مستقل بالذات نظام قانون ہے جو اپنے وسیع ارتقاء میں کسی طرح بھی قانون روما کا مرہون منت نہیں۔تاریخ وتذکرہ کی کسی بھی قدیم وجدید کتاب میں اس امر کا ادنی سا اشارہ نہیں ملتا کہ کسی فقیہ یا غیر فقیہ مصنف نے رومی قانون یا بازنطینی قوانین سے دلچسپی لی ہو۔فقہاء اسلام میں اکثر وبیشتر کا تعلق مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ اور بغداد سے تھا جو خالص اسلامی آبادیاں تھیں۔ان اسلامی بستیوں میں نہ رومی اثرات پائے جاسکتے تھے اور نہ ہی بازنطینی۔

⊙ فقہ اور قانون کے درمیان فرق کی وضاحت کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ کوئی بھی حکم جو انسان کی عملی زندگی سے تعلق رکھتا ہو لیکن شریعت کے تفصیلی دلائل سے ماخوذ نہ ہو تو وہ فقہ نہیں۔فقہ وہ ہے جو شریعت کے تفصیلی دلائل سے تعلق رکھتا ہو، ان سے ماخوذ ہو اور انسان کی عملی زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔لہذا جو حکم یا قانون شریعت کی تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوگا صرف وہی فقہ کہلائے گا اور صرف ایسے ہی احکام کے مجموعہ کا نام فقہ ہوگا۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے:

⊙ فقہ اسلامی کے بارے میں غلط فہمی
⊙ فقہ اسلامی اور دنیا کے دوسرے قوانین
⊙ باہم مشترک خصوصیات
⊙ فقہ اسلامی اور قانون روما کے مابین فرق
⊙ قانون روما سے فقہاء کی بے اعتنائی
⊙ قانون کا اصل اور حتمی ماخذ
⊙ شریعت کا دائرہ کار
⊙ فقہ کی تعریف
⊙ فقہ اور قانون کے درمیان فرق
⊙ فقہ کے اہم ابواب اور مضامین
⊙ علم فقہ کا دائرہ کار
⊙ علم فقہ کا آغاز وارتقاء

دوسرا خطبہ: علم اصول فقہ عقل ونقل کے امتزاج کا ایک منفرد نمونہ

(یہ خطبہ مؤرخہ: 28 ستمبر، 2004 کو دیا گیا)

اس خطبہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اصول فقہ سے مراد وہ قواعد وضوابط اور وہ اصول ہیں جن سے کام لے کر ایک فقیہ قرآن کریم، سنت رسول اور شریعت اسلامیہ کے دیگر مصادر وماخذ سے فقہی احکام معلوم کرتا ہے اور

روز مرہ پیش آنے والے عملی مسائل کے لئے تفصیلی ہدایات مرتب کرتا ہے۔ جو قواعد وضوابط ممد و معاون ثابت ہوں ان قواعد وضوابط کے مجموعے کا نام اصول فقہ ہے۔ یہ علم نہ صرف اسلامی علوم میں بلکہ تمام انسانی علوم وفنون میں ایک منفرد شان رکھتا ہے۔ یہ عقل و نقل کے امتزاج کا ایک ایسا منفرد نمونہ ہے کہ جس کی مثال نہ صرف اسلام کی تاریخ بلکہ دوسرے علوم وفنون کی تاریخ میں بھی ناپید ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- عقل و نقل کی کشمکش اور اصول فقہ
- مسلم عقلیات اور علم اصول فقہ
- اصول فقہ اور اسلامی تہذیب کی انفرادیت
- علم اصول فقہ کی اولین تدوین
- اصول فقہ کے دو اہم مناہج واسالیب
- اصول فقہ کے مضامین اور مندرجات
- مصادر شریعت
- اجماع بطور ماخذ قانون
- اجتہاد اور قیاس
- علت کی بحث
- استحسان بطور ماخذ قانون
- مصلحت بطور ماخذ قانون
- عرف اور رواج بطور ماخذ قانون
- اصول تعبیر وتشریح

تیسرا خطبہ: فقہ اسلامی کے امتیازی خصائص

(یہ خطبہ مؤرخہ: 29 ستمبر، 2004 کو دیا گیا)

- اس خطبہ میں فقہ اسلامی کے امتیازی خصائص کو بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ اسلامی ایک ایسا نظامِ قانون ہے جس کی اساس اور جڑیں شریعت الٰہی میں ہیں۔ جس کے ثمرات اور برکات سے انسانی زندگی کا ہر پہلو مستفید اور متمتع ہوتا ہے۔ جس نے کم وبیش بارہ سو سال تک دنیا کے انتہائی متمدن اور مہذب ممالک اور سلطنتوں کو قانونی، انتظامی اور اداراتی رہنمائی فراہم کی ہے۔
- فقہ اسلامی ایک ایسا نظامِ قانون ہے جس نے ماضی میں نہ صرف کروڑوں بلکہ اربوں انسانوں کو زندگیوں کو منظم کیا، بلکہ آج بھی وہ زندگی کے بہت سے پہلوؤں میں ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں کی رہنمائی اور تنظیم کررہا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام اور زندہ قانون ہے جس میں ایک لمحے کے لئے بھی خلا پیدا نہیں ہوا۔ اپنے روز

آغاز سے آج تک کئی اعتبار سے نافذ العمل ہے۔

- ایک مسلمان اگرچہ اس بات کو دکھ کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ اسلامی شریعت یا اسلامی فقہ کے بعض میدان اور پہلو ایسے ہیں جن پر آج مسلمان یا تو عمل درآمد نہیں کر رہا ہے یا ان کو ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے۔ لیکن ہمیں بحیثیت مسلمان اس بات کا یقین ہے کہ ایک نہ دن ضرور آئے گا کہ جب ہماری زندگی کے تمام پہلو اور زندگی کے تمام گوشے اسلامی شریعت کی رہنمائی سے مستفید ہوں گے اور اسلامی فقہ کے قواعد وضوابط کے مطابق ان کی تنظیم نو کی جائے گی۔
- فقہ اسلامی ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں انسانی ضرورت کی تکمیل کے لئے درکار تمام اہم خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ انسانوں کی بنیادی اور اہم ضروریات اور انسانی زندگی کے تمام اہم پہلو، ان سب ضروریات کی تکمیل اور ان سب پہلوؤں کو منظم کرنے اور ان سب کے بارے میں رہنمائی کا سامان فقہ اسلامی میں موجود ہے۔ جبکہ دوسرے نظام اس جامعیت سے عاری ہیں۔ اگر کوئی نظام کسی ایک پہلو کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے تو بقیہ پہلوؤں کے بارے میں خاموش ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے نظام کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ وہ مکمل اور جامع نظام ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- فقہ اسلامی ایک زندہ قانون
- فقہ اسلامی کا ایک اہم امتیازی وصف
- آزاد قانون سازی کی منفرد روایت
- آزادی اور مساوات
- قانون کی حکمرانی
- اخلاق اور قانون
- اعتدال اور توازن

چوتھا خطبہ: اہم فقہی علوم اور مضامین: ایک تعارف

(یہ خطبہ مؤرخہ: 30 ستمبر، 2004 کو دیا گیا)

- اس خطبہ میں اہم فقہی علوم اور مضامین کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اگرچہ ابتدائی ادوار میں عقائد وخیالات، جذبات واحساسات، ظاہری و باطنی اعمال سب پر فقہ اسلامی کا اطلاق ہوتا تھا۔ بعد

کے ادوار میں جب فقہ اسلامی کا دائرہ کار خاصا محدود اور زیادہ واضح ہوگیا تو اس وقت سے فقہ کی اصطلاح صرف ظاہری اعمال پر مبنی احکام کے لئے استعمال ہونے لگی۔انسانی زندگی کے ہر گوشے میں ظاہری اعمال ہیں دوسرے معنوں میں ظاہری اعمال ہی سے انسانی زندگی عبارت ہے۔

- فقہ اسلامی میں ظاہری اعمال کے لحاظ سے سب سے پہلے عبادات کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔جس میں طہارت،نماز،زکوٰۃ،روزہ اور حج سے متعلق مسائل کے بارے میں ذکر ہوتا ہے۔ یہ شریعت اسلامیہ کے وہ بنیادی مسائل اور احکام ہیں جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے۔
- عبادات کے بعد دوسرا بڑا شعبہ شخصی اور عائلی قوانین کا شعبہ ہے جس کے لئے فقہاء نے مناکحات کی اصطلاح استعمال کی ہے۔اس عنوان کے تحت نکاح اور اس سے متعلق آداب اور احکام سے متعلق مسائل موجود ہوتے ہیں۔عائلی وشخصی قوانین کے ضمن میں اسلام کا قانون وراثت ووصیت کو بھی موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔
- فقہ اسلامی کا ایک بڑا حصہ فوجداری اور دیوانی قوانین سے متعلق ہے۔جن کے لئے فقہ اسلامی میں ’’فقہ المعاملات اور فقہ الجنائی‘‘ کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔جن کے ضمن میں،قصاص ودیت،سرقہ وحرابہ،زنا وقذف،شراب نوشی، بغاوت اور ارتداد کے جرائم اور ان کی سزائیں اسی طرح لین دین خرید وفروخت،مال و دولت کا حصول اُس کے خرچ اور انتقال دولت کے مختلف طریقے زیر بحث آتے ہیں۔
- فقہ اسلامی کا ایک اہم شعبہ جسے آج کل کی اصطلاح میں ’’اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون‘‘ کہا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت،قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے وہ امت کے قیام کی تعلیم ہے ۔امت مسلمہ کی تشکیل قرآن کریم کا مقصود اولین ہے،قرآن کریم کا سب سے اہم اور اولین اجتماعی ہدف اُمت کا قیام ہے۔اُمت کی ذمہ داریاں بین الاقوامی اور بین الانسانی ہیں۔ اس لئے امت مسلمہ کا ایک عالمگیر کردار،ایک جہانی ذمہ داری اور بین الانسانی فریضہ قرآن کریم میں جابجا بیان ہوا ہے۔
- اس کردار کی انجام دہی کے لئے اُمت مسلمہ کی وحدت اور تحفظ ضروری ہے۔ان عظیم الشان عالمی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے اُمت مسلمہ کو وسائل درکار ہیں۔ان وسائل میں سے ایک وسیلہ حکومت اور ریاست بھی ہے۔کیونکہ جب تک ریاست اور حکومت میسر نہیں ہوگی اُس وقت تک اُمت مسلمہ بہت سے اجتماعی اور ملّی کام نہیں کر سکے گی۔فقہ اسلامی میں اسلامی ریاست او رحکومت کے دستوری اور انتظامی اُمور سے متعلق تمام پہلوؤں کے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

⊙ فقہ اسلامی میں اسلام کے قانون بین الاقوام جس کے لئے ''سیئر'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔جس میں مسلمانوں کے تعلقات کو دوسری اقوام کے ساتھ منظّم کرنا، دوسری اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کیسے منظّم اور مربوط کئے جائیں؟ سے متعلق اہم مباحث اور مسائل کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- ⊙ فقہ کے اہم اور بنیادی ابواب
- ⊙ اسلام کا عائلی قانون
- ⊙ اسلام کا فوجداری قانون
- ⊙ اسلام کے معاشرتی آداب
- ⊙ اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون
- ⊙ اسلام کا قانون بین الاقوام
- ⊙ اسلام کا قانون ضابطہ
- ⊙ اسلام کا دیوانی قانون
- ⊙ ادب القاضی کے مندرجات
- ⊙ اسلام میں نیم عدالتی ادارے
- ⊙ تقابلی مطالعہ قانون کا علم
- ⊙ علمی قواعد فقہیہ
- ⊙ علم اشباہ ونظائر
- ⊙ علم فروق اور علم اشباہ ونظائر

پانچواں خطبہ: تدوین فقہ اور مناہج فقہاء

یہ خطبہ مؤرخہ: 01 اکتوبر، 2004 کو دیا گیا

اس خطبہ میں تدوین فقہ اور مناہج فقہاء کے موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فقہ اسلامی کے عنوان سے یہ عظیم الشان کام کن حالات میں اور کس طرح انجام پایا۔کن شخصیات کے ہاتھوں یہ کارنامہ دنیا نے دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے وہ کون کون سے بندے تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور بے پایاں توفیق ورحمت سے اُمت مسلمہ کو آئندہ ہزاروں سال کے لئے ایک ایسا ذخیرۂ رہنمائی فراہم کیا جس کی اساس اور بنیاد قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی:

- تدوین فقہ اور مناہج فقہاء
- فقہ اسلامی دور صحابہ میں
- صحابہ کرام میں فقہی اختلاف اور اس کے اسباب
- فقہ اسلامی پر صحابہ کرام کے مزاج اور ذوق کا اثر
- فقہ اسلامی عہد تابعین میں
- فقہی مسالک کا ظہور

چھٹا خطبہ: اسلامی قانون کے بنیادی تصورات

(یہ خطبہ مؤرخہ: 02 اکتوبر، 2004 کو دیا گیا)

- اس خطبہ میں اسلامی قانون کے بنیادی تصورات کی وضاحت کرتے ہوئے اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اسلامی قانون کے بنیادی تصورات سے مراد وہ بنیادی اصول ومبادی ہیں جو فقہ اسلامی کے تمام شعبوں میں کار فرما ہیں اور ان شعبوں کے بہت سے احکام کو منضبط کرتے ہیں۔ فقہ اسلامی کے قریب قریب تمام شعبوں میں ان اصولوں اور تصورات کی بنیاد پر بہت سے احکام دیئے گئے ہیں۔ ان تصورات کی حیثیت ایسے بنیادی ستونوں کی ہے جن پر فقہ اسلامی کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے۔
- ان بنیادی تصورات کی حیثیت کئی اعتبار سے ایسے رہنما اصولوں کی ہے جن کو اسلامی شریعت نے ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے۔ فقہ اسلامی میں جتنے فتاویٰ، اجتہادات اور احکام بیان ہوئے ہیں ان کی ترتیب اور استنباط میں فقہائے اسلام نے ان اصولوں اور تصورات کو پیش نظر رکھا ہے۔
- بنیادی تصورات کی تعداد بہت زیادہ ہے اُن میں زیادا اہم ''تصور حق''، (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد) ہے فقہ اسلامی میں بیشمار مسائل واحکام کی بنیاد ''تصور حق'' پر ہے۔ اسی طرح ''تصور مال'' ہے، بہت سے فقہی احکام کی بنیاد کا دارومدار ''تصور مال'' پر ہے۔ ''تصور ملکیت'' بھی ایک اہم بنیادی تصور ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مال میں تصرف کا حق انسان کو ملکیت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ انسان چونکہ مالک سمجھا جاتا ہے، اس لئے ملکیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملکیت سے کیا مراد ہے؟ ہر چیز کی اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، انسان کو حق انتفاع کی وجہ سے مجازاً مالک کہا جاتا ہے، حصول مال سے متعلق بہت سے مسائل واحکام کا تعلق ''تصور ملکیت'' سے ہے

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- تصور حق
- تصور مال
- مال کی اقسام
- مال کے بارے میں عمومی ہدایات
- مال میں تصرف کی حدود
- تصور ملکیت
- تصور عقد
- تصور اہلیت
- تصور ضرر ضمان، عموم بلوی اور غرر۔

ساتواں خطبہ: مقاصد شریعت اور اجتہاد

(یہ خطبہ مؤرخہ: 04 اکتوبر، 2004 کو دیا گیا)

- اس خطبہ میں مقاصد شریعت اور اجتہاد کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے۔ مقاصد شریعت اور اجتہاد، بظاہر دونوں الگ الگ مضامین ہیں۔ لیکن ان میں ایک بڑی گہری معنوی مناسبت پائی جاتی ہے۔ مقاصد شریعت سے مراد وہ بنیادی مقاصد اور اہداف ہیں جو اسلامی شریعت کے جملہ احکام میں بالواسطہ یا بلا واسطہ پیش نظر رہتے ہیں۔ مقاصد شریعت پر غور وخوض اور اس کے مختلف پہلوؤں کے مطالعہ کا آغاز اسی دن ہوگیا تھا جس دن اسلام کے احکام نازل ہونا شروع ہوئے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے احکام کی حکمتیں بیان فرمائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان حکمتوں پر غور کیا اور بہت سے موتی دریافت کئے۔ صحابہ کرام کے اقوال وارشادات اور فتاویٰ میں ان حکمتوں کے بارے میں قیمتی اشارے ملتے ہیں۔ شریعت اسلامی جو انسان کی کامیابی اور کامرانی کا واضح، کھلا، آسان اور دوٹوک راستہ ہے۔ جو انسان کو اس کی منزل مقصود تک کامیابی کے ساتھ پہنچا دیتا ہے۔ جو انسان کو حقیقی زندگی کے مصدر او رماخذ تک لے جانے کا واحد ضامن ہے۔ اس کے احکام میں کیا حکمتیں اور کیا مصلحتیں پنہاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ احکام کیوں دیئے ہیں؟ اس پر مسلمان روز اول سے غور وخوض کر رہے ہیں۔
- ہمیں شریعت کے احکام صرف اس لئے ماننے چاہئیں کہ اللہ جلّ شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احکامات کو ماننے کا حکم دیا ہے۔ ان احکام کی حکمتوں کو جاننا یا نہ جاننا ایمان اور شریعت پر عمل درآمد کی شرط نہیں

۔اگر ہم کسی حکم حکمت کو نہ جانے تب بھی ایمان لانا ہماری ذمہ داری ہے اور شریعت کے احکام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ہمارا فریضہ ہے۔اور اگر ہم حکمت جانتے بھی ہوں تو اس سے ہمارے پیش نظر ایمان میں مزید اضافہ ،پختگی اور شریعت کے احکام پر اطمینان قلبی سے عمل درآمد ہی مقصد ہونا چاہئے

⊙ حکمت کی معرفت اور مصلحت کی دریافت ایمان کی پیشگی شرط نہیں ہے۔ یہ مفروضہ بالکل غلط اور خلاف شریعت ہے کہ اگر شریعت کی کوئی حکمت ہماری سمجھ میں آجائے اور ہماری عقل شریعت کی حکمت کو تسلیم کرلے تو ہم شریعت کو مانیں گے۔اور اگر ہماری عقل نے شریعت کی حکمت کو قبول نہ کیا تو ہم نہیں مانیں گے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

⊙ مقاصد شریعت کا مطالعہ کیوں؟

⊙ کیا ہر حکم شرعی مبنی بر مصلحت ہے؟

⊙ حکمت شریعت پر اہم کتابیں

⊙ شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد

⊙ مقاصد شریعت کی تین سطحیں

⊙ حکمت تشریع کے اہم اصول

⊙ اجتہاد اور مأخذ شریعت

⊙ اجتہاد اور صحابہ کرام

⊙ صحابہ کرام کے بعد اجتہاد

⊙ اجتہاد کی متعدد سطحیں

آٹھواں خطبہ: اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون

یہ خطبہ مؤرخہ:05 اکتوبر، 2004 کو دیا گیا

اس خطبہ میں اسلام کے دستوری اور انتظامی قانون کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے۔جس میں اسلام کے دستوری اور انتظامی قانون کے بنیادی تصورات ،حکمت اور مقاصد کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔فقہ اسلامی ایک بحر ناپیدا کنار ہے اور اس کے بہت سے موضوعات اور ذیلی شعبے ہیں جن میں ہر ایک اپنی جگہ بہت اہم ہے،لیکن اس خطبہ میں صرف تین اہم ترین موضوعات (اسلام کا دستور اور انتظامی قانون، اسلام کا فوجداری قانون اور اسلام کا قانون تجارت ومعیشت) میں سے ''اسلام کا دستور اور انتظامی قانون'' پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ تینوں شعبے انتہائی اہمیت رکھتے ہیں اور دور جدید کے سیاق وسباق میں ان تینوں شعبوں کے بارے میں بہت سے شبہات اٹھائے جاتے ہیں۔اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ بھی عموماً انہی تین شعبوں کے

بارے میں ہوتی ہیں۔اسلامی شریعت ایک فطری نظام قانون ہے، یہ انسان کی تمام جائز اور فطری ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھتی ہے۔اس میں انسانی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ انسان کے طبعی رجحانات کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔اور انسانوں کے تمام جائز اور معقول تقاضوں کی تکمیل کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔لیکن ضروریات کی تکمیل اور تقاضوں کو پورا کرنے کا یہ سامان ایک اعتدال اور توازن کے انداز میں کیا گیا ہے۔اس خطبہ میں ''اسلام کا دستور اور انتظامی قانون'' کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے خوبیوں، خصوصیات اور امتیازات کی نشاندہی کی گئی ہے۔اس کے ساتھ دنیا کے دوسرے مہذب معاشروں کے دساتیر اور انتظامی قوانین کا اسلام کے دستور اور انتظامی قانون کے ساتھ تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- بنیادی تصورات،حکمت،مقاصد
- تصور خلافت
- اللہ تعالیٰ کی حاکمیت
- اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض
- تشکیل امت: اسلام کا ہدف اولین
- ریاست کی ضرورت
- جمہور کا اختیار حکمرانی
- شریعت کی بالادستی اور شوریٰ

نواں خطبہ: اسلام کا قانون جرم وسزا

(یہ خطبہ مؤرخہ: 06 اکتوبر، 2004 کو دیا گیا)

اس خطبہ میں اسلام کے قانون جرم وسزا کے بارے میں مفصل گفتگو کرتے ہوئے اسلام کے قانون جرم وسزا کی حکمت، مقاصد، طریقہ کار اور بنیادی تصورات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

اس خطبہ میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ آج کے دور میں اسلامی شریعت کے جن احکام کو بہت زیادہ غلط سمجھا جاتا ہے اور جن کے بارے میں مشرق ومغرب میں بہت سی منفی باتیں کہی جارہی ہیں جن سے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ متاثر ہو رہا ہے، ان میں اسلام کا قانون جرم وسزا بھی شامل ہے۔

اسلام کے قانون جرم وسزا کے بارے میں جو بے بنیاد خیالات مغرب میں پھیلائے گئے ہیں اور جن سے مغرب کے علاوہ مشرق میں بھی ایک بہت بڑا طبقہ متاثر ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں سزائیں بہت ہی وحشیانہ اور

ظالمانہ ہیں۔اسلام کی سزاؤں اورفوجداری قانون کے احکام میں معاشرتی اوراقتصادی حقائق اورانسانی نفسیات ومزاج کالحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

اسلام کے قانون جرم وسزا کے بارے میں پائے جانے والے بے بنیادشکوک وشبہات،غلط فہمیوں اوران کے اسباب کوعقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں مدلل جوابات دیتے ہوئے وضاحت کی گئی ہے کہ اس طرح شکوک وشبہات کی اصل وجہ اسلامی شریعت سے عدم واقفیت اوراسلام کے بارے میں پایا جانے والا روایتی عناد ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- حکمت،مقاصد،طریقہ کار،بنیادی تصورات
- اسلام کےفوجداری قانون کے بارہ میں اہل مغرب کے خیالات
- غلط فہمیوں کے اسباب
- اسلام ایک طرز حیات ہے
- مقاصد شریعت اوراسلام کا فوجداری قانون
- حقوق اللہ اورحقوق العباد
- جرائم حدود
- تصور قصاص
- دیت کےضروری احکام
- سزاؤں کے نفاذ میں خودساختہ نرمی
- برائی کی غیرضروری تشہیر
- قتل کی قسمیں
- عاقلہ کا تصور

دسواں خطبہ: اسلام کا قانون تجارت ومالیات

(یہ خطبہ مؤرخہ:07اکتوبر،2004 کودیا گیا)

اس خطبہ میں اسلام کے قانون تجارت ومالیات کی حکمت،مقاصد،طریقہ کار،بنیادی تصورات کے بارے میں مفصل گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کی گئی ہے کہ اس جدید دور میں یہ شعبہ بجا طور پر انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔اس دورِ جدید میں اسلامی احکام وقوانین کے نفاذ میں جومشکلات ہیں وہ سب سے زیادہ اسلام کے قانون تجارت ومالیات کے شعبہ میں پیش آرہی ہیں۔

اس کی بہت سی وجوہات میں سے اہم اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تجارت و مالیات کا نظام موجودہ دور میں بہت پیچیدہ ہو گیا ہے، اور اس سے مختلف قوتوں کے بے شمار مفادات وابستہ ہو گئے ہیں۔

گذشتہ تین سو سال کے عرصہ میں اہل مغرب نے دنیا کی معاشیات اور مالیات کا ایک ایسا پیچیدہ نظام تشکیل دیا ہے جس کی بنیاد سود اور ربوٰ پر ہے۔ سود اور ربوٰ کے نظام کو فروغ دینے، اس کو پروان چڑھانے اور بعض مخصوص قوتوں کے مفادات کی تکمیل کرنے کے لئے دنیائے مغرب نے ایک ایسا نظام تشکیل دیا ہے جسے آزاد معیشت اور آزاد منڈی کا نظام کہا جاتا ہے۔

جب تک ان مفادات کو ختم کر کے انتہائی جرأت، ہمت آزادانہ رویہ اور راست فکری کے ساتھ ان احکام کو نافذ نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک نفاذ شریعت کے معاملہ میں پیش رفت انتہائی مشکل اور دشوار کام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے عمدہ طریقہ سے اور محققانہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے، مغربی نظام معیشت کا ناقدانہ تجزیہ پیش کیا ہے اور اس کے مقابلے میں اسلام کے قانون تجارت و مالیات کی خصوصیات اور امتیازات کو نمایاں کیا ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- حکمت، مقاصد، طریقۂ کار، بنیادی تصورات
- دورِ جدید کا پیچیدہ و مالیاتی اور معاشی نظام
- فقہ اسلامی: ایک متکامل اور مربوط نظام
- مال و ملکیت کا اسلامی تصور
- سب کے لیے یکساں قانون
- دولت کی گردش
- حدودِ شریعت کے اندر تجارت
- تقسیم دولت
- محرمات تجارت
- باہم متعارض کاروبار
- تصرف فی ملک الغیر

گیارہواں خطبہ: مسلمانوں کا بے مثال فقہی ذخیرہ

(یہ خطبہ مؤرخہ 08 اکتوبر، 2004 کو دیا گیا)

اس خطبہ میں مسلمانوں کے بے مثال فقہی ذخیرہ کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں فقہائے اسلام کی فقہی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر آج جو وسیع فقہی ادب تیار کیا ہے، اس کی حدود کیا ہیں؟ اس میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں۔ کتنی غیر معمولی اور عالمانہ کتابیں اس ذخیرہ میں موجود ہیں؟ اور اس فقہی ذخیرہ سے استفادہ کرنے کا عمومی طریقہ کیا رہا؟۔

یہ ایسا فقہی ذخیرہ ہے جو لاکھوں کتب پر مشتمل ہے، ان کتب کی تیاری میں نسل انسانی کے بہترین دماغوں نے نے حصہ لیا ہے۔ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اپنے ماضی سے مربوط نہ ہو، حال کے مسائل کا براہ راست جواب نہ دیتی ہو اور مستقبل کے لئے بنیاد فراہم نہ کرتی ہو، ان میں سے کوئی کام خلاء میں نہیں ہوا۔ یہ سارا کام ایک مربوط پروگرام کا ایک حصہ ہے جس کی جڑیں قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فقہ اسلامی کے تنوع اور وسعت، فقہ کی تشکیل، فقہائے اسلام اُمہات الکتب، متون، شروحات اور اُن کے مؤلفین کا تعارف پیش کیا ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کرتے ہوئے ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے

- فقہ اسلامی کا تنوع اور وسعت
- ایک ''کاسموپولیٹن فقہ'' کی تشکیل
- امہات مذہب
- متون وشروحات
- فقہ اور عقلیات
- فقہ حنفی کے اہم متون
- فقہ مالکی کی اہم کتابیں
- فقہ شافعی اور فقہ شافعی کے متون
- فقہ حنبلی اور فقہ حنبلی کے اہم متون
- فقہ حنبلی کے دو اہم متجددین
- فقہ ظاہری
- کتب فتاویٰ
- تقابلی مطالعہ فقہ

بارہواں: فقہ اسلام جدید دور میں

(یہ خطبہ مؤرخہ:09 اکتوبر، 2004 کو دیا گیا)

اس خطبہ میں اسلامی فقہ کی جدید دور میں ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر دنیائے اسلام کی آئندہ زندگی کا نقشہ ان کی اپنی آرزوں اور تمناؤں کی روشنی میں تشکیل پانا ہے؟ اگر مسلم ممالک کی آئندہ سیاسی زندگی خودمختار آزاد اور باعزت مستقبل پر مبنی ہے، اور یقیناً ایسا ہی ہے تو صرف اور صرف ایک بنیاد پر ممکن ہے وہ یہ کہ مسلمان شریعت اسلامیہ کے بارے میں اپنے عمومی رویہ پر نظر ثانی کریں۔

ڈاکٹرؒ صاحب نے بڑے عمدہ طریقہ سے اُمت مسلمہ کو یہ پیغام دینے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جدید دور کی ضروریات اور تقاضوں کو مدنظر رکھ کر فقہ اسلامی کا فہم از سرنو حاصل کریں اور اس رشتہ گم گشتہ کو بازیاب کریں جس کا تعلق گزشتہ کئی سوسالوں سے یا تو ٹوٹ گیا ہے یا کمزور پڑ گیا ہے۔ جدید دور میں مسلمان یا تو اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں یا اپنے دینی اور اسلامی تشخص کی حفاظت کے لئے عمل پیرا ہیں اور یا مختلف غیر اسلامی مغربی اور مشرقی تصورات کی بالادستی کے خلاف دنیائے اسلام کے اصل افکار ونظریات کے احیاء کے لئے کوشاں ہیں۔

اس ساری صورتحال میں جو چیز اُمت مسلمہ کی زندگیوں کو نئی تشکیل عطا کر سکتی ہے وہ فقہ اسلامی کا نیا فہم ہے۔ فقہ اسلامی کے نئے فہم سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ نیا فہم ماضی کے فہم سے مختلف ہوگا، یا اکابر فقہائے اسلام کے فہم وبصیرت پر عدم اعتماد کا غماز ہوگا۔ ایسا بالکل نہیں! بلکہ یہ فہم ماضی کے فہم کا تسلسل ہوگا، یہ فہم صدر اسلام کے ائمہ مجتہدین کے فہم کا تسلسل اور احیاء ہوگا جس انداز سے اسلام کے ابتدائی چار پانچ سوسال میں فقہ اسلامی نے ان کی رہنمائی کی اسی انداز میں فقہ اسلامی مسلمانوں کے مستقبل کے لئے رہنمائی کرسکتی ہے۔

اہم نکات:

اس خطبہ میں درج ذیل اہم نکات کی وضاحت کی گئی ہے اور ان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے:

- فقہ اسلامی کے لئے نئے فہم کی ضرورت
- فقہ اسلامی بیسویں صدی کے آغاز میں
- فقہ اسلامی کی تدوین اور ضابطہ بندی
- مجلۃ الاحکام العدلیہ کی تدوین

⊙ بیسویں صدی میں مطالعۂ فقہ کی ایک نئی جہت

⊙ فقہ اسلامی کے از سر نو مطالعہ کی ضرورت

⊙ فقہ اسلامی کا نیا دور

⊙ فقہی تصانیف کا نیا انداز

⊙ فقہی مسائل پر اجتماعی غور وخوض

⊙ ایک جامع فقہ کا ظہور

⊙ فقہی تصانیف کا نیا انداز

⊙ ریاست کی عدم مرکزیت اور اس کے نتائج

⊙ آج کے دو بڑے چیلنج

⊙ فقہ اسلامی کی نئی کتابیں

امتیازات وخصوصیات:

زیر نظر کتاب ''محاضراتِ فقہ'' کی اہم امتیازی خصوصیات جو اس کتاب کو دیگر تصانیف سے ممتاز کرتی ہیں درج ذیل ہیں:

1- یہ خطبات فقہ اسلامی کے مطالعہ کے حوالہ سے جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کی زندگی بھر مطالعہ کا حاصل اور نچوڑ ہیں جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ کے طور پر کام دیں گے۔

2- ''محاضراتِ فقہ'' کا طرز تحریر عام کتابوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ کتاب ڈاکٹر صاحبؒ کے اُن لیکچرز کا مجموعہ ہے جو مختصر نوٹس اور اشاروں کو سامنے رکھ کر زبانی دیے گئے تھے۔

3- ہر خطبہ کے آخر میں شرکاء کی جانب سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات اور تبادلہ خیال کو کتابی شکل میں قلمبند کیا گیا ہے۔

4- ان خطبات کی ابتدائی اور اولین مخاطب راولپنڈی اور اسلام آباد میں درس قرآن کے حلقوں سے وابستہ خواتین اساتذہ تھیں۔

5- زیر نظر کتاب زبان وبیان، بحث وتمحیص، تحقیق وتدقیق اور اسلوبِ بیان وتالیف، بحث وتمحیص، انتخاب

اور تحقیق، جمع وترتیب، اور منفرد اسلوبِ بیان وتالیف، جمع وترتیب کی جدت کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحبؒ کا منفرد اندازِ استنباط، امتیازات سے مزین منفرد اور ممتاز ہے۔

6- ان خطبات کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری یقیناً آپ کی ان منفرد صلاحیتوں کی شہادت دے گا۔ڈاکٹر صاحبؒ کا تعلق چونکہ حنفی فقہ سے ہے اِس بنا پر اُن کے مسلک کی ترجمانی کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔

7- اس مجموعہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اردو زبان میں فقہ اسلامی سے متعلق معلومات کو جامع اور نئے انداز کے ساتھ پیش کیا گیا ہے راقم کی معلومات کی حد تک اس لحاظ سے اردو زبان میں لکھی جانے والی یہ اوّلین کتاب ہے۔

8- اس مجموعہ کی ایک اہم اور منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ فقہ اسلامی سے متعلق معلومات کو جامع اور نئے انداز کے ساتھ سلیس اردو، عام فہم اور آسان اردو زبان میں پیش کیا گیا ہے جس سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بآسانی استفادہ کرسکتا ہے۔

مقاصد:

ان خطبات کا مقصد فقہ اسلامی کے تمام موضوعات ومندرجات کا احاطہ کرنا نہیں ہے۔ان خطبات کا مقصد صرف یہ تھا کہ ان خواتین وحضرات کو جنہوں نے مطالعہ قرآن مجید کے درس وتدریس کو اپنی زندگی کا بنیادی مشن اور اپنی سرگرمیوں کا نقطۂ ارتکاز قرار دیا ہے۔ وہ اور دیگر عام مسلمان جو زندگی کی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے فقہ اسلامی کے بارے میں آگہی حاصل نہیں کر سکتے، ان کو فقہ اسلامی سے اس طرح متعارف کرادیا جائے، کہ وہ فقہ اسلامی کی ہمہ گیریت، گہرائی، گیرائی اور بنیادی خصوصیات سے واقف ہوجائیں۔

ڈاکٹر صاحبؒ خطبات کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان خطبات کا مقصد فقہ اسلامی کے موضوعات ومندرجات کا احاطہ کرنا نہیں ہے۔اس لئے کہ بارہ خطبات تو کیا بارہ سال میں بھی کوئی شخص فقہ اسلامی کی وسعتوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔یہ ایک ایسا بحر ناپیدا کنار ہے کہ جس کی گہرائیوں اور پنہائیوں کا اندازہ انہی لوگوں کو ہوسکتا ہے جو اس دریا کے شناور ہیں۔

ان خطبات کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان خواتین وحضرات کو جنہوں نے مطالعہ قرآن مجید کو اپنی زندگی کا بنیادی مشن اور تدریس قرآن کو اپنی سرگرمیوں کا نقطۂ ارتکاز قرار دیا ہے،اور جو قرآن مجید کے درس وتدریس میں بالفعل مصروف ہیں ۔فقہ اسلامی سے اس طرح متعارف کرادیا جائے کہ وہ فقہ اسلامی کی ہمہ گیریت، گہرائی، گیرائی اور بنیادی خصوصیات سے واقف ہوجائیں''(4)

جائزہ وسفارشات:

جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ ''محاضراتِ فقہ'' کا طرزِ تحریر عام کتابوں کی طرح نہیں ہے، بلکہ یہ کتاب ڈاکٹر صاحبؒ کے اُن لیکچرز کا مجموعہ ہے جو مختصر نوٹس اور اشاروں کو سامنے رکھ کر زبانی ہی دیے گئے تھے۔ بہت سی خصوصیات کے باوجود اگر اس مجموعہ میں درج ذیل ترامیم کردی جاتیں یا کرادی جائیں تو بلاشبہ اپنے موضوع کے حوالہ سے یہ کتاب نہ صرف معلومات کا خزانہ ثابت ہوگی بلکہ تحقیق کرنے والے اسکالرز حضرات کے لیے اہم رہنماء اصول کا کام دے گی:

1- کتاب میں بیان کردہ قرآن وسنت سے استنباط کردہ دلائل، فقہی اصول، قواعد فقہیہ، فقہی عبارات کو اصل کتب سے مراجعت کر کے تخریج اور تدوین جدید کے ساتھ مرتب کیا جائے۔

2- موجودہ صورت میں چند آیات کریمہ کے علاوہ کسی آیت کا پوری کتاب میں کہیں بھی کوئی ایک حوالہ بھی نہیں دیا گیا۔

3- تقریباً کتاب کے ہر صفحہ پر کوئی نہ کوئی آیت کریمہ، متن حدیث، فقہاء کے اقوال، فقہی عبارات، فقہی اُصول وغیرہ موجود ہیں جنہیں حوالہ جات کے ساتھ مزین کرنا ضروری ہے۔

4- اکثر حوالہ جات تو ایسے ہیں جنہیں کوئی محقق محنت کر کے دریافت کرسکتا ہے البتہ کچھ ایسے حوالہ جات ہیں جنہیں شاید ڈاکٹر مرحوم کے علاوہ کسی اور محقق کے لیے تلاش کرنا خاصا مشکل ہو۔

5- بعض دفعہ قرآنی آیت یا متن حدیث کی عربی عبارت دینے کے بجائے صرف اردو ترجمہ نقل کرنے پر اکتفاء کیا گیا۔

6- اکثر مقامات پر بغیر حوالہ کے قرآنی آیت یا حدیث کا عربی متن بھی دیا گیا ہے۔ تمام آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کو اعراب کے ساتھ باحوالہ ترتیب دیا جائے۔

7- جہاں کہیں قرآنی آیت یا حدیث کا عربی متن دیا گیا ہے۔ وہاں نہ تو قرآنی آیات پر اعراب موجود ہیں اور نہ احادیث کی عبارات پر۔

اس طرح مثالیں تقریباً ہر صفحہ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں بطور مثال چند مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے مقالہ نگار نے اصل ماٰخذ سے استفادہ کرتے ہوئے حوالہ جات بھی درج کردیے ہیں۔

1- حمورابی قانون کی تاسیسِ تاریخ کے حوالہ سے اہم اور تاریخی معلومات دی گئی ہیں لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا گیا(5)

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے زمانہ میں مرتب ہونے والا یہودی قانونِ روما، اس کے مرتب اور تاریخ تاسیس کے حوالہ سے اہم اور تاریخی معلومات بغیر کسی حوالہ کے دی گئی ہیں(6)۔

3-فقہ اسلامی اور قانون روما کے درمیان تقابل کراتے ہوئے مہر اور اسلام کے قانون وراثت کے حوالہ سے بنیادی معلومات (''فقہ اسلامی کے احکام کی رو سے مہر شوہر کے ذمہ ہوتا ہے جبکہ قانون روما میں مہر بیوی ادا کرتی تھی'') بغیر حوالہ فراہم کی گئیں ہیں۔(7)

4- فقہ اسلامی کی تعریف : اَلْفِقْهُ هُوَالْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعِلْمِيَّةِ الْمُكْتَسَبَةِ مِنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيلِيَّةِ(8) کا حوالہ نہیں دیا گیا(9)۔

5- فقہ اسلامی کا ایک اہم اصول بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:''یہ وہ حصہ ہے جس کے بارے میں فقہ کا اصول ہے : **المسلم ملتزم أحكام الإسلام حيثما يكون** یعنی کہ مسلمان جہاں بھی ہو وہ احکام اسلام کا پابند ہے''(10)۔اس اہم اصول کا حوالہ نہیں دیا گیا(11)۔

6- فقہ اسلامی کے آغاز وارتقاء کے حوالہ سے بحث کرتے ہوئے علامہ محمود بن احمد بدرالدین عینی نے البنایہ میں لکھا ہے(12)''اگر کوئی شخص سفر پر جارہا ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو،لیکن ہمراہی کے پاس پانی موجود ہو تو کیا اس کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ ہمراہی سے پانی مانگے اور وضو کرے؟ یا وہ تیمّم کر کے کام چلائے''۔اس اہم مسئلہ کا حوالہ موجود نہیں ہے(13)

7- علم اصول فقہ کے آغاز کے عنوان کے تحت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:''سیدنا عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک صاحب آئے اور عدت کا ایک مسئلہ پوچھا۔قرآن پاک میں عدت کے بارے میں تین آیات آئی ہیں''(14)۔اس جگہ نہ قرآنی آیات کا حوالہ موجود ہے اور نہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہادی قول کا کوئی حوالہ ذکر کیا گیا ہے(15)۔

8- اصول فقہ کے مناہج واسالیب پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:''ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یہ علم اصول کے چار بنیادی ستون ہیں۔وہ کتابیں یہ ہیں''(16)۔

کتاب المعتمد کتاب البرہان المستصفی کتاب العہد۔

اس جگہ نہ صرف کوئی حوالہ موجود نہیں بلکہ کتابوں کے نام بھی نامکمل ذکر کیے گئے ہیں(17)

9- آزادی ومساوات کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے دو اہم واقعات ذکر کئے ایک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے ایک گورنر کو اس کے بیٹے کی ایک غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے؟ جب کہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کا تفصیلی واقعہ ذکر کیا، جس میں خلیفہ ہارون الرشید نے امام مالکؒ سے کہا تھا کہ آپ شاہی دربار میں آ کر مامون اور امین کو الموطا پڑھائیں جواب میں امام مالکؒ نے فرمایا **العلم یؤتی و لایأتی** یعنی علم کی خدمت میں حاضر ہوا جاتا ہے علم کسی کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتا(18)۔ان دونوں اور سبق آموز واقعات کا حوالہ موجود نہیں(19)۔

10- اعتدال اور توازن کے عنوان کے تحت اسلام کے معتدلانہ اور متوازن مزاج کی تشریح کرتے ہوئے قرآن کریم اور حدیث سے استدلال کرتے ہوئے(20) آیت کریمہ اور حدیث کا حوالہ نہیں دیا(21) شریعت اسلامیہ کی خصوصیت مرونت، یعنی شریعت کے ہر حکم میں نرمی پائی جاتی ہے کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے ایک اہم فقہی قاعدہ: **الیقین لایزول بالشک** (22) سے استدلال کیا اور حوالہ نہیں دیا(23)۔

11- اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں ''امت مسلمہ کا ایک عالمگیر کردار، ایک جہانی ذمہ داری اور بین الانسانی فریضہ قرآن پاک میں جابجا بیان ہوا ہے۔اس کردار کی انجام دہی کے لئے امت مسلمہ کو وسائل درکار ہیں ان وسائل میں سے ایک اہم وسیلہ حکومت اور ریاست بھی ہے۔ جب تک ریاست اور حکومت کی طاقت میسر نہیں ہوگی امت مسلمہ بہت سے اجتماعی اور ملی کام نہیں کر سکے گی ۔اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ریاست کے ذریعہ ایسے کام لیتا ہے جو قرآن کے ذریعہ نہیں ہوسکتے''(24)۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا حوالہ موجود نہیں ہے(25)

12- فقہ اسلامی کے آغاز وارتقاء کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نزول وحی کے آغاز اور پیش آمدہ واقعات کا تفصیل سے ذکر کیا(26) مگر حوالہ جات موجود نہیں(27)۔اسی طرح مال میں تصرف کی حدود کے حوالہ سے بحث کرتے ہوئے دلائل کے طور پر جو آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ پیش کیں(28) اُن کا حوالہ موجود نہیں(29)۔اسلام کے دستوری اور

انتظامی قانون (30) کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے متعدد آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ سے استدلال کیا یہاں بھی کوئی حوالہ موجود نہیں (31)۔

13- امام محمد رحمہ اللہ کی کتابوں کا تعارف کراتے ہوئے المبسوط (32) کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا کہ ایک یہودی عالم جو عربی زبان جانتا تھا نے جب المبسوط دیکھی تو کہنے لگا: **هذا كتاب محمد كم الاصغر فكيف كتاب محمد الأكبر** (33) یہ تو تمہارے چھوٹے محمد کا حال ہے تو تمہارے بڑے محمد کا کیا حال ہوگا؟ اس واقعہ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

14- اسلام کے قانون تجارت و مالیات سے متعلق جتنی بھی آیات کریمہ، احادیث نبویہ یا فقہی اقوال پیش کئے گئے ہیں کسی کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا (34)۔

اسلام نے مال و دولت کے حصول کے جائز ذرائع مقرر کر دیے اور ناجائز ذرائع سے حصول دولت کو حرام و ممنوع قرار دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** (35). امام ابویوسفؒ کے قول (**وَلَيْسَ لِلْإِمَامِ أَنْ يُخْرِجَ شَيْئًا مِنْ يَدِأَحَدٍ إِلَّا بِحَقٍّ ثَابِتٍ مَعْرُوفٍ**، (36) حکومت کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کے جائز قبضہ سے کوئی چیز لے لے سوائے اس کے کہ وہ ثابت ہو)

اسلامی مملکت میں معاملات یعنی لین دین اور تجارت یعنی سول لاء کے قانون کا اطلاق یکساں طور پر مسلم اور غیر مسلم سب پر ہوتا ہے۔ غازی صاحب فرماتے ہیں: "فقہائے اسلام نے یہ اصول بیان کیا ہے **الذمی فی مایرجع الی المعاملات کالمسلین**" (ص: 436)۔ یہ قاعدہ اصل میں یوں ہے: **الْقَاعِدَةُ الْعَامَّةُ أَنَّ أَهْلَ الذِّمَّةِ فِي الْمُعَامَلَاتِ كَالْبُيُوعِ وَالْإِجَارَةِ وَسَائِرِ التَّصَرُّفَاتِ الْمَالِيَّةِ كَالْمُسْلِمِينَ (إِلَّا مَا اسْتُثْنِيَ مِنَ الْمُعَامَلَةِ بِالْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ وَنَحْوِهِمَا كَمَا سَيَأْتِي) . وَذَلِكَ لِأَنَّ الذِّمِّيَّ مُلْتَزِمٌ أَحْكَامَ الْإِسْلَامِ فِيمَا يَرْجِعُ إِلَى الْمُعَامَلَاتِ الْمَالِيَّةِ** (37)۔

قرآن کریم نے سد ذریعہ کا اصول بیان کیا جس پر فقہائے اسلام نے بڑے تفصیلی احکام مرتب کئے ہیں۔ وہ اصول سے مستنبط ہے: **وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ** (38)(**الأنعام**: 108). سد ذریعہ کی دوسری مثال فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا:

قَالَتْ عَائِشَةُ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ،

لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ، وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ(39)، اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تمہاری قوم اسلام کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جائے گی تو میں کعبہ کو دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر استوار کرتا۔

دولت کی گردش کے بارے میں قرآن کریم نے جو اصول دیا وہ یہ ہے کہ اسلام مال و دولت کی جسد ملی کے لئے خون کی طرح ضروری سمجھتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً م بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾(40) تا کہ مال و دولت صرف تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے، سب کے درمیان گردش کرے۔

قتل عمد، قتل خطاء اور قتل شبہ عمد کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کا قول کا صرف ایک لایبطل دم فی الإسلام. (ص:450) جملہ نقل کیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کا مکمل قول اس طرح ہے۔

وقال علی أيما قتيل وجد بفلاة من الأرض فديته من بيت المال لكيلا يبطل دم فی الإسلام وأيما قتيل وجد بين قريتين فهو علی أسفهما يعنی أقربهما(41)

دو الگ الگ اور مختلف باہم متعارض کاروباروں کو اس طرح آپس میں ملا دیا جائے کہ دونوں کے مفادات ایک دوسرے کے تابع ہو جائیں ایک دوسرے پر موقوف ہو جائیں یہ جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے کاروبار کی ممانعت فرمائی ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ۔(ص:448)(42)

تصرف فی ملک الغیر کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا: لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نَهَى عَنْ رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ (43) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کا نفع لینے سے منع فرمایا جس کا ضمان (RISK) آپ کے ذمہ نہ ہو۔

شریعت اسلامیہ نے کاروبار اور لین دین کے معاملات میں ایسے کاروباری حربوں کو حرام و ناجائز قرار دیا جن کے ذریعے آدمی چاپلوسی یا مکاری کے ذریعے دوسروں کو متاثر کر دے، بعض اوقات لوگ اتنے تیز، طرار اور چالباز ہوتے ہیں کہ سیدھے سادے آدمی کو متاثر کر دیتے ہیں، اس فنکاری کو حدیث شریف میں ''خِلابة'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک صحابی جنہیں خرید و فروخت کے معاملہ اکثر دھوکہ ہو جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی مجبوری کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم آئندہ جب بھی کوئی چیز خرید و فروخت کرو تو کہا کرو:

کہ میں کسی دھوکہ سے متاثر نہیں ہوگا اور مجھے اس معاملہ میں تین دن فیصلہ کا اختیار ہوگا اگر میں چاہوں تو تین دن کے اندر اس کو واپس کرسکتا ہوں۔ڈاکٹر صاحب نے ''لاخلابة ولی الخیار ثلاثة ایام'' کے الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے یہ الفاظ مرقاۃ المفاتیح اور العرف الشذی (44) میں موجود ہیں جب کہ حدیث شریف کے بنیادی متون میں یہ حدیث (عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنِّي أُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ ، فَقَالَ :إِذَا بِعْتَ فَقُلْ :لاَ خِلاَبَةَ.وَأَنْتَ بِالْخِيَارِ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ) (45) ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

حواشی وحوالہ جات

(1) محسن علم وآگہی، بالغ نظر اور دقیقہ رس محقق، بہترین صاحب قلم مختلف زبانوں میں تدریس وخطابت کے شہسوار علامہ ڈاکٹر حافظ محمود احمد غازی بروز اتوار 26 شوال 1431 ہجری بمطابق 26-09-2011 بعمر 60 سال اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، اسی دن ظہر کی نماز کے بعد اسلام آباد کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں لائی گئی۔

(2) ماہنامہ البلاغ، دارالعلوم کراچی، جلد 45: شمارہ:12 ذی الحجہ، 1431 ہجری رنومبر 2010ء، ص:7

(3) غازی، ڈاکٹر حافظ محمود احمد، محاضراتِ فقہ کی خصوصیات وامتیازات، ص:8، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور، 2005۔

(4) محاضراتِ فقہ کی خصوصیات وامتیازات، ص:8۔

(5) محاضراتِ فقہ، ص:14

(6) محاضراتِ فقہ، ص:16-19

(7) محاضراتِ فقہ، ص:22-23

(8) الزمخشری، محمود بن عمر، (م:538ھ) الفائق فی غریب الحدیث، 3:138 دار المعرفہ بیروت، لبنان۔

ii- الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية -الكويت، 1:14، 1427 ہجری

(9) محاضراتِ فقہ، ص:36

(10) یہ اصول امام ابویوسفؒ کا بیان کردہ ہے جسے علامہ سرخسی نے نقل کیا ہے، المبسوط، شمس الدین ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی، 9:174، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، 2000ء۔

(11) محاضراتِ فقہ، ص:41، 189۔

(12) علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن اُحمد عینی نے اس مسئلہ پر مفصل بحث باب التیمم کے عنوان کے تحت کی ہے۔العینی، ابومحمد محمود بن اُحمد، البنایۃ فی شرح الہدایۃ، 1: 529 تا 553 ، دارالفکر، بیروت، 1990ء۔

(13) محاضراتِ فقہ، ص:50

(14) محاضراتِ فقہ، ص:66

(15) عدت کے حوالہ سے دوآیات کریمہ سورۃ البقرۃ: 228، 234 اور تیسری آیت سورۃ الطلاق :4 میں ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی اجتہادی رائے سنن سعید بن منصور میں ہے۔ سعید بن منصور، (م: 227ھ) سنن سعید بن منصور، 1:253، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، 1985ء۔

(16) محاضراتِ فقہ، ص:75

(17) علامہ ابن خلدون نے یہ تفصیل (ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن خلدون (م:808ھ)، مقدمہ ابن خلدون، 1:576، دارالفکر بیروت، 2001ء) نقل کی ہے۔ ان کتب کے مکمل نام یہ ہیں:

1-2- اَلمُعْتَمَد فی اُصول الفقه،

یہ کتاب ابوالحسین محمد بن علی بن الطیب البصری المعتزلی (متوفی ۴۳۶ھ) کی تصنیف ہے۔ اور المُعْتَمَد، عبدالجبار کی معروف کتاب العہد کی شرح ہے۔ ان دونوں حضرات کا تعلق معتزلہ سے تھا۔ المُعْتَمد فی اُصول الفقه، شیخ خلیل المیس کی تعلیقات کے ساتھ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، سے ۱۹۹۳ء، ۲ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔

3- البرهان فی اُصول الفقه،

اِس کتاب کے مصنف ابوالمعالی امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی الشافعی، (م:۴۸۷ھ) ہیں۔ یہ کتاب صلاح بن محمد بن عویضۃ کی تعلیقات وحواشی کے ساتھ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، سے ۱۹۹۷ء میں ۲ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔

4- المستصفیٰ من علم الاصول

المستصفی ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی (متوفی ۵۰۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر حمزہ بن زہیر کی تحقیقات کے ساتھ چار جلدوں میں دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء، میں شائع ہوچکی ہے۔ امام الحرمین اور امام غزالی کا تعلق اشاعرہ سے ہے۔

(18) محاضراتِ فقہ، ص:120، 125 تا 127

(19) پہلے واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے:

اُبوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ عبدالحکم بن اُعین القرشی المصری (م:257 ھ) فتوح مصر واُخبارہا، 1:183، دارالنشر / دار الفکر - بیروت 1996ء

دوسرے واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے:

i- اُبوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی الأندلسی (م:543ھ)، ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ أعلام مذہب مالک 1:81، دارالکتب العلمیۃ - بیروت، 1998ء

ii- عبدالحی بن أحمد بن محمد العکری الحنبلی (م:1089ھ)،شذرات الذھب فی أخبار من ذھب، 290:1،الناشر دار ابن کثیر،دمشق، 1406ھ

(20) محاضراتِ فقہ،ص:143

(21) مکمل آیت کریمہ یہ ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحديد: 27)

مکمل حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال إِنَ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِنْ الدُّلْجَةِ. بخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،باب الدین یسر،43:1 دار الطّوق النجا،بیروت،1422ھ

(22) محاضراتِ فقہ،ص:149

(23) ابن نجیم،زین الدین بن ابراہیم،(م:970)الاشباہ والنظائر علی مذھب أبی حنیفۃ النعمان، دار الکتب العلمیۃ بیروت، 1980ء

(24) محاضراتِ فقہ،ص:183 -182

(25) تفصیل کے لئے دیکھئے:

وَقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِنَّ اللَّهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْقُرْآنِ(ابن کثیر،عماد الدین أبی الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی 774)ہ، :البدایۃ والنہایۃ،301:1، ہجر للطباعۃ والنشر ، الجیزۃ 1997ء)

(26) محاضراتِ فقہ،ص:218 -220۔

(27) تفصیل کے لئے دیکھئے:العلق:۱-۵۔بخاری،ابوعبداللہ بن محمد اسماعیل صحیح البخاری،بابٌ کیف کان بدؤ الوحی،2:1 دار ابن کثیر،الیمامۃ،بیروت،1987ء۔

(28) محاضراتِ فقہ،ص:275 -279۔

(29) تفصیل کے لئے دیکھئے: الفرقان:67۔بخاری،محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،باب الدین یسر،6: 43 دار الطّوق النجا،بیروت، 1422ھ

(30) محاضراتِ فقہ،ص:352 -365۔

(31) القصص:77،النور:55،یٰس:38،الحج:41،پیش کردہ حدیث شریف پورامتن ملاحظہ

مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم -إِحْدَى صَلاَتَیِ الْعَشِیِّ إِمَّا الظُّهْرَ وَإِمَّا الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فِی رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَتَى جِذْعًا فِی قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَاسْتَنَدَ إِلَيْهَا مُغْضَبًا وَفِی الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَا أَنْ يَتَكَلَّمَا وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ قُصِرَتِ الصَّلاَةُ فَقَامَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَقُصِرَتِ الصَّلاَةُ أَمْ نَسِيتَ فَنَظَرَ النَّبِیُّ -صلى الله عليه وسلم يَمِينًا وَشِمَالاً فَقَالَ مَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ.قَالُوا

صَدَقَ لَمْ تُصَلِّ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ .فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَرَفَعَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ. قَالَ وَأُخْبِرْتُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ قَالَ وَسَلَّمَ. أبوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم، 86:2، دارالجیل بیروت + دارالآفاق الجدیدة بیروت۔

(32) محاضراتِ فقہ، ص: 484- 485۔

(33) حاجی خلیفہ، مصطفی بن عبداللہ، کشف الظنون عن اسامے الکتب والفنون، 1581:2

(34) محاضراتِ فقہ، ص: 427- 472۔

(35) النساء: 29

(36) أبو یوسف یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، 66:1، المکتبة السلفیة القاہرة، 1382ھ

(37) یہ اصول امام ابویوسفؒ کا بیان کردہ ہے جسے علامہ سرخسی نے نقل کیا ہے، المبسوط، شمس الدین أبو بکر محمد بن أبی سہل السرخسی، 151:10، دارالفکر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، 2000ء۔

ii- الموسوعة الفقہیة الکویتیة، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامیة -الکویت، 131:7، 1427ہجری

(38) (الأنعام: 108)

(39) بخاری، ابوعبداللہ بن محمد اسماعیل صحیح البخاری، باب فضل مکة، 574:2، دارابن کثیر، الیمامة، بیروت، 1987ء۔

ii- ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التمیمی، أبو حاتم، الدارمی، (م: 354 ھ)، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، 126:9، مؤسسة الرسالة -بیروت، 1993ء۔

(40) الحشر: 7

(41) ابن ہمام، أبو بکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، مصنف عبدالرزاق، باب القسامة، 35:10، المکتب الاسلامی، بیروت، 1403ھ۔

(42) ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التمیمی، أبو حاتم، الدارمی، البُستی (م: 354 ھ)، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، 347:11، مؤسسة الرسالة -بیروت، 1993ء۔

(43) طحاوی، أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبدالملک، (م: 321ھ) شرح معانی الآثار، بَابٌ مَا نُهِيَ عَنْ بَيْعِهِ حَتَّى يُقْبَضَ، 4:39، عالم الکتب بیروت، 1994ء۔

(44) القاری، نورالدین محمد علی بن سلطان، الہروی، (م: 1010ھ) کتاب البیوع، باب الخیار، الفصل الاول، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، دارالکتب العلمیة، بیروت.

محمد انورشاہ بن معظم شاہ کشمیری، العرف الشذی شرح سنن الترمذی، 67:3، موسسة ضحیٰ للنشر والتوزیع،

(45) أبو عبداللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشیبانی، (م: 241ھ) مسند أحمد بن حنبل، 61:2، عالم الکتب -بیروت، 1998ء۔

ڈاکٹر محمود غازی اور اسلام کے قانون بین الممالک کی تشریح

* ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی

ڈاکٹر محمود احمد غازی کی تحریروں سے راقم دیر سے واقف ہوا، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی کتابیں ہندوستان میں کافی تاخیر سے پہنچی ہیں اور سب تو ابھی یہاں ملتی بھی نہیں۔ بہر کیف ایک بار جب ان کی ایک کتاب پڑھ لی تو پھر ایسا شوق دامن گیر ہوا کہ ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر جو بھی کتاب ان کی یہاں ملی بالاستیعاب پڑھ ڈالی، جس میں خاص کر ان کی محاضرات سیریز ہے۔ ابھی حال ہی میں پاکستان کے سفر میں ان کی بیش قیمت تحریر خطبات بھاولپور (۲) خریدی اور اسے بالاستیعاب پڑھا۔ یہاں اسی کتاب کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ چند گزارشات پیش کروں گا۔

یہ کتاب ڈاکٹر غازی کے ۱۲ خطبوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے جامعہ بھاولپور میں دیے تھے۔ اور ان کا موضوع اسلام کا بین الاقوامی قانون یا قانون بین الممالک ہے۔ پوری کتاب میں ڈاکٹر صاحب ایک راسخ العقیدہ عالم و مفکر اور مجتہدانہ سوچ رکھنے والے مصنف کے طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ بہت سے ان مسائل پر بھی جن کے بارے میں جدید علماء و مفکرین از سرنو غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے سلف کے نقطہ نظر کی وکالت کی ہے اور وہ بھی دل نشین، عصری اور reasonable دلیلوں کے ساتھ بعض جگہوں پر وہ فقہائے متقدمین سے اختلاف بھی رکھتے ہیں۔ اور اختلاف کو بھی بڑے شائستہ، خوبصوت اور مدلل انداز میں بیان کرتے ہیں۔ بعض بحثوں پر ان کی گفتگو کو پڑھتے وقت مجھ کو بارہا محسوس ہوا کہ گویا قدرت نے سید ابوالاعلی مودودیؒ کا قلم انہیں پکڑا دیا ہے۔ بالکل وہی سیر حاصل بحث وہی عقلی و نقلی دلائل۔ اس پر مستزاد غازی صاحب کا فقہ اسلامی کا وسیع مطالعہ (ا) معتدل انداز فکر اور عصر حاضر سے بھرپور واقفیت یعنی ان کی ذات میں قدیم و جدید کا خوبصورت امتزاج ہو گیا ہے۔

اسلام کے قانون بین الممالک یعنی 'فقہ سیر' پر نئے اسلوب میں گفتگو اور تحقیق کا عمل بیسویں صدی کی ابتداء میں شروع ہوا جس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، سید ابوالاعلی مودودیؒ اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی وغیرہم نے کاوشیں پیش کیں۔ ڈاکٹر غازی کی اس کتاب کے ذریعہ 'فقہ سیر' کا تصور واضح اور اس کے عہد بہ عہد ارتقاء کا ایک اجمالی نقشہ قارئین کے سامنے

* ڈائریکٹر فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز C-303/3 شاہین باغ جامعہ نگر، نئی دہلی۔ Email: ghitreef1@yahoo.com

آجاتا ہے۔ (۲)اور چونکہ نئے حالات اور زمانی تغیرات کو سامنے رکھ کرہی اس میں گفتگو کی گئی ہے اس طرح یہ کتاب فقہ الاقلیات کے مباحث میں بھی ایک قیمتی اضافہ ہے۔

دارالاسلام اور دارالحرب:

اسلام میں بین الاقوامی لین دین یا تعلقات بین الاقوام کے اندر مسلم و غیر مسلموں کا جو فرق پایا جاتا ہے اس کا reason وہ یوں دیتے ہیں کہ:

''یہ بات انسان کے مزاج میں شامل ہے کہ وہ اپنے اور پرائے میں ہر حال میں فرق رکھتا ہے۔ جو تعلقات اپنوں سے رکھے جاتے ہیں وہ پرایوں سے نہیں ہوتے انسان کی طبیعت ایسی ہے کہ جو معاملہ وہ اپنے قریبی لوگوں سے کرتا ہے وہ اجنبی لوگوں سے نہیں کرتا'' اسلام نے بھی دین فطرت ہونے کی حیثیت سے بہت سے احکام میں اس کا خیال رکھا ہے۔'' (۳)

فقہاء اسلام نے دارالسلام اور دارالکفر جیسی اصطلاحات کیوں استعمال کیں اس کی وجہ یہ ہے کہ:

قرآن نے 'رنگ نسل اور زبان کو قومیت کی بنیاد کے طور پر قبول نہیں کیا بلکہ قرآن مجید نے نظریہ اور عقیدہ ہی کو قومیت اور امت کی اساس مانا ہے'' (۴) دارالکفر لازماً دارالحرب نہیں ہوتا بلکہ یہ تغلیباً ہے۔ یعنی فقہاء اسلام کے دور میں اسلام اور کفر میں عملا جنگ ہو رہی تھی، اور اس میں بھی اکثر اہل کفر کی جارحیت ہوتی تھی، للہذا انہوں نے اسی واقعی صورت حال کو دارالحرب سے تعبیر کر دیا۔

اس سلسلہ میں دو بنیادی غلط فہمیاں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ یہ کہ مسلمان دار الاسلام سے باہر ساری دنیا کو دشمن سمجھتے ہیں اور ہر غیر مسلم سے سدا برسر پیکار رہنا ان کا مذہبی فریضہ ہے۔ بعض فقہاء کی مجمل عبارتیں بھی اس غلط فہمی کی بنیاد بنتی ہیں مثلا کہا جاتا ہے کہ: **علاقة المسلين بغير المسلم الحرب لا الهدنة** (ملاحظہ ہو، اکرم ضیاء العمری: السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۴۴۸) یعنی غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات کی نسبت جنگ ہے صلح نہیں۔ دوسرا یہ کہ **الكفر ملة واحدة** لہذا سارے غیر مسلم ایک جیسے ہی ہیں اور دشمن اسلام ہیں۔ اس کے بارے میں غازی صاحب لکھتے ہیں:

''اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دارالحرب یا دارالکفر میں اگر مختلف نظریات اور مذاہب پائے جاتے ہیں تو ان کو تسلیم نہ کیا جائے... یا ان سب سے ایک ہی جیسے تعلقات رکھنے کو لازمی

سمجھا جائے گا۔ اس اصول کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اسلام کے دائرہ سے باہر جتنے بھی نظریات، عقائد اور فلسفے پائے جاتے ہیں اور ان کی بنیاد پر جو ریاستیں اور حکومتیں وجود میں آتی ہیں ان سب کو دار الاسلام سے الگ ایک منفرد کیٹیگری کے طور پر تسلیم کیا جائے گا۔ کہ وہاں کے مسلمان شہریوں کا برتر قانون اسلام نہیں ہے۔'' (۵)

مسلم اقلیت کا ریاست سے تعامل

اسلامی قانون پر ایک الزام اپنے اور غیر یہ لگاتے رہے ہیں کہ اس کی فقہ اسلام کے دور عروج اور زمانہ اقتدار کی پیداوار ہے۔ وہ مسلمان کو یہ تو سکھاتی ہے کہ وہ حکومت کیسے کرے مگر وہ جب محکوم ہو تو اس کا عمل کیا ہو یہ وہ نہیں بتاتی۔ یعنی Modesty کے لیے اسلام میں کوئی ماڈل نہیں ہے۔ مگر یہ الزام اس لیے غلط ہے کہ مسلم اقلیتیں ہر دور میں رہی ہیں حتیٰ کہ عہد نبوی اور عہد راشدی میں بھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈاکٹر محمود غازی نے اپنی تحقیق میں یہی بتایا ہے'' خلفاء راشدین کے زمانہ میں حبشہ کے علاوہ مسلمانوں کی ایک قابل ذکر اقلیت مختلف علاقوں میں تھی۔ اپنے اپنے ممالک کی شہریت ان کو حاصل رہی (۶) اسے مسلمانوں کی ریاست سے رسمی تعلق نہ تھا اور خود ان کے اپنے ممالک سے تعلقات کے سلسلہ میں قرآن پاک میں بنیادی ہدایتیں ہیں۔ پھر ان مسلمانوں کا تعامل بھی ملتا ہے، مثلاً حبشہ کے مسلمانوں نے حبشہ کی حکومت (عیسائی) کی طرف سے اس کے دشمنوں سے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ (۷) یہ بڑی اہم بحث ہے اور یوں اور زیادہ اہم ہو جاتی ہے کہ آج دنیا کی کل مسلم آبادی کا ایک تہائی حصہ وہ ہے جو اقلیت کے زمرہ میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبشہ ماڈل موجودہ مسلم اقلیتوں کے بحث و مباحثہ کا موضوع بننا چاہیے۔

البتہ ڈاکٹر غازی کی بعض آراء اور بیانات سے اختلاف کی پوری گنجائش ہے مثلاً حلف الفضول کے بارے میں ان کا یہ کہنا ہے کہ وہ خالصتاً بین الاقوامی نوعیت اور مقاصد کا معاہدہ تھا۔ (۸) جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس معاہدہ کا jurisditcion صرف مکہ تھا۔ یعنی مکہ کے کچھ نوجوانوں نے، جس میں ایک راویت کے مطابق فضل نام کے کئی افراد تھے، عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہو کر یہ معاہدہ کیا کہ مکہ میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے۔ اس مقامی نوعیت کی چیز کو بین الاقوامی آخر کس طرح مانا جا سکتا ہے؟

عرب سے یہود و نصاریٰ کا اخراج

جزیرۃ العرب کے بارے میں روایتیں بتاتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری لمحات میں جزیرۃ العرب سے

یہود ونصاریٰ کو دیس نکالا دینے کا حکم دیا تھا۔ **اخرجوالیھود والنصاری من جزیرۃ العرب** ،اور **لایبقی دینان فی العرب** وغیرہ الفاظ میں یہ حکم حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔بظاہر یہ اسلام کا متعصبانہ رویہ محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ:

> ''ایسا ان سے کسی تعصب ونفرت کی وجہ سے نہیں کیا گیا ان کے اخراج سے مراد یہ ہے کہ یہ علاقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسلام کا روحانی دارالحکومت ہوگا یہاں صرف توحیدی نظریہ رہے گا۔ خالص اسلامی عقیدہ کی حکمرانی یہاں قبول کی جائے گی۔ دنیا کی کئی قوموں میں اس طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں مثلا روم میں ویٹیکن سٹی میں صرف رومن کیتھولک عیسائیوں کو ہی جائداخریدنے اور مستقل آباد ہونے کی اجازت ہے کیونکہ وہ رومن کیتھولک عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز ہے اور یہیں پاپائے اعظم رہتا ہے۔ وہ اس کو اپنے دین کا مرکز سمجھ کر اسے خالص رکھنا چاہتے ہیں''۔(۹)

تاہم یہاں کہا جاسکتا ہے کہ یہ مثال sustainable نہیں ہے۔فرض کریں کہ کل ویٹیکن وہاں مسجد بنانے کی اجازت دے دے اور مکہ میں چرچ بنانے کی اجازت مانگے (جیسا کہ اس کی طرف سے یہ بات بین المذاہبی مذاکرات میں آئی ہے) تو پھر ہم کیا توجیہ کریں گے؟

پلورل سوسائٹی اور اسلام

ڈاکٹر غازی صاحب نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ تکثیری سماج کے لیے بھی اسلامی نظام ہی بہترین ماڈل فراہم کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کے رنگ، زبان، نسل اور علاقے کی بنیاد پر نہیں نظریہ وعقیدہ کی بنیاد پر طرزعمل اختیار کرتا ہے۔ جوکہ ہر انسان کے اپنے اختیار اور پسند کی بات ہے۔ یورپ کے موجودہ نظام کی بات کریں، جس کی فکری بنیادیں یونانی تصوررات، رومی مادیت پرستی، قرون وسطی کی مسیحیت، اور آخر میں Rennaissance کے الحادی افکار سے اٹھی ہیں، اس پر ان چار عناصر نے گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس لیے وہ پوری دنیا کو ایک عادلانہ اور مساویانہ نظام نہیں دے سکتے۔ اسے آپ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی پیش روانجمن اقوام میں دیکھ سکتے ہیں۔ ویٹو پاور طاقت ور یوروپی ممالک یا دنیا کی بڑی قوتوں کو دیا گیا ہے بقیہ دنیا اس سے محروم ہے۔(۱۰) اسلام میں انسانوں میں مساوات، عدل کا قیام اور ایفائے عہد کو زبردست اہمیت دی گئی۔ جس کی زریں مثالیں عہد نبوی، عہد راشدی اور بعد کی اسلامی تاریخ میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ وہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ یہ صرف وحی حق ہے جو سارے انسانوں کے

مفادات ومصالح کی رعایت رکھ سکتی ہے (اقبال کے الفاظ میں 'وحی حق بینندۂ سود ہمہ') انسان اپنے مفادات سے بالاتر ہو کر ایک عادلانہ اور یکساں قانون نہیں بنا سکتا۔ (۱۱)

قوت تنفیذ

مولانا وحید الدین خاں اور دوسروں کی تحریروں میں یہ بات باصرار اور بتاکید کہی جا رہی ہے کہ اسلام میں اصل روح ہے فارم نہیں، داخل ہے ظاہر نہیں۔ اور اسلامی قانون یا اسلامی حکومت اصلا انسان کے داخل اور اندورن سے نکلنی چاہیے باہر سے کسی قانون کی تنفیذ کارگر نہیں ہوگی۔ ڈاکٹر غازی اس تصور کی تردید کرتے ہیں ان کے مطابق اسلام میں inner sanction (ضمیر کی آواز) کے ساتھ ہی outer sanction بھی پایا جاتا ہے۔ اسلامی ریاست میں عدالتیں پولس سزائیں وغیرہ یہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لیے ہوتے ہیں۔ صرف نماز روزہ کے لیے نہیں۔ البتہ یہاں وہ پوری بصیرت سے یہ بات کہتے ہیں کہ اسلام، جس سے نفاذ کی قوت سب سے پہلے حاصل کرتا ہے، وہ مسلمانوں کی رائے عامہ کی قوت ہے اور ان کے اجتماعی ضمیر کی آواز یا شعور ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو کسی قانون پر کبھی عمل درآمد نہیں ہو سکتا۔ آج دنیا بھر میں قانون کا نفاذ ریاست کی ذمہ داری سے زیادہ عوام کے شعور واحساس سے تعلق رکھتا ہے۔ ہندوپاک وغیرہ میں عام آدمی ہر وقت قانون کو اسی لیے توڑتا ہے کہ عام آدمی کے ضمیر کی قوت مرچکی ہے۔ اور مغرب و امریکہ میں عام آدمی قانون پر عمل درآمد کو اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ ان کا inner sanction بیدار ہے۔ (۱۲)

جنگ دفاعی یا اقدامی

موجودہ زمانہ میں جنگ دفاعی ہے یا اقدامی اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور شیخ محمد ابوزہرہ جیسے بڑے علماء دفاعی جہاد کے قائل ہیں ان کے نزدیک جہاد اقدامی نہیں ہے۔ بعینہ یہی رائے غازی صاحب کی بھی معلوم ہوتی ہے۔ طبری کے حوالہ سے انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کا قول نقل کیا ہے کہ 'کاش ہمارے اور رومیوں کے درمیان آگ کا ایک ایسا سمندر حائل ہو جائے کہ نہ وہ ادھر آسکیں اور نہ ہم ادھر جا سکیں (اسوقت رومیوں سے جنگ چل رہی تھی) اور ایسے وقت میں طاقتور مسلم حکمراں کا یہ کہنا واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ کہ مسلمانوں کے مزاج میں جارحیت نہیں تھی بلکہ جارحیت کے خلاف دفاع تھا۔ تاہم ایک بار جنگ شروع ہو جائے تو اسے یک طرفہ طور پر ختم کرنا خودکشی ہے۔ اس لیے روم وایران سے جنگ چھڑ جانے کے بعد مسلمان ان دونوں سامراجوں کو ختم کیے بغیر نہیں رکے۔ (۱۳)

عالمی خلافت کا تصور:

موجودہ دور میں خلافت اسلامیہ کا احیاء ہر باشعور مسلمان کی تمنا ہے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور شامی عالم احسان سامی حقی نے اس کے لیے عملی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر غازی بھی اس کی تمنا کرتے ہیں مگر وہ بھی مذکورہ بزرگوں کی طرح عملی صورت حال کے پیش نظر یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ بالکل ضروری نہیں کہ ادارۂ خلافت کی شکل آج بھی وہی ہو جو صدر اسلام میں تھی۔ البتہ خالص مغربی طرز جمہوریت کو قبول کرنا تو مسلمان ذہن کے لیے بالکل خارج از بحث ہے۔ ڈاکٹر غازی نے لکھا ہے کہ:

> ''مسلمانوں میں ایک انتہا یہ ہے کہ ماضی میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اسی کو جوں کا توں دہرانا چاہتے ہیں۔ اس میں کسی نظر ثانی کی ضرورت نہیں۔ بلا شبہ اسلام کے مبادی، اقدار اور مسلم تشخص کے بارے میں یہ رائے درست ہے مگر جزئیات کے بارے میں درست نہیں۔ درسرا انتہا پسندانہ نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کو ماضی سے مکمل طور پر رابطہ توڑ کر رائج الوقت نظریات میں سے کسی کو قبول کرنا چاہیے۔ مسلم دنیا کے حکمرانوں نے اسی نقطہ نظر پر عمل کیا اور اس میں مسلمانوں کی مزاحمت کو شدت سے کچلا ہے۔ پہلے نقطہ نظر کی حمایتی حزب التحریر، القاعدہ اور جماعت التکفیر والہجرۃ ہے۔ (ملاحظہ ہو گیارہواں خطبہ صفحہ ۴۳۹) جب سے خلافت کا ادارہ ٹوٹا مسلمان باوجود مختلف مکاتب فکر کی پیروی کے، احیاء خلافت کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ انڈونیشیا کی تحریک آزادی کے قائد اور پہلے نائب صدر ڈاکٹر محمد حتا نے کہا تھا کہ موجودہ زمانے کی آزاد مسلم ریاستیں صوبوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے آزادانہ نظم سنبھال رکھا ہے کیونکہ کوئی مرکزی حکومت (خلافت) موجود نہیں (۱۴) ۱۹۲۵ میں مؤتمر اسلامی کانفرنس کے مندوبین کا شاہ عبدالعزیز سے احیاء خلافت کا مطالبہ ہو یا ۱۹۳۳ میں مؤتمر عالم اسلام (جس کی صدارت مفتی امین الحسینی اور نیابت اقبالؒ کر رہے تھے) یا مسلم دولت مشترکہ کے لیے اٹھی آوازیں۔ اسی طرح اقبال کے کارپوریٹ خلافت کا تصور، ۱۹۶۹ میں او آئی سی کا قیام سب اسی خواہش کا مظہر ہیں۔ حزب التحریر یا ڈاکٹر اسرار احمد کی ندائے خلافت سب اسی جذبہ کا اظہار کرتی ہیں۔ آگے ڈاکٹر صاحب نے بتدریج احیاء خلافت کے کئی اقدامات کی نشاندہی کی ہے مثلاً: (۱) مسلمانوں میں خلافت کے تصور کو مسلسل بیان کیا جائے تا کہ اس کی یاد زندہ رہے اور اس کی ضرورت کا

احساس باقی ہے(۲) مسلم ریاستوں کو زیادہ سے زیادہ قریب لایا جائے۔(۳) ہم خیال مسلم ریاستوں کا سیاسی اتحاد پیدا ہو(۴) اسی سیاسی اتحاد کو آگے چل کر دولت مشترکہ میں بدل دیا جائے۔جیسا کہ یوروپی ریاستوں نے ایک یونین بنا کر ویزے وغیرہ کی بندشیں ختم کردی ہیں۔ڈاکٹر غازی اس پر بھی زور دیتے ہیں کہ ہر مسلمان از خود دارالاسلام کا بالقوۃ شہری ہے۔پاسپورٹ اور ویزے جیسی مصنوعی چیزیں اس میں رکاوٹ نہیں بننی چاہییں۔اس کے لیے انہوں نے یہودی ریاست اسرائیل کی مثال پیش کی ہے۔(ملاحظہ ہو کتاب کا صفحہ ۴۵۰)

اگلا قدم ایک نیم وفاق (کنفیڈریشن) کا ہوسکتا ہے جو ممکن ہے آگے چل کر ایسا وفاق بنے جس کا سربراہ خلیفہ المسلمین ہو اور موجودہ اس وقت موجود مسلم ریاستیں اپنی مکمل داخلی خودمختاری اور مالی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے چند مشترکہ معاملات خلیفہ المسلمین کے سپرد کریں دیں۔(۱۵) ریاستوں کی اس داخلی آزادی اور مالی خودمختاری کے لیے انہوں نے عصرِ نبوی سے بہت سے نظائر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحریروں سے پیش کیے ہیں (ملاحظہ ہو کتاب کے صفحات ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶)

ایک اہم بحث اسلام میں اقتدار کی صحیح پوزیشن

جدید اسلامی تحریکات خاص کر جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین کے لٹریچر میں بعض ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو جدید اسلام علم کلام میں خاصی متنازعہ فیہ بن گئی ہیں۔مثلاً ان تحریکات کا کہنا ہے کہ اقتدار اور ریاست اصل ہے۔اسلامی اقتدار قائم ہونے سے ہمارے تمام مسائل حل ہو جائیں گے اور انبیاء کی بعثت کا مقصود بھی حکومت الٰہیہ کا قیام تھا۔ جماعت اسلامی اب 'حکومت الٰہیہ' کی جگہ 'اقامت دین' کی اصطلاح استعمال کرتی ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر غازی کی رائے ذرا مختلف ہے۔وہ سوال قائم کرتے ہیں کہ 'اسلام کا بنیادی اور اولین اجتماعی نصب العین کیا ہے۔کیا وہ کسی ریاست یا حکومت یا سلطنت کا قیام ہے یا وہ اس سے بڑھ کر کوئی اور بڑا اونچا نصب العین ہے۔کتاب اللہ میں پہلی سورت سے ہی جس اجتماعی نصب العین کے حصول کا ذکر کیا گیا ہے وہ امت کی تشکیل ہے ... یہ ہیئت اجتماعیہ جسے امت یا امہ کی جامع اور پرمغز اصطلاح سے یاد کیا گیا ہے اسلام کا مقصد اولین ہے۔ریاست کا قیام اسی امت کے تحفظ اور بقا کے لیے ہے۔ بالفاظ دیگر امت کی تشکیل بقا اور تحفظ بالذات مقصود (مطلوب بعینہ ہے اور ریاست کا قیام بطور وسیلہ کے ضروری (مطلوب لغیرہ) ہے۔(۱۶)

اس کے بالمقابل قرآن پاک میں واضح طور پر اور بلاواسطہ طور پر کہیں بھی کوئی ایسا حکم موجود نہیں ہے۔ جس میں مسلمانوں کو کسی ریاست کے قیام کی تلقین کی گئی ہو یا حکم دیا گیا ہو۔ ریاست کا قیام مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے اور امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ ہے۔ (۱۷)

پر امن بقائے باہم کا تصور: کے سلسلہ میں ڈاکٹر غازی کا کہنا یہ ہے کہ اسلام میں اس کی بھر پور گنجائش موجود ہے وہ ایک تکثیری سماج کی تعمیر کرتا ہے۔ اسلامی حکومت بھی اس میں مزاحم نہیں بنتی بلکہ معاون ہوتی ہے (۱۸)۔ قانون توہین رسالت کے بارے میں ان کی رائے عام رائے سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ اسی طرح مرتد کی سزا کے بارے میں بھی وہ مسلمانوں کے عام مسلک کے ساتھ ہیں ۔ (۱۹) البتہ جو دلیل وہ اور اس مسلک کے دوسرے وکیل دیتے ہیں اس میں زیادہ وزن محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ارتداد بالکل سادہ مفہوم میں ہو یعنی ریاست کے خلاف بغاوت یا سازش وغیرہ نہ ہو حتی کہ اس کا سبب امت کی مخالفت بھی نہ ہو۔ بس اس کی سادہ وجہ کوئی عقلی خلجان یا بے اطمینانی ہو تو ایسے مرتد کی سزا کس طرح وجوب قتل قرار دیں گے؟ کم از کم عقلی طور پر جو دلیلیں دی جاتی ہیں وہ مضبوط نہیں۔

مصلحت دین : ایک بہت بنیادی بات جو خاص طور پر آج کے جذباتیت پسند مسلمانوں کے لیے کافی Relivant ہے۔ یہ کہ کسی اقدام، پالیسی یا طرز عمل سے اسلام کے نظریہ پہ کیا اثر پڑتا ہے کہ کوئی شخص نظریہ اسلام سے کتنا قریب آتا ہے اور کتنا دور ہوتا ہے..... یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت میں ایسا کوئی عمل یا اقدام کسی مسلمان حکمراں کے لیے جائز قرار نہیں دیا گیا جس کے ردعمل میں لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں یا یہاں تک کہ جائز اور مستحب امور میں بھی اس امر کی رعایت کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اسلام کے بارے میں لوگوں کا رویہ کیا ہوگا۔ اگر اس بات کا ظن غالب ہو کہ کسی مستحب پر اصرار کرنے کے نتیجہ میں اسلام کا کوئی فرض یا واجب مجروح یا متاثر ہوگا۔ تو اس مستحب پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۲۰) خاکسار کی رائے میں سلمان رشدی و تسلیمہ نسرین اور ان جیسے دوسرے افراد کے کیس میں مسلمانوں کا ردعمل یا رشدی کے لیے امام خمینی کا فتویٰ قتل اور طالبان کا بامیان کے مجسمے توڑنا وغیرہ اسی کیٹیگری میں آئے گا۔

بنوامیہ کے ساتھ انصاف : صدر اسلام کی تاریخ میں بنوامیہ ایک خاص کردار کے حامل ہیں ۔ مجموعی طور پر ان کا عہد بنوعباس کے عہد سے امت کے حق میں بہتر رہا ہے۔ اگر چہ ان کی جو غلطیاں ہیں ان کو جواز نہیں دے سکتے۔ لیکن مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کو سامنے لانا چاہیے۔ اردو مورخین و مصنفین بنی امیہ کے بارے میں بالعموم زیادہ

غیر رواداری واقع ہوئے ہیں۔ ان کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ان کا وطیرہ ہے حتی کہ مولانا مودودی اور ان کے بعض خاص رفقاء بھی ان اثرات سے نہیں بچ سکے۔ اس وادی کو ڈاکٹر غازی نے بڑے اعتدال سے طے کیا ہے اور حضرت امیر معاویہؓ کے علاوہ مروان اور عبدالملک بن مروان کے نام بڑے احترام سے لیے ہیں حضرت امام حسینؓ کے خروج کے بارے میں بھی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا ہے جنہوں نے امام حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کیا تھا۔ واضح رہے کہ مروان اور عبدالملک بن مروان کے عمل کو امام مالک نے مؤطا میں بطور سنت کے پیش کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام میں امویوں کے بارے میں ایسی متشددانہ رائے موجود نہ تھی جو آج پائی جاتی ہے۔(۲۱)

جہاد، مجاہدہ و اجتہاد: کے بارے میں خاصا کنفیوژن مسلمانوں وغیر مسلموں کے مابین پایا جاتا ہے۔ جہاد کو بالعموم قتال کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ ایک حلقہ میں مجاہدہ کو غلط سمجھا جاتا اور اسے تصوف کے قبیل کی کوئی شئے گردانا جاتا ہے، اور اجتہاد کا دروازہ بند بتایا جاتا ہے۔ جب کہ ایک مسلمان کی زندگی میں ان تینوں کا زبردست مقام ہے۔ اور ان میں بھی سب سے زیادہ اہمیت مجاہدہ کو حاصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جہاد اور اجتہاد بھی ایک مشروط اور اجتماعی ذمہ داری ہے جب کہ مجاہدہ ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ جہاد واجتہاد فرض کفایہ ہیں اور مجاہدہ یعنی انسان کے قلب وضمیر کی اصلاح اور روحانی پاکیزگی فرض عین ہے۔ ان تینوں اصطلاحات کی بڑی جامع اور خوبصورت وضاحت غازی صاحب نے فرمائی ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔(۲۲)

مذکورہ بالا سطور میں اس کتاب کا ایک سرسری سا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے عصری مسائل ومشکلات ہیں جن سے اس میں تعرض کیا گیا ہے۔ خاکسار کی رائے ہے کہ کتاب کے مباحث کی اہمیت کے پیش نظر ہمارے مدارس اسلامیہ اور جامعات کے اسلامک اسٹڈیز کے شعبوں میں اس کتاب کا مطالعہ لازماً طلبہ کو کرانا چاہیے۔ اس کے مباحث پر ڈی بیٹ اور مذاکرے کرائے جائیں کہ اس سے فائدہ دوچند ہو جاتا ہے۔

حواشی وتعلیقات

(۱) ڈاکٹر محمود احمد غازی کی وسعت مطالعہ کے بارے میں جو باتیں معلوم ہوئیں ان کے لحاظ سے کم از کم آج کل کے علماء کا مطالعہ تو ان کے مقابلہ میں صفر معلوم ہوتا ہے۔ مثلا انہوں نے امام شافعی کی کتاب 'الام' بالاستیعاب تین بار پڑھی۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب 'ہدایۃ' کئی بار بالاستیعاب پڑھی۔ میری معلومات میں اس قسم کی مثالیں انور شاہ کشمیریؒ کے بعد بر صغیر میں تو عنقا ہیں۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب نے اس میدان میں سلف کی یاد تازہ کردی۔

(۲) ڈاکٹر محمود احمد غازی، خطبات بھاولپور (۲)، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونورسٹی، شاہ فیصل مسجد کیمپس اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۰۷ء پیش لفظ صفحہ ۱۱

(۳) وہی مصنف وہی ناشر صفحہ ٦٧

(۴) ایضا ٦۵

(۵) ایضا صفحہ ٦٨

(٦) ایضا ۷۲

(۷) ایضا ۵۱۷

(۸) ایضا ۸۲

(۹) ایضا ۸۷

(۱۰) ایضا ۹۱-۹۲

(۱۱) ایضا ۹۸

(۱۲) ایضا ۱۲۸

(۱۳) ایضا ۱۴۲

(۱۴) ایضا ۴۵۱

(۱۵) ایضا ۴٦۳

(۱٦) ایضا ۱۸۷

(۱۷) ایضا ۱۸۸

(۱۸) ایضا ۴۵٦

(۱۹) ایضا ۴۲۱

(۲۰) ایضا ۹۹ (۲۱)

(۲۱) ایضا ۲۲۳

(۲۲) ایضا ۳۲۳

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے تصوّرِ فقہِ آفاقی پر ایک ناقدانہ نظر (۱)

* ڈاکٹر شہزاد اقبال شام

تغیّر الاحکام بتغیّر الزمان (۲)

علوم طبعی (Physical Sciences) کے مباحث ہوں، یا سماجی علوم (Social Sciences) کے نظریات زیرِ بحث آئیں، جو چیز کسی لمحۂ معلوم میں عدم سے وجود میں آتی ہے، اسے قرنوں بعد دیکھیں تو تعجب ہوتا ہے کہ ننھی سی کونپل نے کیسے تناور شجر سایہ دار کی ہیئت اختیار کر لی ہے۔ ذرا موازنہ کر کے دیکھیں، ہوائی جہاز کے اس ابتدائی نمونے کا جدید فضائی عفریت سے جو زقندیں بھرتے ہوئے صلوٰۃ القصر واجب ہونے سے پہلے دوبرِ اعظموں کی حدود سے نکل کر تیسرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو چار چھ فقہی مسالک...... فقہ مالکی، فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی، فقہ زیدی اور فقہ جعفری...... آج اپنے پورے نکھار کے ساتھ دیکھنے کو ملتے ہیں، کیا تیرہ چودہ صدیاں پہلے ان کے اصول و قواعد اور متبعین اسی قوت و جوبن کے ساتھ موجود تھے؟ جس دقیقہ سنجی اور اور جزرسی سے ان کے اصول آج منقح ہو چکے ہیں، کیا یہ اسی شکل میں روزِ اوّل سے لوگوں کو مل گئے تھے؟ ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'' کی بیل علوم کی ہر شاخ کے ساتھ لپٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ ارتقا ہی وہ اصل کلی ہے جو ازل سے آج تک ہر سمت میں نظر آتی ہے۔

ارتقا کا بیان آسان نہیں۔ اسے یہ نام تو دیا جا سکتا ہے لیکن اس کی رفتار، اس کا رخ اور اس کی ہیئت کا بیان آسان نہیں ہے۔ یہ اپنا سفر اقلیدسی شکلوں میں کرتا ہے۔ ارتقا خطِ مستقیم میں چلتے چلتے کسی لمحے اپنے لیے دائرے بھی وضع کر لیتا ہے۔ دائروں کے اس کسر و انکسار کا مطالعہ اوسط فہم کے کسی شخص کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ دائرے بنتے بنتے کبھی پھر خطِ مستقیم میں چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ فقیہ پیچھے دیکھ کر خطِ مستقیم، مثلث، مربع، مستطیل، مخمس اور دائرے کی چال سے ارتقائی سفر کو صفحہ قرطاس پر تو بکھیر سکتا ہے لیکن ارتقا کب اچانک کوئی موڑ مڑ کر فکر کی وسعتوں کے نئے افق تلاش کرنے لگے گا، یہ معلوم کرنا فقیہ سے ذرا آگے فلسفی کا ہوا کرتا ہے۔ فقیہ لمحۂ محدود ......اور زیادہ سے زیادہ لمحۂ موجود...... کے زندان سے باہر نہیں نکلتا۔ فلسفی مآل کو دیکھ لیتا ہے کہ وہ ذرا بلندی پر کھڑے ہونے کے سبب اندازہ کر لیتا ہے کہ ارتقائی خطِ مستقیم کی راہ میں کہاں موڑ آ رہا ہے۔

ایسوسی ایٹ پروفیسر شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ارتقا کی تکوین کن عناصر سے ہوتی ہے؟ اس کا انحصار موضوع سخن پر ہوا کرتا ہے، کوئی حتمی بیان دینا آسان نہیں۔ یہ دائروں کا ایک الجھا ہوا سفر ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اس عالم بے بدل کی حیثیت ایک کُل کی سی ہے۔ یہ کُل لاتعداد کَل پرزوں کا مجموعہ ہے۔ آلات و اوزار اس کُل میں اسباب ہوا کرتے ہیں۔ اصول تغیر انہیں متغیر کر دیتے ہیں۔ یہ نئی شکل اختیار کرتے ہی طبائع انسانی پر اثر ڈالتے ہیں۔ ہو نہیں سکتا کہ ٹیکنالوجی زبان و بیان (Etymology) کو متاثر نہ کرے اور زبان و بیان انسانی تعلقات کو متاثر نہ کریں۔ انسانی تعلقات فقہ انسانی کا موضوع ہیں۔ لہٰذا ٹیکنالوجی سے فقہ اسلامی کا متاثر ہونا بھی نوشتہ دیوار ہے۔ معاشرت کے باب میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زرعی معاشرے کی کلید قبیلے (Extended Family) کا اتحاد تھی۔ کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ کسی شخص کے ماں باپ کی دیکھ بھال کرنے والا گھر سے باہر کا کوئی اجنبی (Nurse) ہو۔ فہم کا دائرہ یہ قبول ہی نہیں کرتا کہ بسلسلہ ملازمت کسی دوسرے شہر میں مقیم بیٹا عید کے ایام خاندانی و آبائی گھر میں مقیم ماں باپ سے دور کسی اور شہر میں گزار دے۔

زرعی معاشرے میں معاشرتی اکائیاں متحد الوجود تھیں لیکن ٹیکنالوجی کے بے پناہ ہجوم نے ان تمام دائروں کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا ہے۔ ٹیکنالوجی نے صنعت و حرفت کو جنم دیا تو صنعتی دور کی اکائیاں انتشار کے مرحلے سے بھی نکل کر وجود سے عدم کی شاہراہ پر چل پڑی ہیں۔ صنعت و حرفت نے قبائل ختم کیے، خاندان کو منتشر کیا۔ نکاح کے تمام ادارے کو ختم کر دیا اور ماں باپ کو بیٹے کے گھر سے نکال کر اولڈ پیپل ہاؤس میں پہنچا دیا۔

معاملات کے ضمن میں نظریہ العقد کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکنالوجی اور بدلتے ارتقائی دائروں نے فقہ اسلامی کے موضوعات ہی بدل کر رکھ دیے ہیں۔ کاروباری تعلقات کے موضوعات محدود پیمانے پر شرکت و مضاربت سے نکل کر کروڑوں کی تعداد میں حصص کا لین دین کرنے والے لاکھوں افراد تک پھیل گئے۔ یہ کہہ دینا کافی ہے کہ کسر و انکسار کا یہ عمل جو گزشتہ چند صدیوں سے پیہم مسلسل کی راہ پر بگٹٹ دوڑ رہا ہے، اس نے اسلامی معاشروں پر قدرے تاخیر سے اثر انداز ہونا شروع کیا۔ اس کی دو بڑی وجوہ ہیں: اولاً مسلمان معاشروں میں صرف سلطنت عثمانیہ کا وجود ریاستی ادارے کی شکل میں اپنی بُری بھلی شکل میں بین الاقوامی برادری میں موجود تھا، ورنہ دیگر تمام معاشرے استعماری بندشوں میں جکڑے ہونے کے باعث ریاستی موضوعات سے ناآشنا تھے۔ ثانیاً مسلمان خود ٹیکنالوجی کے میدان میں اتنے پیچھے تھے کہ اکثر معاشروں میں بیشتر جدید مسائل پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور اگر ہوئے تھے تو وہاں کے فقہاء صدیوں کے جمود کے سبب یا تو ان کا ادراک نہ کر سکے یا ان کا حل سامنے لانے کے اہل ہی نہ تھے۔ زمانہ تو بدل گیا لیکن احکام نہ بدلے گئے کہ احکام بدلنے کی صلاحیت رکھنے والے یا تغیر کا ادراک کرنے والے مسلمان معاشروں میں ناپید ہو چکے تھے۔

اصول تغیرّ اور اصول فقہ

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو فقہ اسلامی کے ان دائروں کا سفر کم وبیش تیرہ صدیوں تک خط مستقیم کے رخ پر سفر کرتا رہا۔ اس سارے عرصے میں اصول فقہ کے دائرے بنتے بگڑتے اور ٹوٹتے پھوٹتے تو رہے لیکن یہ خط مستقیم سے باہر نہیں نکلے۔ لیکن جب صنعت وحرفت میں جدت آئی تو اس نے تمدن انسانی کو متاثر کرنا شروع کیا۔ فقہ اسلامی کے سفر کے رخ میں بتدریج تبدیلی آتی گئی لیکن اہل دانش اس کا ادراک نہ کر سکے اور یوں عبادات کی دہلیز سے آگے اسلام کا سفر کٹھن سے کٹھن تر ہوتا گیا۔ ادھر سیاسی اقتدار چھن جانے سے مسلمانوں کو ریاستی لیبارٹری میسر نہ رہی جس کے نتیجے میں کم وبیش ہر نیا فقہی نظریہ اسلام سے عقیدت کا انعکاس تو رہا، تعمیل کے باب میں وہ مسلمانوں کے لیے انعطاف کا کام نہ کر سکا۔ دوسری طرف صدیوں کے اس خلا کو دفعتاً پُر کرنا ناممکنات میں سے تھا۔

علامہ اقبال وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس صورت حال کا ادراک سب سے پہلے کیا تھا۔ فکر اسلامی کے جملہ ذخیرہ پر صدیوں بعد ناقدانہ نظر ڈالنے والے اس فیلسوفِ عہدِ حاضر کے خیال میں ''گزشتہ پانچ سو سال میں اسلام کی مذہبی فکر عملاً جمود کا شکار رہی۔'' (۳)

یہاں پانچ سو سال کی مدت وہ دورانیہ ہے جس میں علامہ موصوف کے خیال میں فکر و فلسفہ کے سوتے خشک ہوتے نظر آئے ہیں۔ رہے فقہ اسلامی کے موضوعات تو ان میں تحرک ٹیکنالوجی کا محتاج رہا لیکن اہل نظر اس طرف متوجہ ہی نہ ہوئے۔ یہاں فقیہ نہ ہوتے ہوئے بھی علامہ اقبال بیسویں صدی کے نصف اوّل میں فقہ اسلامی کی بے چارگی کا علاج ان الفاظ میں کرتے نظر آتے ہیں۔

میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے ''جورس پروڈنس'' [اصول قانون] پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکامِ قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا، وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور کر رہے ہیں (سوائے ایران و افغانستان) مگر ان ممالک میں بھی امروز و فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ زمانہ حال کے اسلامی فقہاء یا تو زمانے کے میلانِ طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدینِ شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکامِ قرآنی ہی کا منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نظیر ناممکن ہے۔ غرض کہ یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری رائے ناقص

میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانہ کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخِ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا(۴)

مرض کی نشاندہی کرتے ہی علامہ اقبال نے اس مجد دِوقت ۔۔۔مجتہد مطلق مستقل (۵)۔۔۔کی تلاش بھی شروع کردی اور متعدد لوگوں سے خط و کتابت اور تبادلہ خیال کیا جو ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔لیکن علامہ اقبال جس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکے، وہ یہ تھی کہ وقت کے بدلتے مزاج کے ساتھ ساتھ گزشتہ چند صدیوں سے فقہ اسلامی کا مزاج بھی بدل چکا تھا۔ مسائل کے حل میں انفرادی کوششوں کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن صورت واقعہ یہ ہے کہ علمی دنیا میں مجتہد مطلق مستقل کا تصور اب قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ امام کا ادارہ سیاست شرعیہ میں تو ایک بدیہی حقیقت ہے لیکن علم اصول فقہ میں اب اس قدر تنوع اور رنگارنگی دیکھنے کو ملتی ہے کہ اب اس میں کسی فقہی قائدِ واحد کا تصور نا قابل قبول ہے۔ فقہ اسلامی کے موضوعات میں پھیلاؤ نے محدود انسانی صلاحیتوں کی بے بضاعتی تھی صدی ہجری ہی میں واضح کردی تھی۔

فقہ اسلامی کا اساسی ارتقاء

تاریخ فقہِ اسلامی کے طلبہ خوب واقف ہیں کہ فقہِ اسلامی پر امام غزالیؒ کا ایک بہت بڑا احسان ہے۔انہوں نے مجتہد مطلق مستقل کے ادارے کو اجزا میں تقسیم کر کے فقہی اختیارات کی مرکزیت کو مختلف سمتوں میں وسعت دے دی اور لامرکزیت والا آج کل کا معروف نظریہ (Decentralization of powers) بعنوان ''تجزؤ الاجتہاد'' بایں الفاظ متعارف کرایا:

> ((ولیس الإجتهاد عندی منصباً لایتجزأ بل یجوزان یقال للعالم بمنصب الإجتهاد فی بعض الاحکام دون بعض فمن عرف طریق النظر القیاسی فله ان یفتی فی مسئلة قیاسیة)) (٦)
>
> ''میری رائے میں اجتہاد ایسا منصب نہیں ہے جس کے اجزا نہ ہوسکیں، بلکہ جو شخص بعض شرعی احکام کا عالم ہو اور بعض کا عالم نہ ہو، ممکن ہے اسے مجتہد قرار دے دیا جائے۔ پس جو شخص قیاس کے اسلوب سے واقف ہو، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی قیاسی مسئلہ ہی میں فتویٰ دے۔''

امام غزالی نے فقہ اسلامی کے سفر میں آنے والے اس موڑ کی بروقت نشاندہی کی جس کے بعد اس باب میں اختصاصی مطالعے نے رواج پکڑنا شروع کیا۔ اب ابواب فقہ کا عمومی علم رکھتے ہوئے فقہاء کی کوششوں کا رخ اپنے میلان کے مطابق مخصوص ابواب کی طرف ہو گیا مناکحات کے ماہر نے مضاربت کے امور کسی اور کے لیے چھوڑ دیے اور شراکت کا بیان تعزیرات والے نے اپنے لیے کسی حد تک شجر ممنوعہ قرار دیا۔ لیکن امام شوکانی غزالی کے اس نظریہ تجزّوالاجتہاد سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں اجتہاد ناقابل تقسیم عمل ہے جو اپنی کلی شکل ہی میں کارآمد ہوتا ہے، اجزا میں منقسم ہو کر یہ اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے۔ (۷) تاہم امر واقعہ یہ ہے کہ شوکانی کا نقطہ نظر فقہاء کی توجہ حاصل کرنے میں زیادہ کامیاب نہیں رہا اور امام غزالی کا نظریہ تجزّوالاجتہاد آج فقہ اسلامی کے ہر باب میں اپنی پوری آن بان کے ساتھ موجود ہے۔

یہ کہنا خاصا دشوار ہے کہ علامہ اقبال کی نظر اس سارے فقہی ذخیرے کی طرف نہیں گئی۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ محولہ بیان سے ان کی مراد یہ تھی کہ فقہ اسلامی کا کل ذخیرہ نظر ثانی کا متقاضی ہے اس کی شکل چاہے کچھ بھی ہو، تو بے جا نہ ہو گا۔

فقہ اسلامی کے کل ذخیرے پر گہری فقیہانہ نظر ڈالنے والا تیسرا شخص ڈاکٹر محمود احمد غازی ہے جس نے زندگی بھر کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ عہدِ حاضر کے مسائل کی کلید کسی ایک فقہ کے پاس نہیں ہے بلکہ ان کے خیال میں ایک ایسی آفاقی فقہ خود بخود متعارف ہو رہی ہے جس کی کیمیائی ترکیب جملہ مکاتب فقہ کے اجزا پر مشتمل ہے۔

فقہ اسلامی کے تین موڑ

چودہ صدیوں پر محیط فقہ اسلامی کے سفر پر نظر ڈالی جائے تو عقدہ وا ہوتا کہ اس طویل دورانیے کے سفر میں اب تک تین موڑ آئے ہیں۔

فقہ اسلامی کے اس سفر میں پہلے موڑ کی نشاندہی کرنے والے امام غزالی ہیں جنہوں نے اجتہادی عمل کو انفرادی کوشش کی سطح سے اٹھا کر مجتہدین کی اجتماعی بصیرت سے مربوط کر دیا۔ امام غزالی کے عہد تک ہر مجتہد کی حیثیت کسی حد تک ایک کُل کی سی تھی جس سے ہر باب میں معارف پروری کی توقع کی جاتی تھی۔ امام غزالی نے ابواب فقہ کو فقہاء کی جماعت میں تقسیم کر کے اسلوب تفکر کو متغیر کر دیا۔ امام غزالی جس عہد کے نمائندہ ہیں، اس میں فکر اسلامی اپنے درجہ کمال پر نظر آتی ہے۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے عروج کا عہد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تجزّوالاجتہاد کے نظریے نے اس میں نکھار پیدا کر دیا۔

علامہ اقبال۔امام غزالی کے برعکس۔ایک ایسے عہد کے نمائندہ ہیں جسے نقطۂ زوال کا آخری کونا قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ عہد ہے جس میں فکر اسلامی پر اتنی گرد پڑ چکی تھی کہ علامہ اقبال کو بجائے خود اس عہد کا مصلح کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔علامہ مرحوم نے فی الاصل اصول فقہ کے پورے ذخیرہ کو ایک وحدت کے طور پر لیتے ہوئے محولہ بالا رائے دی تھی۔علامہ کی خواہش اپنی اصل شکل میں تو پوری نہیں ہوسکی لیکن اس کی محرف شکل اگلے موڑ میں جلد ہی سامنے آ گئی۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ تیسرے موڑ کی نشاندہی کرنے والے پہلے شخص ہیں۔ڈاکٹر صاحب موصوف جس عہد کے نمائندہ ہیں، اس کے دو مزید امتیازی خصائص ہیں: اولاً انسانی زندگی پر ٹیکنالوجی اور صنعت وحرفت کا بے پناہ رسوخ اور گہنائے ہوئے زرعی معاشرے کے ساتھ ساتھ پورے جوبن پر صنعتی معاشرے کا وجود اور ثانیاً ایک ڈیڑھ صدی کے بعد مسلم معاشروں کو حاصل سیاسی آزادی جس نے عملاً فقہی موضوعات کی لامرکزیت کو جنم دیا۔ڈاکٹر غازیؒ نے جس عہد میں فقہ آفاقی کا تصور پیش کیا، وہ عہد عجائب اور فکری بے چارگی سے عبارت ہے۔علامہ اقبال کو قرآن کی ابدیت ثابت کرنے والا مجدد تو نہ مل سکا لیکن ہیگل کی روح عصر (Geist) نے یہ کام ایک اور شکل میں کر دیا۔

عہدِ فقہِ آفاقی کی دو ندرتیں

ہیگل کی اس خوب معروف اصطلاح کو معاصرین نے ''عقل کل''، ''تصورِ مطلق وجود بالذات'' اور'' کائنات کا جوہر'' جیسے نام دیے ہیں۔ان اصطلاحات سے اردو دان اہلِ علم کو Geist کا مفہوم مطلق تو نہیں ملتا کچھ ادراک ضرور ہو جاتا ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ وقت کے کسی مخصوص دورانیے میں خیالات، افکار، اور افعال واعمال کے جدل ومناظرے اور مکالمے سے ظہور پذیر یہ وہ ''روحِ عالم'' (Thesis) ہے جس کے اندر ہی سے اس کی ضد (Anti-Thesis) نکل کر نئی روح عصر (Systhesis) کی صورت میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔اس اصول کا اطلاق۔۔۔

اگر یہ درست ہے تو (۸) فقہ اسلامی پر کیا جائے تو ٹیکنالوجی، تہذیبی تغیر، فکری مکالموں اور ثقافتی تعامل نے فقہ اسلامی کے موضوعات بدل کر رکھ دیے ہیں۔ گویا جس روح عصر نے امام غزالیؒ سے نظریہ تجزَ والا اجتہاد متعارف کرایا، صدیوں بعد وہی روح عصر ڈاکٹر غازیؒ سے فقہ آفاقی متعارف کرا رہی ہے(۹) لیکن ڈاکٹر غازی جس روح عصر کے نمائندہ ہیں، اس کے نمایاں خصائص سمجھے بغیر فقہ آفاقی کا سمجھنا کارعبث ہے۔اس عہد کی دو نمایاں ندرتیں ہیں۔

پہلی ندرت: تزلزل اور ارتعاش

امام غزالی اور ہیگل وقت کے جن دورانیوں کے نمائندہ ہیں، وہ دورانیے تزلزل اور ہلچل سے خالی تھے۔اگر یہ کہا

جائے کہ ان کے عہد میں مسائل کی نمائندہ سواری آج کل کی موٹر کار کے مقابلے میں اونٹ تھی تو غلط نہ ہوگا۔ اُدھر ڈاکٹر غازیؒ جس عہد میں لب کشائی کرتے ہیں اس کی کوئی مثال معلوم تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اس عہد میں مسائل کا ارتعاش دھیمے سروں میں نہیں، یہ برق رو عہد ہے۔ ذرا غور کیجیے خود ڈاکٹر غازیؒ نے کیا اپنی زندگی ہی میں سائیکل، موٹر سائیکل، موٹر گاڑی، ہوائی جہاز اور خلائی جہاز جیسی ایجادات واختراعات سے پیدا شدہ برق رفتار تبدیلیاں نہیں دیکھیں۔

مسائل کا سامنا تو انسانی زندگی ازل سے کرتی چلی آ رہی ہے اور ان مسائل کا حل بھی خود انسانوں کے ارباب دانش نکالتے چلے آ رہے ہیں۔ اس عہد میں تو یک طرفہ تماشا بھی ہوا۔ زندگی اس قدر تیز گام رہی کہ اس میں پیدا شدہ مسائل کا حل تو دور کی بات رہی، اس کے لیے مطلوب ذہنی ارتکاز کے دورانیے ہی میں ہمیں مسائل کی نوعیت بدلتی نظر آتی ہے اور جتنی دیر میں اس نئے مسئلے کے لیے انسانی ذہن یکسو ہوتا ہے، مسئلے کی نوعیت تبدیل ہو کر نیا مسئلہ بن جاتی ہے۔

ابھی چند دہائیوں کی بات ہے کہ مسلم معاشرے کے اہل دانش بدلتے صنعتی ماحول میں عورت کے پردے کی نوعیت پر گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ مباحثہ ابھی جاری تھا کہ فضائی میزبانی (Air hosting) کے شعبے میں عورت کا کردار زیر بحث آ گیا۔ اور گفتگو ابھی کسر وانکسار کے مرحلے ہی میں تھی کہ خود خاندان کے وجود پر ضربیں لگنا شروع ہو گئیں۔ سیاسی میدان میں دیکھتے ہی دیکھتے سوویت یونین معدوم ہوئی تو مزدور اور کسان کی آجر و جاگیردار سے آویزش ختم ہوگئی، آجر و مستاجر کی چپقلش یک دم معدوم ہوگئی۔ استحصال کی اصطلاح ابھی صرف ایک ڈیڑھ عشرہ قبل مزدوروں کسانوں کے ضمن میں استعمال ہوتی تھی۔ بورژوائی معاشرہ، جلاؤ گھیراؤ، استحصال، روٹی کپڑا اور مکان، ریاست بطور آلہ جبر، عالمی انسانی مساوات، اجتماعی کاشتکاری، مزدوروں کسانوں کے حقوق اور ان جیسی کئی اصطلاحات کا یوں لگتا ہے، کوئی وجود ہی نہیں تھا اور بنی نوع انسان کے دونوں برسر پیکار طبقات ۔۔۔ مزدور اور صنعت کار ۔۔۔ یک دم باہم شیر وشکر ہو گئے۔ اس عہد میں مسائل کی نوعیت لمحاتی وجود کے ساتھ ظاہر ہوتے ہی شعلہ مستعجل بن جاتی ہے۔ یہاں تو تفکر اور تعقل کی اصطلاحات ہی معدوم ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہ عہدِ فقہِ آفاقی کی پہلی ندرت ہے۔

دوسری ندرت: ماوراءالاقوام (Transnational) کارپوریٹ لین دین

اس عہد کی دوسری ندرت بھی بڑی حد تک ٹیکنالوجی ہی کا نتیجہ ہے۔ تیز رفتار فکری و عملی تعامل نے کم وبیش تمام فقہی موضوعات کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ یہی نہیں یہ عہد اپنے جلو میں نت نئے موضوعات کا ہجوم بھی لایا۔ فقہ اقلیات سے تو شاید علامہ اقبال بھی زندگی بھر نا آشنا رہے۔ عائلی زندگی میں آپ بڑے پیمانے پر دیکھیں گے کہ شوہر مالکی فقہ کا

مقلد ہے تو بیوی فقہ جعفری یا کسی اور فقہ کی اسیر۔ بین الاقوامی تجارت میں بائع فقہ حنفی کا پیروکار ہے تو مشتری فقہ شافعی کا متوالا۔ فیلسوف عصر امام غازی نے ان حالات میں فقہ اسلامی کے ذخیرے کا بغور جائزہ لیا تو روح عصر انہیں اس باب میں ایک نیا موڑ مڑتی نظر آئی۔ یہ کیفیت انہوں نے ایک مثال سے واضح کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص محض یہ وعدہ (Promise) کرے کہ وہ کسی کی فیکٹری کی مصنوعات خریدے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ وعدہ واجب التعمیل (Enforceable by Law) نہیں ہے۔ یہاں لفظ وعدہ (Promise) کو عمومی معنوں میں نہ لیا جائے۔ یہ ایک قانونی وفقہی اصطلاح ہے جس میں کوئی صلہ (Consideration) نہیں ہوتا۔ اور صلہ نہ ہونے کی صورت میں متاثرہ فریق عدالتی چارہ جوئی نہیں کر سکتا۔ کاروباری دنیا میں اس فقہی رائے کا سہارا لیا جائے تو مطلوبہ نتائج نہیں برآمد ہوتے۔ ڈاکٹر غازی صاحب فرماتے ہیں کہ فرض کریں آپ ایک کمپنی شروع کرتے ہیں۔ پس لازم ہے کہ آپ اس کمپنی کا میمورنڈم آف ایسوسی ایشن تیار کر کے اسے سکیورٹی اینڈ ایکسچینج کمیشن کے پاس رجسٹر کرائیں۔ یہ بتائیں کہ آپ کتنا سرمایہ لگانا چاہتے ہیں۔ کتنی رقم اب لگائیں گے اور کتنی بعد میں فراہم کریں گے۔ رجسٹریشن کے بعد کمپنی کے آرٹیکل آف ایسوسی ایشن بنائیں جن میں تفصیلی قواعد وضوابط ہوں۔ پھر اخبار میں اشتہار دے کر لوگوں سے رقم لگانے کو کہیں۔ لوگ اس میں کروڑوں اربوں روپے لگائیں گے۔ خود کمپنی بنانے والوں کی لگائی جانے والی رقم اس وقت تک لاکھوں کروڑوں سے متجاوز ہو چکی ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ وعدہ واجب التعمیل ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ احناف کے خالص نقطۂ نظر سے یہ محض ایک وعدہ ہے کہ سرمایہ کاری کرنے پر نفع ہوا تو سرمایہ کار کو ملے گا۔ اور یہ وعدہ احناف کے نقطۂ نظر سے واجب التعمیل نہیں ہے۔ اس صورت میں تو کوئی کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ اب اس پر غور ہوا تو معلوم ہوا کہ احناف کا یہ نقطۂ نظر اختیار کرنا کاروباری زندگی کی نشوونما روک دینے کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ فقہ مالکی سے رجوع کرنے پر معلوم ہوا کہ جس وعدے سے کوئی ذمہ داری (Liability) تخلیق ہوتی ہو، وہ واجب التعمیل ہے اور چارہ جوئی کرنے پر عدالت اس کی سماعت کرے گی۔ (۱۰)

صرف اسی پر موقوف نہیں، انسان نے صدیوں پہلے انفرادی حیثیت سے جس کاروباری زندگی کی داغ بیل ڈالی تھی، کچھ عرصے بعد معاشرتی ارتقاء کے باعث اس نے اجتماعیت یعنی شراکت داری (Partnership) کا رخ اختیار کر لیا۔ یہ شراکت داری طویل عرصے تک معاشرتی دائرے میں رہی لیکن پندرہویں صدی میں کمپنیوں کے تصور نے تجارتی دنیا کے موضوعات بدل کر رکھ دیے۔ اس کے باوجود یہ کمپنیاں طویل عرصے تک قومی ریاست

(National State) کے کرّے سے باہر نہ نکل سکیں اور یوں کاروبار ملکی تجارت سے ذرا آگے بین الاقوامی تجارت ہی سے آشنا رہا۔لیکن زر کے بے پناہ پھیلاؤ اور ریاستی حلقہ اثر سے نکل کر اسی زر کے کمپنیوں کے پاس آ جانے سے لگتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت اور لین دین بھی کوئی دن کے مہمان ہیں۔ اب کاروباری حلقے بین الاقوامی (International) سے بہت آگے ماوراء الاقوام (Transnational) لین دین کے عہد میں قدم رکھ چکے ہیں جس میں انفرادی تو دور کی بات ہے، ملکی عمل دخل بھی دن بدن دھندلاتا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

> اب جو ادارے اپنے نظریات کو فروغ دے رہے ہیں، وہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور بڑے بڑے بنک ہیں۔ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف وہ ادارے ہیں جو غیر ریاستی ادارے ہیں لیکن مالیات اور تجارت ان کے ہاتھ میں ہے۔اس وقت دنیا کے مستقبل کو بنانے اور بگاڑنے کا یا دنیائے اسلام کو کنٹرول میں رکھنے کا جو سب سے بڑا ذریعہ ہیں، وہ یہ ملٹی نیشنل ادارے اور کارپوریشنز ہیں۔ ان کے پاس دنیا کی معاشی زندگی کی لگامیں ہیں۔ان کے پاس دنیا کے معاشی وسائل اور مالیاتی خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ یہ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف جیسے ادارے ہی ہیں جن کے بیشتر ممالک مقروض ہیں۔ اور جو مقروض ہوتا ہے وہ قرض دار کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو آئندہ پچیس تیس سال یا چالیس سال ہیں ان میں ریاست کا کردار بنیادی نہیں ہوگا، مستقبل کا علم اللہ کو ہے، لیکن اندازہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے سالوں میں ریاست کا کردار بنیادی نہیں ہوگا، بلکہ ان اداروں کا کردار بنیادی ہوگا اور یہ مالیاتی اور تجارتی ادارے میڈیا اور پبلسٹی کے اداروں کے ساتھ مل کر دنیائے اسلام کو کنٹرول کرنے کا فریضہ انجام دیں گے۔ آئندہ کے نقشہ میں بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ انہی دو اداروں کا کردار بنیادی ہوگا۔(۱۱)

فقہ آفاقی کو سمجھنے کے لیے قارئین آگے بڑھنے سے پہلے یہ دو نکات ذہن میں رکھیں تو مسئلے کی نوعیت سمجھنا آسان رہے گا۔

فقہ آفاقی ڈاکٹر صاحب موصوف کی نظر میں

علمی دنیا میں یہ ایک معروف اور مسلمہ قاعدہ ہے کہ کسی شے کو اس کے کُل سے جدا کر کے نہیں لیا جا سکتا۔ ایسا کرنے کی صورت میں مقدمہ ادھورا رہ جاتا ہے اور مسئلہ سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ یہی اصول مسلمانوں کے جملہ فقہی مکاتب فکر پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اب ان مکاتب فکر کا ایک دوسرے سے لاتعلق رہنا ناممکن ہے۔ چار چھ سو سال قبل فقہ اسلامی کے مختلف رنگ مختلف علاقوں میں اپنی انفرادی آب وتاب سے دکھائی دیتے تھے۔ اس کیفیت کو بیان کر کے ڈاکٹر غازی صاحب یوں رقم طراز ہیں:

> آج سے پانچ سو سال پہلے اگر یہ ممکن تھا کہ فقہائے ماوراء النہر بعض معاملات میں شدت اختیار کریں اور کچھ دوسرے فقہاءِ دنیا کے بعض دوسرے علاقوں میں انہی معاملات کے بارے میں نرمی اختیار کریں، اور یہ نرمی اور شدت بیک وقت دنیائے اسلام میں رائج العمل رہے، یہ اس دور کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق تھا لیکن آج ایسا ممکن نہیں ہے۔ آج اگر دنیا کے کسی بھی گوشے میں بیٹھا ہوا فقیہ کوئی شدید رائے اختیار کرتا ہے یا کوئی ایسا نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے جو کسی احتیاط پر مبنی ہونے کی وجہ سے عامۃ الناس کی نظر میں مشکل قرار دیا جائے تو اس کے نتیجے میں پوری دنیا میں فقہ اور شریعت پر تنقید اور تبصرے کا ایک طویل ردِ عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے منفی اثرات پوری دنیائے اسلام پر اور خاص طور پر ان لوگوں پر پڑتے ہیں جو فقہ اسلامی سے وابستگی کی وہ سطح نہیں رکھتے جو ہر مسلمان کی ہونی چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی ایسا نقطۂ نظر اختیار کرتا ہے جو ضرورت سے زیادہ رخصت یا غیر ضروری تخفیف پر مبنی ہو تو اس کے اثرات بھی بہت جلد پوری دنیائے اسلام میں پھیل جاتے ہیں۔ اس لیے آج کل کے حالات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی خاص اسلوب یا طرزِ اجتہاد کی پیروی کو اس طرح لازمی قرار دیا جائے جس طرح آج سے نو سو سال پہلے لازمی قرار دیا گیا تھا۔(۱۲)

اسی مقدمے کو وسعت دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف فقہ آفاقی یعنی ان کی اپنی زبان میں 'کاسموپولیٹن فقہ' کی ضرورت اور اہمیت کا ادراک بروقت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر غازی صاحب کی نظر سماجی علوم (Social Sciences) کی کم وبیش ہر شاخ پر ناقدانہ رہی ہے۔ علوم اسلامیہ اور اس کے متعلقات تو ان کی توجہ کا خصوصی محور رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فقہ آفاقی کی اصطلاح محض اس وجہ سے استعمال نہیں کرتے کہ دنیا ایک عالمی گاؤں بن چکی ہے، یا لوگوں میں بُعد کم ہوتے ہوتے قُرب میں بدل چکا ہے یا ٹیکنالوجی کے تیز رفتار پہیے نے انسانی زندگی کے تحرک

کی نوعیت بدل دی ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ایک طرف دستوری قانون پر گہری نظر رکھتے ہیں تو ماوراء الاقوام عالمی تجارتی امور بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے اور دستور اور دستوری مباحث تو ان کی توجہ کا خصوصی مرکز رہے۔ ایک دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں:

> دورِ جدید میں اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں غور و خوض ہو رہا ہے۔ اسلام کی دستوری فکر پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ مختلف مسلم ممالک میں دستوری تصورات پر مباحثے ہو رہے ہیں۔ اور ایسی دستاویزات اور تحقیقات سامنے آ رہی ہیں جن کا مقصد اس دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اسلام کے دستوری اصولوں اور سیاسی تصورات کی بنیاد پر ایک نئے دستوری اور سیاسی نظام کی تشکیل ہے۔ یہ کام پاکستان میں بھی ہو رہا ہے، مصر اور دوسرے عرب ممالک میں بھی ہو رہا ہے۔

ان میں سے کسی کام کو حنفی یا شافعی یا حنبلی یا مالکی مسلک کی حدود میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت دنیائے اسلام میں ''اسلامی دستور سازی'' کا کام ہو رہا ہے۔ ''حنفی دستور سازی'' یا ''مالکی'' اور ''حنبلی دستور سازی'' کا کام نہیں ہو رہا ہے۔ پاکستان میں اگر اسلامی دستور کی طرف پیش رفت ہوئی ہے تو وہ اسلامی دستور کی طرف پیش رفت ہوئی ہے، کسی حنفی یا مالکی دستور کی طرف پیش رفت نہیں ہوئی ہے(۱۳)

یہ کیفیت فقہ اسلامی کے کسی ایک باب تک محدود نہیں ہے، اس کا دائرہ ہر آنے والے دن سے وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس کیفیت کو نہ صرف عائلی قوانین کے ضمن میں دیکھا جا سکتا ہے بلکہ اس کا مشاہدہ بینکنگ، انشورنس، عالمی تجارت، اقتصادی امور اور حدود و تعزیرات سے لے کر معاملات کی ہر نوع میں کیا جا سکتا ہے۔ ان سب کا خلاصہ ڈاکٹر صاحب موصوف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

> یہ سارے قواعد و ضوابط جو دنیا بھر میں وضع ہو رہے ہیں، ان سب میں ایک دوسرے سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔ پاکستان میں ہونے والے کام کے اثرات مصر اور سعودی عرب میں پڑ رہے ہیں۔ مصر اور سعودی عرب میں جو تحقیق ہو رہی ہے اس سے پاکستان استفادہ کر رہا ہے۔ اس لیے یہ سارا کام ایک مشترکہ تصور اور مشترک اقدار اور اصولوں کی بنیاد پر کیا جا رہا ہے۔ ان میں کسی متعین فقہی مسلک کی پیروی نہیں کی جا رہی ہے۔ چنانچہ ایران میں بلاسود بنکاری کا جتنا کام ہوا ہے، وہ سارے کا سارا قریب قریب اسی انداز کا ہے جس انداز کا

پاکستان میں ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ مسائل ہیں جن میں کسی فقہی اختلاف کی گنجائش بہت کم ہے۔ جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں، وہ سب کے نزدیک حرام ہیں۔ ربٰو، غرر، قمار سب کے نزدیک حرام ہے۔ شریعت کی حدود کے اندر کاروبار کی جو جائز شکلیں ہیں، وہ تقریباً ایک جیسی ہیں۔ اس لیے فقہ اسلامی کا یہ نیا ارتقاء اور یہ نیا رجحان مسلکی نہیں، بلکہ مسلکی حدود سے ماوراء ہے۔ اس لیے آئندہ آنے والے سال، عشرے یا صدی مسلکوں کی صدی نہیں ہوگی بلکہ یہ فقہ اسلامی کی مشترک صدی ہوگی۔ اس لیے آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کے طلبہ فقہی ذخائر سے واقف ہوں۔ کم از کم مطالعہ اور واقفیت کی حد تک ایک متعین مسلک میں محدود نہ رہیں۔ ان کو تمام فقہی اسلوب اجتہاد سے واقفیت ہونی چاہیے۔ وہ یہ جانتے ہوں کہ فقہ مالکی کے بنیادی تصورات اور قواعد کیا ہیں۔ فقہ حنبلی اور دوسرے اہم فقہی مسالک اور اجتہادات کے بنیادی تصورات اور قواعد کیا ہیں۔

جب تک یہ بنیاد علمی اعتبار سے مضبوط نہیں ہوگی۔ اس وقت تک آئندہ آنے والی صدی یا آئندہ آنے والے عشروں میں اس کام کو آگے بڑھانا مشکل ہوگا۔ (۱۴)

یہاں اس بات کی وضاحت نہایت ضروری ہے کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کی مندرجہ بالا اور بعض دیگر تحریروں میں بالعموم اُن امور کا احاطہ کیا گیا ہے جن پر مختلف ممالک میں ریاستی سطح پر یا ان ممالک کے ریاستی اداروں کی سطح پر گفتگو ہوتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر دستوری امور یقیناً ریاستی سطح پر حل ہوتے ہیں۔ اِسی طرح انشورنس، بینکاری اور ریاستی اقتصادی امور حکومتی سطح پر طے ہوتے ہیں۔ اپنی کئی تحریروں میں آپ رحمہ اللہ قوانین کو اسلامیانے کے عمل کا تذکرہ کرتے وقت بالعموم ریاستی کوششوں اور اداروں کے حوالے دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان کی نسبت سے قراردادِ مقاصد، بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ، پاکستان کے مختلف دساتیر، اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، قصاص و دیت کے قوانین، زکوٰۃ وعشر آرڈیننس اور انصاری کمیشن اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ دیگر ممالک کی مثالیں دیتے وقت آپ سلطنت عثمانیہ کے مجلّہ الاحکام العدلیہ، اردن کے القانون المدنی، سعودی عرب میں ''نظام'' کے تجربے اور اجتماعی لیکن غیر ریاستی سطح پر اسلامک کونسل آف یورپ کے مسودۂ دستور کا ذکر کرتے ہیں۔ (۱۵)

فقہ آفاقی اور تقنین

اس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ شاید آپ اسلامی قانون کی تقنین کے ضمن میں حکومتی کوششوں کے داعی و مؤید ہیں جبکہ اسلامی قانون پوری اسلامی تاریخ میں غیر حکومتی و غیر ریاستی سطح پر فروغ پاتا رہا۔ یہ اتنا نازک اور حساس عمل ہے کہ مسلمان اس بارے میں کوئی مفاہمت کرنے کو کبھی تیار نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری اسلامی تاریخ فقہ اسلامی کے نشوونما کے حوالے سے آج کل کی زبان میں نجی شعبے کی مرہونِ منت رہی ہے۔ جہاں کہیں اس کام میں حکومتی یا ریاستی عمل دخل شروع ہوا، مسلمانوں نے بلا تامل اسے رَد کر کے علماء حق کے کندھے سے کندھا ملا کر اس عمل کو بلا تعطل جاری رکھا۔ ڈاکٹر صاحب اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

> اسلامی تاریخ میں شوریٰ بھی رہی، اہل اختیار کے ادارے بھی رہے اور اہل حل وعقد بھی موجود رہے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی قانون سازی کا کوئی اختیار inherent کبھی بھی حاصل نہیں ہوا۔ ان اداروں کو دور جدید کی پارلیمنٹ کا پیش رو قرار دینا بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اسلامی تاریخ میں مغرب کے اثرات سے پہلے کبھی بھی قانون سازی کے لیے کوئی سرکاری یا باقاعدہ ادارہ وجود میں نہیں آیا۔ مسلمانوں کے مزاج نے ایسے اداروں کے قیام کو آزادی قانون کی روح کے خلاف سمجھا۔ امام مالکؒ نے اسی لیے عباسی خلفا کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ ان کی مؤطا کو ملکی قانون کا درجہ دے دیا جائے۔ امام مالک نے اپنی ذاتی شہرت اور دنیاوی کریڈٹ کو یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس سے فقہا کی وہ آزادی محدود ہو جائے گی جو اسلام نے ان کو دی ہے۔
>
> ممکن ہے آج بعض حضرات کو یہ سمجھنے میں دِقت ہو کہ ریاست کے ٹھپے کے بغیر قانون کیسے بن اور چل سکتا ہے۔ اس دِقت کی ایک وجہ تو وہ تصورات اور رواجات ہیں جو آج مغربی روایات کے اثر سے ہمارے ہاں عام ہو گئے ہیں، جن کی رو سے قانون وہی ہے جو کسی فرماں روا یا بالاتر حکمران نے جاری کیا ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کے اس خصوصی مزاج پر غور نہیں کیا گیا۔ ذرا توجہ سے دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ آج بھی دنیائے اسلام میں اسلامی قانون کے ایک بڑے حصے پر کسی سرکاری مداخلت اور ریاستی اثر ورسوخ کے بغیر عمل درآمد ہو رہا ہے۔(۱۶)

فقہ اسلامی کی آئندہ شکل: فقہ آفاقی

ارتعاش اور تزلزل سے معمور اس عہد کے مسائل، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، مطلقاً بدل چکے ہیں۔ دنیا عالم

گیریت کے پنجرے میں بند ہوکر نت نئے مسائل کی اسیر ہو چکی ہے۔اس دور میں زمینی فاصلے کم ہوجانے کے باعث انسان قریب آ چکے ہیں۔اس قربت کے نتیجے میں کم وبیش تمام فقہی مسائل کے پیروکار باہم معاملات کرتے ہیں۔کسی خاص فقہ کی اہمیت وضرورت سے انکار ممکن نہیں لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ لین دین کرنے والے افراد باہمی قرب کے باعث کسی ایک فقہ پر نہ تو عمل کر سکتے ہیں اور نہ اپنی فقہ کے دائرے سے بآسانی باہر نکلنے کو تیار ہوتے ہیں۔اس حالت میں فقہی کرّے ہی میں رہنے والوں پر ذرا نظر ڈالی جائے تو ان فقہی موضوعات کا دائرہ دن بدن سکڑ رہا ہے۔ ریاستی امور اور بین الریاستی تجارت سے متعلقہ موضوعات کا جائزہ لینے پر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دائرہ دن بدن پھیلتا جارہا ہے اور اس قدر پھیل چکا ہے کہ اب ان مسائل کا حل کسی ایک فرد واحد یا انفرادی فقہ کے پاس نہیں ہے۔اب مکاتب فکر اپنی جداگانہ حیثیت میں نہ تو ان مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں اور نہ یہ مسائل طویل عرصے تک کسی خاص مکتب فقہ کی توجہ کے منتظر رہ سکتے ہیں۔ بلکہ صورت واقعہ تو یہ ہے کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا کے مصداق اب مسائل اتنی تیز رفتاری سے اپنا چولہ بدل رہے ہیں کہ لاتعلق رہنے والے تاریخ کا حصہ تو بن سکتے ہیں، استقبال میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں:

> گزشتہ سوسوا سو برس کے تجربے نے یہ بتایا ہے اور ہر آنے والا دن اس تجربہ کی صداقت کی گواہی دے رہا ہے کہ آئندہ دور مختلف فقہی مسالک میں محدود رہنے کا دور نہیں ہے بلکہ ان مسالک کو اجتماعی طور پر مسلمانوں کی مشترکہ میراث قرار دینے اور ان سب کو ساتھ لے کر چلنے کا دور ہے۔آئندہ جو فقہ سامنے آنے والی ہے وہ صرف اور صرف عالم گیر فقہ اسلامی ہوگی۔وہ فقہ حنفی، مالکی، شافعی یا حنبلی فقہ نہیں ہوگی۔آج ایک آفاقی (Cosmopolitan) فقہ وجود میں آ رہی ہے جس میں مسلمانوں کے پورے فقہی ذخیرے کو سامنے رکھ کر نئے انداز سے احکام مرتب کیے جارہے ہیں۔ایسے احکام جن میں فقہ اسلامی کے پورے ذخائر سے کام لیا جارہا ہے اور جن میں شریعت کے مقاصد اور قرآن وسنت کی نصوص کو اولین اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔اس عالم گیر فقہ کی صحیح اسلامی خطوط پر تدوین دورِ جدید کی سب سے بڑی اور سب سے بنیادی ضرورت ہے۔(۱۷)

ڈاکٹر غازی صاحب جب فقہ اسلامی کی اس نئی شکل کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مسائل کو کلیتاً لے رہے ہیں۔ان کے خیال میں چند بنیادی امور کی طرف توجہ دی جائے تو بہت سے

مسائل پیدا ہی نہیں ہوں گے۔ اپنی ایک دوسری مطبوعہ تقریر میں وہ فرماتے ہیں:

> ''اس معاملے کا ایک اور اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آج کے حالات کی مناسبت سے مسلم معاشرے اور مسلم ریاست کی تجدید نو کی جائے اور جدید معروضی حقائق اور فکری مباحث کے پس منظر میں واضح کیا جائے کہ اسلامی معاشرے کی تعریف کیا ہے اور اسلامی ریاست آج کے سیاق وسباق میں کس ریاست کو کہا جائے گا۔ اس بات کی ضرورت اس لیے پیش آ رہی ہے کہ فقہائے اسلام نے آج سے کم وبیش ایک ہزار دو سو سال قبل دارالاسلام، دارالحرب اور دارالصلح وغیرہ کی جو حد بندیاں تجویز کی تھیں، وہ آج کے زمینی حقائق کی روشنی میں اجنبی معلوم ہوتی ہیں۔ خود فقہائے اسلام کو ابتدائی دو تین صدیوں میں ہی ان تقسیمات پر کئی بار از سر نو غور وخوض کرنا پڑا۔ دوسری صدی ہجری کے نصف اوّل کے زمینی حقائق کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ) کے فہم اسلام کی رو سے روئے زمین کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا جانا چاہیے تھا، یعنی دارالحرب اور دارالاسلام، لیکن جلد ہی امام شافعیؒ (متوفی ۲۰۴ھ) بلکہ خود امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کو اس تقسیم پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انھوں نے دارالاسلام اور دارالحرب کی دوگانہ تقسیم کے مابین دارالعہد اور دارالصلح کی درمیانی تقسیمیں تجویز کرنا ضروری سمجھا۔ کچھ اور بعد کے فقہاء نے دارالعدل، دارالبغی اور ایسی ہی دوسری تقسیموں کی ضرورت محسوس کی۔ آج کے بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں جدید زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ان تمام تقسیموں پر از سر نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔'' (۱۸)

ان حالات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جس مسئلے کی طرف ڈاکٹر صاحب موصوف اشارہ کر رہے ہیں وہ نہ تو چند اصحاب رائے کی توجہ سے حل ہو سکتا ہے اور نہ یہ کام دو چار سال میں ہو جانے والا ہے بلکہ اس کے لیے طویل ریاضت اور پتہ ماری درکار ہے جس کے نتائج شاید عشروں بعد سامنے آئیں۔

فقہ آفاقی کا ایک مختصر ناقدانہ جائزہ

مسائل کی نوعیت بدل جانے سے ان کے حل کے وسائل واسباب بھی بدل جاتے ہیں لیکن تفکر وتعقل سے معلوم ہوتا ہے کہ نئے مسائل کے حل کے لیے جدید اسباب ووسائل کا دوسرا سرا کسی نہ کسی شکل میں ماضی سے لازماً جڑا ہوتا

ہے۔جس کیفیت کو ڈاکٹر غازی صاحب رحمہ اللہ فقہ آفاقی کا نام دے کر بظاہر لوگوں کو چونکا رہے ہیں، فی الاصل وہ کوئی چونکا دینے والی بات نہیں ہے۔ ذرا غور کیا جائے تو ماضی میں اس کے مختلف نام سامنے آ چکے ہیں اور اصول فقہ کے طالب علم اس کیفیت سے ناواقف نہیں ہیں۔ مثلاً عقد نکاح کے لیے لازم ہے کہ عورت کے ایجاب وقبول کے ساتھ اس کے ولی کی موافقت (Concurrence) ہو۔ نہ ہونے پر عقد نکاح فاسد قرار پاتا ہے۔ نکاح فاسد ہو تو فقہ مالکی کے تحت عورت حق مہر اور حق اِرث سے محروم قرار پاتی ہے۔ فقہاء کے خیال میں یہ شئے بالآخر مفسدہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس مفسدہ سے بچنے کی خاطر مالکی فقہاء، فقہاء احناف کا فتویٰ لے کر اسے حق مہر اور حق اِرث دونوں ولاتے ہیں۔ اس نظریے کو مراعاۃ الخلاف کہتے ہیں۔ امام شاطبی کے نزدیک اس نظریے کی تعریف یوں ہے:

((و هذا منه مبنی علی مراعاۃ المآل فی نظر الشارع فالمراد مراعاۃ الخلاف الواقع بین المجتھدین)) (۱۹)

''شارع کے خیال میں کسی شے کے بالآخر انجام کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ پس مراعات الخلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو مجتہدین کے مابین ہو۔''

نظریہ مراعاۃ الخلاف ایک ہمہ جہت علم ہے جس کے اصول وقواعد منقح ہو چکے ہیں۔ اس نظریے کے تحت اگر کوئی فقیہ کسی مفسدہ کی صورت میں کسی اور فقہ سے کسب واکتساب کرے تو اس کی وجہ سے وہ اپنی فقہ کا تارک قرار نہیں پاتا بلکہ یہ وہ فقہی حسن وخوبی ہے جس سے فقیہ گویا درآمدی مال سے اپنی مصنوعات مزین کرتا ہے۔ نظریہ مراعات الخلاف محض دو ایک فتاویٰ تک محدود نہیں ہے بلکہ اسلامی قانون کا ہمہ گیر اور ہمہ جہت مطالعہ کرنے سے اس کے مختلف النوع رنگوں کی ایک دلفریب دھنک ہر طرف دیکھی جا سکتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے طول عرض میں فقہ حنفی کے پیروکار آباد ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہا جا سکتا ہے کہ اس خطۂ ارض میں فقہِ حنفی کے کروڑوں پیروکاروں کے مقابلے میں فقہ مالکی کے پیروکار شاید سینکڑوں ہزاروں سے متجاوز ہرگز نہیں ہیں۔ لیکن گزشتہ صدی کے نصف اوّل میں حکومتی سطح پر تحلیل وتنسیخ نکاح (Dissolution of Marriage) پر جب قانون سازی ہو رہی تھی تو کم وبیش سو فی صد احناف اہل سنت والجماعت آبادی پر مشتمل اس برصغیر میں مفقود الخبر شوہر کا نکاح تحلیل کرنے کے لیے وہ مدت انتظار احناف بھی اختیار نہ کر سکے جو فقہ حنفی کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسی نظریہ مراعات الخلاف کی مدد سے انہوں نے فقہ مالکی سے رجوع کیا اور مفقود الخبر شوہر کی بیوی کے لیے انتظار کی مدت چار سال قانون وضعی کا جزو قرار پائی۔ یہ قانون انگریزوں کے رخصت ہو جانے کے بعد آج بھی برصغیر میں اسی طرح رائج ہے اور پاک و ہند میں احناف منصفین بھی اس حد تک فقہ مالکی کے

مطابق فیصلہ دیتے ہیں۔(۲۰)

اس ایک مثال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اپنی اس موجودہ شکل میں فقہ آفاقی کا تصور یقیناً ایک نیا تصور ہے، اس کے مالہ اور ماعلیہ ابھی منقح ہو کر سامنے نہیں آئے اور نہ یہ تصور ابھی بڑے پیانے پر متعارف ہونے میں کامیاب ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس سے ملتا جلتا تصور ماضی میں نہیں تھا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اپنی فقہ کے اندر رہ کر دوسری فقہ کا سہارا لینا اگر مراعات الخلاف کہلاتا ہے تو اصول فقہ کے طلباء تلفیق سے بھی ناواقف نہیں ہیں۔ تلفیق کے دو پہلو قابل ذکر ہیں: عوام کی سطح پر اگر کوئی اپنی مرضی کے تحت الل ٹپ طریقے سے اپنی فقہ کے باہر جا کر کہیں اور سے کچھ اخذ واختیار کرے تو تلفیق کا یہ انداز فقہا کے ہاں کبھی مستحسن نہیں رہا۔ فقہاء اسے ہوائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یہی طریقہ بغرض قانون سازی فقہاء اختیار کریں تو اسے بھی تلفیق کہا جاتا ہے اور قانون سازی کی راہ میں حائل رکاوٹ دور کرنے کے ضمن میں یہ ایک مؤثر اصول ہے۔

فقہ آفاقی کا موجودہ مرتبہ ومقام

لیکن ان دونوں تائیدی شواہد کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے کہ فقہ آفاقی ابھی تک بالکل اپنے عہد طفولیت سے نہیں نکلی۔ اپنی اس حالت میں بھی یہ اپنے اہل خانہ (علماء اصول) ہی کی توجہ حاصل کر پائی ہے۔ یہ ابھی تک کوئی ایسا ادارہ بننے میں کامیاب نہیں ہو سکی جو اہل علم کی پہلی صف سے ذرا نیچے دوسرے درجے کے اہل علم میں متعارف ہو چکی ہو۔ رہے عوام اور عام اہل علم تو وہ تا ایں دم اس سے مطلقاً ناواقف ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے فقہ آفاقی کے ابتدائی ارتعاش کو محسوس کر کے مستقبل کا نوشتۂ دیوار (Inevitibility) بروقت پڑھ لیا ہے۔

محولہ بالا اقتباسات میں ایک جگہ ڈاکٹر غازی صاحب رحمہ اللہ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ ''جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں وہ سب کے نزدیک حرام ہیں۔'' اپنی موجودہ شکل میں فقہ آفاقی بالعموم ان موضوعات سے عبارت ہے جن پر تمام فقہائے اسلام کا اتفاق ہے یا کم از کم ان میں ان موضوعات پر عدم اتفاق نہیں ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ عہدِ حاضر کے مجتہدین نے بالعموم متفق علیہ امور سے کام کا آغاز کیا ہے۔ لیکن یہ بات مکمل طور پر درست نہیں ہے بلکہ مسائل کا جبر فقہاء کو اس مقام پر لے آیا ہے جہاں وہ اختلافی امور والے کوچے میں قدم رکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ یوں

فقہ آفاقی کی موجودہ شکل ابھی تک زیادہ تر متفق علیہ امور پر مبنی ہے۔

فقہ آفاقی کے موضوعات پر نظر ڈالنے سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے بالعموم موضوعات وہ ہیں جن میں ریاستی عمل دخل بدیہی امر ہے بینکاری، انشورنس، بین الاقوامی تجارت اور بلاسود سرمایہ کاری وہ امور ہیں جن پر موجودہ حالات میں ریاست ہی قانون سازی کر سکتی ہے۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ فقہ آفاقی کا کام ابھی تک سرکاری شعبے میں ہوا ہے اور یہ کہ اس کے موضوعات میں عبادات اور مناکحات جیسے انفرادی و شخصی عنوانات داخل نہیں ہو سکے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ فقہ آفاقی کے متعلق تحریری مواد بہت کم ملتا ہے جس کے سبب فقہ آفاقی ابھی تک علمی سطح پر کچھ زیادہ توجہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔

فقہ آفاقی ابھی تک اپنے اصول فقہ سے بھی محروم ہے۔ گمان غالب ہے کہ سو دو سو سال کے طویل دورانیے کے بعد اس فقہ کا کوئی امام کرخی فقہ حنفی کے اصولوں کی طرح اصول فقہ آفاقی مرتب کرے گا جس کے بعد اس فقہ کے کسرو انکسار کا دوسرا دور شروع ہو گا۔(۲۱) موجودہ صورت حال میں اس فقہ کا رتبہ دیگر مکاتب فقہ کی طرح مسلمہ نہیں ہے ، باوجودیکہ ہر آنے والے دن میں اس کا رنگ گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی بلاشبہ وہ فیلسوف عہد حاضر ہیں جنہوں نے گزشتہ سو ڈیڑھ سو سال کے عرصے پر محیط فقہ اسلامی کے اس سارے ذخیرے پر جزرسی سے نظر ڈال کر یہ اندازہ کر لیا کہ تمام اسلامی بلاد وامصار اب ایک ہی رجحان کے اسیر بنتے جا رہے ہیں جسے انہوں نے فقہ آفاقی کا نام دیا۔

اِتنا کچھ لکھنے کے باوجود احساس تشنگی ابھی تک قائم ہے۔ مقالے کی محدود ساخت کے اندر رہتے ہوئے اس سے زیادہ کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے۔ توقع ہے کہ سطورِ گزشتہ کی روشنی میں کوئی ثقہ بند طالب علم اس موضوع کو اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان بنا کر فقہ آفاقی کے مزید پہلوؤں پر روشنی ڈالے گا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) قارئین خاطر جمع رکھیں، لفظ ناقدانہ ''ضرورت شعری'' کی مقتضیات میں سے ہے، ورنہ پیرومرشد اور اس خاکسار میں سورج اور چراغ کی نسبت بھی شاید بروزن بیت ہی ہو۔

(۲) زمانے کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ مشہور فقہی قاعدہ ہے۔

(۳) Sir Mohammad Iqbal, *Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Lahore, 1960, Shaikh Muhamad Ashraf, p.7

(۴) شیخ عطاالله، شیخ: اقبال نامہ مجموعہ مکاتیبِ اقبال، لاہور، ۲۰۰۵ء اقبال اکیڈمی، ص ۹۹۔۹۸

(۵) مجتہد مطلق مستقل ایسے مجتہد کو کہتے ہیں جن کے اپنے وضع کردہ اصول و قواعد ہوں اور وہ کسی اور مجتہد کی اتباع نہ کرتا ہو۔ ائمہ اربعہ، ابن حزم اور امام اوزاعی اس کی مثالیں ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب اصول فقہ ملاحظہ ہوں۔ احمد حسن کی جامع الاصول بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

(۶) غزالی، ابی حامد بن محمد، المستصفی من علم الاصول، المطبعۃ الامیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۴ھ، ج ۲، ص ۳۵۳

(۷) ملاحظہ ہو: ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، محمد بن علی بن محمد شوکانی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲۰۰۱ء، ج ۲، ص ۲۱۶-۲۱۷

(۸) سید مودودی نے ہیگل کے اس فلسفے کا ناقدانہ جائزہ لے کر اسے رد کر دیا ہے۔ یہ نظریہ ایک کُل کی طور پر لیا جائے تو سید مودودی کا نقطۂ نظر درست معلوم ہوتا ہے لیکن مسئلے کی نوعیت کو ذرا وسعت دے کر اسے اسلامی اصولِ ثبات و تغیر کی روشنی میں پرکھا جائے تو فکر کی نئی راہیں سامنے آتی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفہیمات از سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور، حصہ دوم، اسلامک پبلی کیشنز، ص ۲۶۳

(۹) روح عصر کا فلسفہ جاننے کے لیے ہیگل کی تصانیف Phenomenology of Spirit اور Encyclopaedia of Philosophical Sciences ملاحظہ ہوں۔ موجودہ مغربی فکر کی اٹھان بڑی حد تک اسی فکر سے مواد لیے ہوئے ہے۔

(۱۰) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: محاضراتِ فقہ، لاہور، ۲۰۰۵ء، الفیصل ناشران، ص ۵۴۳

(۱۱) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: ایضاً، ص ۵۴۳

(۱۲) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: تقنین (اسلامی احکام کی درجہ بندی)، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ص ۴۷

(۱۳) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: محاضرات فقہ، ایضاً، ص ۴۷۷

(۱۴) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: ایضاً، ص ۴۷۸

(۱۵) ملاحظہ ہو موصوف کی ایک تحریر بعنوان ''تقنین (اسلامی احکام کی درجہ بندی)'' اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

(۱۶) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: اسلام کا قانون بین الممالک (خطبات بہاول پور۔۲)، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ص ۶۔۴۵

(۱۷) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر: تقنین (اسلامی احکام کی درجہ بندی)، ایضاً، ص ۴۶

(۱۸) عزیز الرحمٰن، سید ڈاکٹر: مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم (خطبات وتقاریر ڈاکٹر محمود احمد غازی)، گوجرانوالہ، ۲۰۰۹ء، الشریعہ اکیڈمی، ص ۹۔۱۴۸

(۱۹) شاطبی، ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الشریعۃ، بیروت، دار المعرفہ، ج ۴، ص ۲۰۲

(۲۰) ملاحظہ ہو: Dissolution of Muslim Marriage Act 1939

(۲۱) فقہ حنفی کے مشہور امام جنہوں نے فقہ حنفی کا نچوڑ ۳۹ قواعد کی شکل میں نکالا۔

دینی مدارس کا نظام ونصاب۔ڈاکٹرمحمود احمد غازی کے افکار سے استفادہ

* ڈاکٹرشاہ معین الدین ہاشمی

دینی مدارس اوران کا نظام ونصاب تعلیم ڈاکٹرمحمود احمد غازیؒ کی دلچسپی کا ایک اہم میدان رہا ہے۔آپ زندگی بھراس جہد مسلسل میں لگے رہے کہ دنیائے اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص دینی واسلامی تعلیم کا ایک جامع اورمتوازن نظام وضع کیا جائے۔اس سلسلہ میں آپ نے تحریر وتقریر ہردو ذریعوں سے بھرپور کوشش کی۔علاوہ ازیں ایسے رجال کار تیار کرنے پر بھی محنت کی جو آپ کی اس فکر کو نہ صرف زندہ رکھیں بلکہ ملک میں اس کے نفاذ کے لئے کوشاں رہیں۔

روایتی اسلامی تعلیم یا مدرسہ کا نظام اور نصاب تعلیم ،دینی اور دنیوی علوم میں باہمی تعلق،غرض اس طرح کے بہت سے ایسے موضوعات ہیں جن پر گذشتہ ایک صدی سے گرما گرم بحث مسلمانوں اور مغربی فلسفیوں کے مابین جاری ہے ۔ان معاملات پر مغربی میڈیا ایک خاص زاویے کو سامنے لایا ہے جو کہ اصل حقیقت سے خاصا دور ہے۔مدارس کے نظام اور نصاب تعلیم سے متعلق بہت سارے شبہات پیدا کیے گئے۔مثلاً یہ کہ اس نظام تعلیم کی دنیا اوراس کے معاملات کے ساتھ مطابقت نہیں اور جدید ادارے دنیوی معاملات معیشت ومعاشرت چلانے کے اصل حقدار ہیں۔ڈاکٹرمحمود احمد غازیؒ نے ان تمام امور کی طرف اہل علم کی توجہ دلائی اور بذات خود ان شبہات وسوالات کے جواب دینے کی کوشش کی

دینی اور دنیوی علوم کی تفریق:

ڈاکٹرغازی دین ودنیا کی تفریق کے نظریے کو اسلام کے لیے نہایت خطرناک تصور کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں بارہ تیرہ سو سال تک کوئی ایسی صورتحال پیدا نہیں ہوئی جہاں علوم وفنون میں دین ودنیا کی تفریق اور دوئی پائی جاتی ہو،اور وہاں کبھی ثنویت کے نظریے کو پذیرائی ملنے کی نوبت نہیں آئی۔فکری یکجہتی ،نظریاتی ہم آہنگی اور معاملات کو دیکھنے کا موحدانہ نقطہ نظر ہی جاری وساری رہا۔دنیائے اسلام کے باہر سے بھی جو علوم وفنون اور کوئی فکری چیز مسلمانوں میں آئی،وہ یونانی علوم وفنون ہوں ،یا آتش پرستوں اور ہندوؤں کے،ان سب کو مسلمانوں نے اپنے رنگ میں ایسے رنگ لیا اور اسلامی فکر ان میں اس طرح جاری وساری کردی کہ بعد میں یہ اندازہ لگانا مشکل ہوگیا،کہ کونسی چیز غیروں کی طرف سے آئی تھی اور کونسی

* اسسٹنٹ پروفیسر/کوآرڈی نیٹر،درس نظامی پروگرام،کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،اسلام آباد۔

چیز خود مسلمانوں کی فکری وتہذیبی عطاء تھی۔ ڈاکٹر صاحب اس سلسلے میں منطق کی مثال پیش فرماتے ہیں۔ یونانی منطق ایک غیر اسلامی ماحول میں شروع ہوئی۔ مگر جب وہ دنیائے اسلام میں داخل ہوئی تو مسلمانوں نے اس کو اس طرح از سر نو مرتب کر کے اسلامی علوم وفنون سے ہم آہنگ کر لیا کہ آج امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے اکابر اسلام کی تحریریں دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی وقت ایسا بھی تھا کہ ان علوم وفنون کا اسلامی علوم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ آج یونانی علوم و منطق پڑھے بغیر امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے اکابر کی کتابیں پڑھنا اور سمجھ لینا ممکن نہیں۔ (۱)

ڈاکٹر غازی صاحب نے بالعموم دنیائے اسلام اور بالخصوص برصغیر کے تناظر میں یہ دیکھا کہ مسلمانوں میں تعلیمی اور نصابی دوئی اور تمام طبقات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے امت مسلمہ فکری طور پر کئی حصوں میں بٹ گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ دو اڑھائی سو سال کی تاریخ کا ہم جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مسلمانوں نے اپنی اس روایت کا دامن چھوڑ دیا، یا کم از کم اسے اس طرح باقی نہیں رکھ سکے جیسے صدر اسلام میں اکابر اسلام نے قائم کیا تھا۔ مغربی علوم کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ شروع میں تشکک، تامل اور احتیاط کا رہا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ملک میں دینی طبقات کی جو مین سٹریم "(Mainstream)" تھی (جو اس وقت مین سٹریم کہلاتی تھی) وہ ان علوم وفنون کا ساتھ نہیں دے سکی۔ یہ قافلہ ایک رخ پر چل نکلا اور وہ ایک دوسرے رخ پر چلتے رہے۔ اس کا نتیجہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے دو مختلف اور آزاد رو جدولوں کی شکل میں نکلا جن کا اب ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک دوسرے کی زبان ہی نہیں سمجھتے۔ ایک دوسرے کی اصطلاحات سے واقف نہیں، ایک دوسرے کے پیش کئے ہوئے سوالات کے جوابات دینے کے قابل نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک تقریر میں اس کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ دور جدید کا آدمی جس فریکوینسی پر بات سمجھتا ہے، عالم اس فریکوینسی پر آپریٹ نہیں کرتا۔ اب اس پیغام کو دور جدید کے آدمی تک پہنچانے کی ایک شکل تو یہ ہے کہ پوری دنیا کے لوگوں کو اسلامی علوم پڑھائے جائیں جو بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ دوسری شکل یہ ہوسکتی ہے کہ جس طرح امام غزالیؒ اور امام رازیؒ نے اپنے اپنے زمانہ میں منطق اور فلسفہ پڑھا تھا، علمائے کرام بھی چند ضروری اور جدید علوم کو اس حد تک پڑھ لیں کہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ دور جدید کا آدمی جس اسلوب اور جس زبان میں سوال کرتا ہے اسی اسلوب اور اسی زبان میں اسے جواب دیا جاسکے۔ جدید دنیا میں اگر قوت محرکہ اور قوت نافذہ کے طور پر اسلام کا وجود باقی رہنا ہے اور (یقیناً رہے گا) تو اس کے لئے ایسے افراد کا وجود ناگزیر ہے۔ (۲) امت مسلمہ کے لئے دو الگ الگ جدولوں کے نقصان کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ دو متوازی جدولوں کا وجود ہمارے ملک میں خاص طور پر اور دنیائے اسلام میں عام طور پر دین و دنیا میں تفریق کے نظریہ کو فروغ دے رہا ہے اور یوں سیکولرازم کے غیر اسلامی تشخص کو پروان چڑھا رہا ہے۔ سیکولرازم کا مقصد یہ ہے کہ دینی

تعلیم اور مذہبی ہدایت ورہنمائی کو زندگی کے عملی میدان سے نکال دیا جائے جیسا کہ مغرب میں ہوا ہے اور دوسرے کئی ممالک میں ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کے ان دو متوازی نظاموں کی وجہ سے اس کو مزید مہمیز مل رہی ہے۔ تعلیم کے ایک نظام کا دائرہ صرف مسجد تک محدود رہے اور دوسرا نظام، زندگی کے بقیہ سب پہلوؤں کو چلاتا رہے تو اسی کو سیکولرازم کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے عملاً سیکولرازم ہمارے ملک میں آچکا ہے۔ ڈاکٹر غازیؒ فرماتے ہیں:

''اور اگر گستاخی نہ ہو تو یہ میں بھی عرض کرنے کے لئے تیار ہوں کہ علماء کے اس رویے سے سیکولر ازم کو فروغ ملا ہے۔''

سیکولرازم کی نظریاتی بنیاد کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ بنیاد موجودہ بائبل میں مندرج ہے (کس نے اور کب اس جملے کا اندراج کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کہ ''جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو اور جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دو'' اگر یہ سیکولرازم کی بنیاد ہے تو پھر یہ بھی سیکولرازم ہے کہ جو مذہبی تعلیم ہے وہ مسجد میں ہو اور جو غیر مذہبی تعلیم ہے وہ مسجد سے باہر ہو۔ مسجد سے باہر دی جانے والی تعلیم معاشی، معاشرتی اور سرکاری نظام چلا رہی ہو اور مسجد کی تعلیم کا دنیا کے ان مشاغل سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہی سیکولرازم ہے۔ (۳)

ایک موقع پر آپ نے نہایت دلسوزی سے فرمایا کہ اگر دینی قیادت پر فائز حضرات کا خدانخواستہ تصور سیکولر ہی ہے کہ مذہب اہل مذہب کے لئے ہے اور دنیا اہل دنیا کے لئے ہے، قیصر کو قیصر کی چیز دے دو اور پادری کو پادری کا علاقہ دے دو تو پھر بے شک دین ودنیا کی تفریق کے اس ابلیسانہ تصور پر کاربند رہیے۔ اگر نعوذ باللہ، ان اداروں کے قیام سے یہی مقصد پیش نظر ہے، تو پھر یاد رکھئے کہ لادینیت کا یہ نظام اسی طرح چلتا رہے گا۔ اگر آزاد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دینی تعلیم کا مقصد پاکستان کی تمام دینی ضرورتوں کی تکمیل نہیں ہے تو میں اپنے دل کے زخموں سے مجبور ہو کر سخت لفظ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہوں۔ وہ یہ کہ پھر سوچا جانا چاہئے کہ کیا ایسی دینی تعلیم کی ضرورت بھی ہے کہ نہیں؟ اگر پاکستان کی موجودہ دینی تعلیم، پاکستان کو، پاکستان کے مسلمانوں کو اور پاکستان کے اداروں کو اسلام کے مطابق نہیں ڈھالنا چاہتی اور ڈھالنے کے لئے رجال کار تیار کرنے کے لئے آمادہ نہیں تو پھر دینی تعلیم کی ضرورت پر از سر نو غور کر لینا چاہئے کہ اس کی ضرورت بھی ہے کہ نہیں۔ (۴)

درس نظامی اور اس کے اہداف:

درس نظامی کے نصاب کے متعلق ایک مرتبہ فرمایا: سوال یہ ہے کہ درس نظامی کا یہ نصاب ملا نظام الدین سہالویؒ مرحوم ومغفور نے کیوں اور کس مقصد کے تحت مرتب کیا تھا؟ اس پر اگر ذہن صاف ہو اور تاریخی حقائق سامنے ہوں تو یہ بات واضح

ہو جائے گی کہ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں (جس کو آپ برصغیر کی اسلامی تاریخ کا دور زوال اور دور انحطاط بھی کہہ سکتے ہیں) ریاستی نظام چلانے، اسلامی عدالتوں کو قاضی، مفتی اور مقنن فراہم کرنے کی خاطر یہ نصاب تیار کیا گیا تھا۔ یہ زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دور تھا۔ جب اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم سے دیوانی خرید لی تو کمپنی کے زیر انتظام صوبوں کے بارے میں یہ شرط رکھی گئی کہ وہاں کا نظام بدستور فقہ حنفی کے مطابق چلتا رہے گا۔ اس نظام کے لئے کمپنی کے کارپردازوں نے بھی اپنے اہتمام میں درس نظامی کے کئی ادارے قائم کیے۔ یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے مکمل اور حتمی سقوط تک جاری رہا۔ بہر حال اس کے بعد چونکہ یہی نصاب موجود تھا، اور اس نصاب کے تیار کردہ علماء دستیاب تھے، اس لئے جب دار العلوم دیوبند اور دوسرے مدارس قائم ہوئے تو انہوں نے اسی نصاب کو قابل عمل پایا اور اس کو اختیار کر لیا۔ لیکن دار العلوم دیوبند کے قیام کے بعد خود اس نصاب کو ''حقیقی درس نظامی'' نہیں رہنے دیا گیا۔ آج کا رائج الوقت درس نظامی اصل درس نظامی سے بہت مختلف چیز بن چکا ہے۔ لیکن تاریخی تسلسل میں اگر اس کو درس نظامی کہا جائے تو اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔(۵)

درس نظامی کے اہداف سے متعلق اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ان اداروں کا بنیادی مقصد، دینی علوم کے محققین، محدثین، مفسرین، فقہاء، مبلغین اور عربی دان پیدا کرنا ہے۔ ان اداروں کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ان میں محدثین، مفسرین، متکلمین، اور فقہاء اسلام کے بجائے کمپیوٹر کے ماہرین پیدا ہوں۔ یہ دینی تخصص کے ادارے ہیں اور انہی رجال کار کی تیاری کے ادارے رہیں گے۔ لیکن ہم سب لوگ فرداً فرداً یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ دینی مدارس کے متخصصین، علماء، فقہاء، محدثین مفسرین کو عصر حاضر میں اپنے تخصص کو عام لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ اس تخصص کے مطابق ملکی نظام کو ڈھالنے اور اس کے مطابق ملک کے مختلف اداروں کی تشکیل نو کے لئے بعض ایسی جزوی، معنوی تبدیلیوں، یا جامع علوم اور مہارتوں کی ضرورت ہے جس کے بغیر دور جدید میں دینی تعلیم کے تقاضوں پر کما حقہ عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔ اس نظام کا ہدف آپ کی رائے میں یہ تھا کہ ایسے اہل علم اور ایسے علماء تیار کیے جائیں جو ایک طرف اسلام کی تعلیمات کو کما حقہ گہرائی اور تعمق کے ساتھ سمجھتے ہوں، اخلاق و کردار میں ائمہ سلف کی تعلیم اور اسوہ حسنہ کا نمونہ ہوں اور دوسری طرف وہ دور جدید اور نئی تعلیم کے تحدیات Chalenges کو ایک ناقدانہ انداز میں سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔(۶)

ان دونوں پہلوؤں کی تفہیم کے لیے آپ دو مثالیں اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک امام محمد کی مثال ذکر فرماتے، کہ اگر امام محمد کی کتابیں نہ ہوتیں تو امام ابو حنیفہ کے اجتہادات کا نوے فی صد حصہ ہم تک نہ پہنچ سکتا۔ امام محمد بن حسن الشیبانی جب اپنی کتابیں مرتب فرما رہے تھے، تو انہوں نے یہ اہتمام کیا تھا کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ بازار میں گزاریں۔ اور مختلف تجارتی

وبازاری سرگرمیوں کا بذات خود جائزہ لیتے رہا کریں تاکہ ان کو یہ پتہ چلے کہ کاروبار کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح کے مسائل ومشکلات کا کاروباری طبقے کو واسطہ پڑتا ہے؛ تاکہ اسلامی فقہ کی تدوین میں ان مسائل ومشکلات کا خیال رکھا جا سکے۔ بعد کے فقہاء کرام نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ کہ ''من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل'' یا ''لیس بفقیه'' یعنی جو اپنے زمانے کے حالات نہیں جانتا اس کو فقیہ بننے کا حق نہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو فقیہ بننا چاہتا ہے، تو جہاں وہ اسلامی علوم میں گہری بصیرت رکھتا ہو وہاں اس کو زمانے کے حالات میں بھی گہری بصیرت رکھنی چاہیے۔ ڈاکٹر غازیؒ صاحب کے خیال میں یہ وہ بنیادی تصور تھا جس پر اسلامی فقہ اور اسلامی علوم وفنون کی تدوین کا دارومدار رہا۔(۷) دوسری مثال میں وہ حضرت عمرؓ کا ذکر فرماتے کہ آپؓ نے ایک مرتبہ کسی کو ایک خاص ذمہ داری پر فائز کرنے کیلئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ مانگا، ایک صاحب کے بارے میں انہیں کہا گیا کہ وہ بہت متقی، پرہیزگار ہیں اور اتنے نیک ہیں کہ ''کانه لا یعرف الشر'' (گویا کہ وہ شر کو جانتے ہی نہیں)۔ حضرت عمرؓ نے فوراً جواب دیا کہ مجھے ایسا آدمی نہیں چاہیے جو شر کو نہیں جانتا اس لئے کہ ''من لم یعرف الشر یوشک ان یقع فیه'' لہٰذا معلوم ہوا کہ شر سے بچنے کیلئے شر کو جاننا ضروری ہے۔(۸)

دینی مدارس اور ملکی تقاضے:

پاکستان میں دینی مدارس کی خدمات اور ذمہ داریوں سے متعلق آپ نے فرمایا کہ دینی مدارس ایسی فلاحی خدمت کر رہے ہیں جس کا مقابلہ پاکستان میں کسی بھی بڑے سے بڑے فلاحی ادارہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پورے پاکستان کے غریب ترین طبقے کے کم وبیش پندرہ لاکھ بچوں کو تحفظ، خوراک اور کم سے کم دینی تعلیم دے رہے ہیں۔ اس سارے کام کا سرکاری خزانہ پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتے۔ لوگوں میں خواندگی کو فروغ دے رہے ہیں، غریب طبقے کے بچوں کو سنبھالا دے کر معاشرے کی مین سٹریم میں داخل کر رہے ہیں۔(۹)

ملکی تقاضوں کے حوالہ سے دینی مدارس کی ذمہ داریوں سے متعلق ڈاکٹر صاحب کا خیال یہ ہے کہ ہماری دینی تعلیم کے متخصصین، محدثین، مفسرین اور فقہاء پیدا کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنایا جائے۔ پاکستان کے مسلمانوں کو صحیح مسلمان بننے میں مدد دی جائے۔ امت مسلمہ کی تشکیل صرف ان خطوط پر ہو جو قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں۔ اگر یہ مقصد ضروری ہے تو بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بینکاری کے نظام کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کے لئے ہمیں ایسے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے جو صحیح معنوں میں فقہی تخصص اور تعمق رکھتے ہوں، اور جدید بینکاری کے نظام سے بھی ضرورت کی حد تک واقف ہوں؟ میں یہ نہیں کہتا اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ فقہ، حدیث کی تعلیم ختم کر کے ان کو بینکار

اور اکانومسٹ بنا دیا جائے ۔ بینکار اور اکانومسٹ الگ رہیں گے، ان کو بھی شریعت اور اسلام کا بنیادی فہم دینے کی ضرورت ہے ۔ جیسا کہ ماضی اسلام کے متخصصین نے کیا۔ اس لئے ان فنی مہارتوں کی ہر دور کے لحاظ سے ضرورت اور اہمیت بدلتی رہتی ہے۔ آپ نے سیرت رسول ﷺ سے ایک مثال کو ذکر فرمایا کہ ایک زمانہ منجنیق کا تھا۔ آپ ﷺ نے چند صحابہؓ کو یمن بھیجا تا کہ منجنیق بنانا سیکھ کر آئیں اور وہاں سے لے کر بھی آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کے معرکہ میں اسے استعمال بھی فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے یمن کے عیسائیوں سے اس کی تعلیم سیکھی اور پھر آ کر اس مہارت کو طائف کی فتح میں استعمال فرمایا۔ (۱۰)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور امام ابن تیمیہؒ نے السیاسۃ الشرعیہ میں لکھا ہے کہ ایسی تمام مہارتوں اور تخصصات کا حاصل کرنا مسلمانوں کے ذمے فرض کفایہ ہے، جن کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان، غیر مسلموں کے محتاج بن کر رہیں۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محتاجی سے بچانا اور ان کو اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات میں خود کفیل بنانا یہ مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔ (۱۱)

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے دیندار طبقہ کی اس کمزوری کی طرف بھی توجہ دلائی جس کے سبب مغرب زدہ طبقہ سالہا سال سے ان پر تسلط کیے ہوئے ہے چنانچہ اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ جدید علوم آج غیر مسلموں کا ہتھیار ہیں۔ انہی ہتھیاروں سے مسلمانوں کا وہ طبقہ جو غیر مسلموں سے متاثر ہے کام لے کر ہم پر حکومت کر رہا ہے اس بارے میں ہمیں فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ آج قیادت جس طبقے کے ہاتھ میں ہے وہ طبقہ ایک خاص انداز کا تربیت یافتہ ہے۔ اس نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے خصوصی ادارے بنا رکھے ہیں۔ وہ آپس کے اختلافات کے باوجود ان اداروں کو مضبوط، مؤثر اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے پوری دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ جب ان کی تعلیم مکمل ہو جاتی ہے تو وہی ہم پر حکومت بھی کرتے ہیں۔ پچھلے ڈیڑھ دو سو برسوں سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اب ایک صورت تو یہ ہے کہ جیسے یہ سلسلہ چل رہا ہے، اس کو آپ چلنے دیں دوسری شکل یہ ہے کہ آپ اس طبقے کے اسلحے سے اس کا مقابلہ کریں اور جس اسلحے سے کام لے کر وہ طبقہ اسلام کا راستہ روک رہا ہے اسی طبقے کے ہتھیار لے کر اسلام کا دفاع کریں۔ آج سے تقریباً بارہ تیرہ سو سال پہلے یونانی منطق کو علماء اسلام نے سیکھا امام غزالی کی المستصفیٰ، امام شاطبی کی الموافقات، امام شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ ان ساری کتابوں سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان علماء نے یونانی علوم و فلسفہ کو استعمال کیا اور اس کو اسلام کا خادم بنا دیا۔ بعینہٖ اسی طرح انگریزی زبان کمپیوٹر اور جدید سائنس سب کے سب کو استعمال کر کے اسلام کا خادم بنانے کی ضرورت ہے۔ (۱۲)

دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں اصلاحات:

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں دینی مدارس کے موجودہ نظام اور موجودہ نصاب میں اوقات ہی کا ضیاع نہیں ہو رہا ہے ، بلکہ وسائل کا بھی ضیاع ہو رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''ہم آٹھ دس سال ایک طالب علم کو دینی مدارس میں پڑھاتے ہیں۔ ہم اس کو سلم اور سُلّم کی شروح تک منطق پڑھا رہے ہیں۔ ملا جلال، ملا مبین اور جتنی شروح منطق پر لکھی گئیں وہ اکثر طلبہ پڑھتے ہیں، جو شاید کسی زمانے میں ہمارے ریاستی، اجتماعی اور سماجی نظام میں اہمیت رکھتے ہوں۔ لیکن آج اگر کسی دینی درس گاہ سے ایک سال میں سو طالب علم فارغ ہو رہے ہوں، تو ان سو میں سے نوے طلبہ وہ ہیں جو کسی مسجد کی امامت اختیار کرتے ہیں یا مؤذن بنتے ہیں۔ ان کو پوری زندگی میں، سلم اور سُلّم کے مسائل، معاملات پر غور کرنے کی نہ ضرورت پڑتی ہے اور نہ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک آدمی بھی سوال کرتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جو سوالات روزانہ ایک امام مسجد سے کیے جاتے ہیں، ان سوالات کا جواب اس کے پاس نہیں ہوتا۔ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ''جب سود ختم ہو جائے گا تو پھر نظام کیسے چلے گا، کیونکہ پاکستان کی سپریم کورٹ نے بھی فیصلہ دے دیا ہے؟ ڈیفنس سیونگ کا کیا ہوگا؟ این آئی ٹی یونٹ میں جو فلاں تبدیلی لائی گئی ہے اس کے نتیجے میں یہ جائز ہیں کہ ناجائز؟ جسمانی اعضاء کی تبدیلی اور پیوندکاری حرام ہے یا حلال؟

روز مرہ کے ان مسائل کے بارے میں دینی مدرسے کے طالب علم کی کوئی تیاری نہیں ہوتی اور جو مسائل کبھی پیش نہیں آنے والے، ان پر ہم اس کے آٹھ سال ضائع کروا دیتے ہیں۔ جو اساتذہ ملا جلال اور ملا مبین کے ازکار رفتہ اور فضول مباحث کی تدریس میں مصروف ہیں، یا تحریر سنبٹ اور سوال کابلی اور سوال باسولی کے اعتراضات اور ان کے جوابات طلبہ کو رٹواتے ہیں، وہ سوچیں کہ کس مسجد اور کس خطبہ میں ان امور کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہاں کے اساتذہ اس کام کی جو تنخواہیں وصول کر رہے ہیں اور وہ تنخواہیں عامۃ الناس کے چندے سے آ رہی ہیں اور جو اللہ کی طرف سے ایک طالب علم کے پانچ سال، منطق کے ان ازکار رفتہ اور غیر متعلقہ مسائل کو یاد کرنے کے لیے صرف کروایے جائیں، ڈاکٹر صاحب کی رائے میں ایسی تعلیم دین اسلام کا مقصد نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ وہ ان علوم کی افادیت کا قائل نہیں۔ بلکہ وہ ان علوم کی افادیت کے پورے طور پر قائل ہیں، لیکن ان حضرات کے لیے جن کو محقق بننا ہے، جن کو مصنف بننا ہے، جن کو اعلیٰ سطح کا مدرس بننا ہے۔(۱۳)

ڈاکٹر صاحب کی رائے میں دینی مدارس کے نظام میں اس طرح تبدیلی کی ضرورت ہے کہ ابتدائی تین یا چار سال ضروری دینی علوم، عربی زبان، صرف، نحو اور بقدرِ ضرورت منطق پڑھائی جائے۔ منطق کی ایک یا دو کتابیں جن سے منطق کا اسلوب طالب علم کے سامنے آ جائے اور وہ قدیم کتابیں سمجھنے کے قابل ہو جائے۔ اسلامی نظام پر بحیثیت مجموعی نظر، دورِ جدید

کے بعض مذاہب اور نظریات وغیرہ اس کو پڑھائیں۔ چار سال کے بعد اسے گریجویٹ سطح پر لے آئیں۔ اس کے بعد پھر جو طلبہ محقق بننا چاہتے ہوں، اسلامی علوم وفنون میں ایک تعمق حاصل کرنا چاہتے ہوں، ان کو منطق اور فلسفہ اور اصولِ فقہ کی اعلیٰ ترین کتابیں اور جو مزید ان کو پڑھانا چاہیں ان کو پڑھائیں۔ ایسے طالب علم پر وسائل خرچ کرنا پڑیں گے، اس پر صلاحیت بھی صرف کرنا ہوگی اور وقت بھی صرف کرنا ہوگا۔

آج کل ہوتا یہ ہے کہ ایک طالب علم جسے کسی چیز کی بالکل کچھ سمجھ نہیں آتی وہ اور ذہین ترین طالب علم دونوں ایک سطح پر اٹکے رہتے ہیں۔ ذہین طالب علم اس کے ساتھ بندھا رہتا ہے، وہ آگے نہیں بڑھ پاتا۔ اور جو کند ذہن طالب علم ہوتا ہے اس کے آگے بڑھنے کے امکانات ویسے ہیں بہت کم ہوتے ہیں، یوں دونوں کی صلاحیت اور وقت ضائع ہوتا ہے۔ اگر یہ طے کر لیا جائے کہ جو طالب علم معمولی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کو اچھی تجوید اور قرآن پاک سکھا دیں، حفظ کروا دیں، کچھ بنیادی نوعیت کے مسائل یاد کروا دیں اور اس کو صرف موذنی اور تجوید و تدریس قرآن کے لئے تیار کر لیں۔ جو طلبہ ذرا ذہین ہوں ان کو مسجد کی امامت اور خطبہ کے لئے تیار کریں۔ ایک امام مسجد کو جن فقہی مسائل سے سابقہ پیش آئے گا، ایک مسجد کے خطیب کو تقریر کرنے کے لیے جو مسائل جاننے چاہئیں، وہ چار پانچ سال میں پڑھا دیں۔ اس کے بعد اس سے کہیں کہ اب جا کر امامت کرو۔ اتنی دینی تعلیم کے بعد یہ لوگ اس قابل ہو جائیں گے کہ جا کر مسجدیں سنبھالیں۔ مطلب یہ کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی دینی زندگی کے لیے واقعی تیار کیا گیا ہو۔ اس کے بعد جو لوگ دینی مدارس میں مدرس بننا چاہیں، مختلف علوم وفنون میں محقق بننا چاہیں، ان سے یہ طے کر لیں کہ وہ کن علوم وفنون میں، کن میدانوں میں استاد بننا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر غازی مرحوم کے مطابق آج ہمیں دینی تعلیم کی ان تینوں سطحوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر نئے نصابات کی تدوین کی ضرورت ہے۔ آج دینی علوم کے اعلیٰ محققین کی تیاری کے لئے ہمیں تخصص Specialization کی ضرورت ہے۔ اگر ہم یہ طے کر لیں کہ جن کو مدرس بننا ہے ان کا تخصص اگر علوم نقلیہ میں ہے تو وہ علوم نقلیہ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب وغیرہ میں تخصص کر لیں۔ علم حدیث، علم تفسیر وغیرہ کے ساتھ ساتھ بقیہ علوم نقلیہ بھی ان کو پڑھائیں، اور ان میں بھی ضروری مہارت پیدا کریں۔ اس کے لیے موجودہ سند عالیہ اور شہادۃ عالمیہ کے لیے تین چار میدان متعین کیے جا سکتے ہیں۔ جو طلبہ مناظرہ یا تبلیغ اسلام میں دوسرے مذاہب پر تحقیق کا میدان منتخب کرنا چاہتے ہیں، ان کو تقابل ادیان اور متعلقہ چیزیں پڑھا دیں۔ جو طلبہ دورِ جدید میں اسلام کے معاملات میں تخصص حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو اقتصادیات، معاشیات زیادہ بہتر انداز میں پڑھا دیں۔ مسلمان فقہاء نے علم الاموال کے میدان میں، کتاب الاموال اور کتاب الخراج میں اور اس طرح کی کتابوں میں جو لکھا ہے، اس سے طالب علم کو واقفیت ہو جائے اور معاملات کی فقہ گہرائی کے ساتھ اس کو پڑھا دی جائے۔ اس

طرح سے اگر ہم چند متخصصین پیدا کر لیں تو کم وسائل سے زیادہ بہتر انداز میں، افراد کا تیار کر سکیں گے۔(۱۴)

دینی مدارس میں تخصص اور اعلیٰ تعلیم و تحقیق:

ڈاکٹر غازی کی رائے یہ ہے کہ مدارس کے ذہین طلباء کے لئے تخصصات کے مواقع فراہم کرنا اور ان کے لئے اسلامی علوم و فنون میں اعلیٰ تعلیم و تحقیق کا انتظام کرنا وقت کی اہم اور فوری ضرورت ہے۔ آپ کے خیال میں دینی مدارس میں تخصصات کے شعبے قائم کیے جائیں لیکن ان شعبوں کا مقصد درج ذیل قسم کے اصحاب کی تیاری ہونا چاہیے:

۱۔ نمایاں اسلامی علوم (تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، اسلامی معاشیات) کے اعلیٰ مضامین کی تدریس کے لئے ایسے اساتذہ کی تیاری جو ان مضامین کی اعلیٰ سطح پر کماحقہ تعلیم دے سکیں اور دینی مدارس کے طلبہ کو آنے والے چیلنجوں اور خطرات کا سامنا کرنے کے لئے تیار کر سکیں۔

۲۔ ایسے علماء کرام کی تیاری جو ملکی جامعات اور عصری تعلیمی اداروں میں اعلیٰ سطح پر اسلامی علوم کی تدریس کی ذمہ داریاں کامیابی سے انجام دے سکیں، اور وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے عمل کی مؤثر رہنمائی کر سکیں۔

۳۔ ایسے اہل علم اور اصحاب تخصص کی تیاری جو اسلامی علوم کے بارے میں پیدا کی جانے والی بدگمانیوں اور اسلامی عقائد و احکام کے بارے میں کیے جانیوالے اعتراضات کا مدلل اور تسلی بخش جواب دے سکیں۔

۴۔ ایسے اہل علم کی تیاری جو اپنی عمیق دینی مہارت کی بنیاد پر مغربی علوم و فنون کا ناقدانہ جائزہ لے سکیں اور مغربی افکار و تصورات کا اسلامی شریعت کی روشنی میں تنقیدی مطالعہ کر کے ان کے رطب و یابس کو الگ الگ کر سکیں۔(۱۵)

ڈاکٹر غازی نے دینی مدارس کے فاضلین کے لئے تخصص کے مختلف میدانوں کی وضاحت کی۔ آپ لکھتے ہیں کہ یوں تو تخصص کی ضرورت مختلف میدانوں میں ہے لیکن خاص طور پر درج ذیل شعبوں میں تخصص کی ضرورت آج انتہائی شدید ہے:

۱۔ تفسیر اور علوم القرآن

۲۔ حدیث اور علوم حدیث

۳۔ فقہ اور اصول فقہ

۴۔ افتاء اور قضاء

۵۔ عقیدہ اور کلام

۶۔ اسلامی معیشت و تجارت

۷۔ تقابل ادیان

۸۔ فکر جدید اور مطالعہ مغرب

۹۔ اسلام اور اسلامی تہذیب عصر جدید میں

۱۰۔ عربی زبان و ادب

تخصص کا پروگرام کسی صورت میں بھی تین سال سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ ان تین سالوں میں ابتدائی دو سال باقاعدہ نصابات اور مقررہ کتب کی تدریس کے لیے وقف ہوں، اور تیسرا سال تحقیقی مقالہ اور اپنے موضوع سے متعلق چند مضامین کی، جن کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہ ہو، تدریس پر مشتمل ہونا چاہئے۔

تخصص کی سطح پر متعلقہ میدان میں مغربی مفکرین نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے طلبہ کو گہری واقفیت ہونی چاہیے۔ امید کی جانی چاہیے کہ تخصص تک پہنچنے والے تمام طلبہ انگریزی کتب اور تحریروں سے بسہولت استفادہ کرنے کے اہل ہوں گے۔

تخصص کی سطح پر مضامین، موضوعات اور کتب کا تعین کرنے کے لیے تین معیارات کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ متعلقہ میدان تخصص کے بارے میں اکابر اسلام کی نمایاں خدمات اور ان کے اساسی کام سے طلبہ براہ راست واقف ہو جائیں

۲۔ متعلقہ میدان تخصص میں جو جو توسعات اور ترقیاں ہوئی ہیں، ان سے طلبہ براہ راست مانوس ہو جائیں۔

۳۔ متعلقہ میدان تخصص کی موجودہ صورت حال پورے طور پر طلبہ کو گرفت میں ہو، یعنی بیسویں صدی میں اس موضوع پر مسلمان اہل علم کا مایاں کام کیا ہے۔ مغربی مستشرقین نے اس بارے میں کیا کہا ہے اور مستشرقین کے اثرات کے تحت دنیائے اسلام میں جو رجحانات پیدا ہوئے ہیں، ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔(۱۶)

ڈاکٹر صاحب مدارس علوم دینیہ کے بارے میں نہایت متفکر رہتے تھے وہ یہ چاہتے تھے کہ اس نظام میں پڑھنے والے طلباء بالخصوص ملک پاکستان میں اور بالعموم پوری دنیا میں خاص کردار ادا کر سکیں، ان کا خیال یہ تھا کہ اس کیلئے کسی بڑے پیمانے کی نہیں بلکہ تھوڑی لیکن مناسب تبدیلیوں کی ضرورت ہے جن میں ایک ضروری چیز زبان ہے۔ مدارس کے طلباء کو عربی اور انگریزی زبانوں کو بالخصوص اور دیگر اہم زبانوں کو بالعموم سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ زبانوں کو سیکھنے سے معاشرے میں علماء کی افادیت کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کا مقصدِ زندگی صرف اور صرف اسلام کا احیاء اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور اسی کے لئے آپ نے اپنی حیات کے لمحات کو صرف کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ پہلی سالانہ رپورٹ، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، طبع، اکتوبر ۲۰۰۲، ص: ۸۵

۲۔ ایضا: ۸۶

۳۔ (ایضا ۸۸)۔ نیز ملاحظہ ہو، محمد رشید کا مضمون اسلام کے سیاسی وتہذیبی تصورات ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار کی روشنی میں، ماہنامہ الشریعہ جنوری رفروری 2011 خصوصی اشاعت بیاد ڈاکٹر محمود احمد غازی ص ۳۳۰، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۸

۴۔ سلیم منصور خالد، دینی مدارس میں تعلیم، ڈاکٹر محمود احمد غازی کا خطبہ بعنوان، دینی مدارس، مفروضے، حقائق، لائحہ عمل طبع، iiit، اسلام آباد، ص: ۶۷۔۶۸

۵۔ ایضا: ۶۶، نیز محاضرات حدیث از ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص: ۴۳۳

۶۔ پہلی سالانہ رپورٹ، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، ص: 83)

۷۔ سلیم منصور خالد، ص: ۷۴

۸۔ ایضا، ص: ۶۹، نیز ملاحظہ ہو، ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مقالہ ,,دینی وعصری تعلیم کا امتزاج، فوائد ونقصانات،، مجموعہ مقالات، تدریب المعلمین، جامعہ دارالعلوم اسلامیہ، ج: ۲، ص: ۱۸۵

۹۔ پہلی سالانہ رپورٹ، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، ص: ۹۰)

۱۰۔ السھیلی: الروض الانف ،فصل ذکر تعلیم اہل الطائف، نیز، المقریزی ،الامتاع والاسماع۔ ص: ۴۱۸

۱۱۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، ابوالعباس الحرانی، السیاستہ الشرعیہ فی احکام الراعی والرعیہ، ص: ۱۰۷

۱۲۔ سلیم منصور خالد، ص: ۷۲، ۷۳)

۱۳۔ ایضا، ص: ۷۷

۱۴۔ ایضا، ص: ۷۹

۱۵۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری، 2008۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مضمون، ''دینی مدارس میں تخصص اور اعلیٰ تعلیم وتحقیق''

۱۶۔ ایضاً

مکاتیب ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ بنام ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

* ڈاکٹر محمد سجاد

(۱)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ عالم اسلام کے نامور محقق، مفکر اور سیرت نگار تھے۔ آپ کی علمی، فکری، تحقیقی و تصنیفی زندگی تقریباً اسّی پچاسی سال کے طویل عرصے پر پھیلی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلق خاندان نوائط سے تھا۔ نوائط کا نسبی تعلق عرب کے معزز قبیلہ بنو ہاشم کی ایک شاخ سے تھا۔ یہ لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ نوائط نے حجاج بن یوسف کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ہجرت کی اور یہ خاندان جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر آ کر آباد ہو گیا تھا۔ یہ خاندان اپنی دین داری شرافت اور علمی رجحانات وخدمات کے لحاظ سے بہت معروف ومشہور ہے(۱)۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۶ محرم ۱۳۲۶ ہجری بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ بروز چہار شنبہ کو فیل خانہ جو کہ حیدر آباد (دکن) کا قدیم محلّہ تھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام ابو محمد خلیل اللہ تھا جو کہ مدد گار معتمد مال گزاری حیدر آباد تھے اور والدہ کا نام بی بی سلطان تھا۔ آپ کی پانچ بہنیں اور تین بھائی تھے۔ ایک بھائی کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ بہنوں کے نام امتہ العزیز بیگم، امتہ الوہاب بیگم، امتہ رقیہ بیگم، امتہ الصمد بیگم، حبیبۃ الرحمٰن اور بھائیوں کے نام محمد صبغت اللہ، محمد حبیب اللہ اور محمد غلام احمد ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تعلیم کا آغاز گھر سے دینی تعلیم سے ہوا۔ ان کی رسم بسم اللہ والد محترم نے پڑھائی۔ کچھ عرصے تک خود بیٹے کو درس دیتے رہے۔ پھر حیدر آباد کی مشہور درس گاہ دارالعلوم میں داخل کرایا جہاں وہ چھٹے درجے تک پڑھتے رہے۔ چھٹی جماعت کے بعد انہیں مدرسہ نظامیہ میں شریک کرایا۔ ایک سال وہ وہاں پڑھتے رہے۔

اس زمانے میں انگریزی تعلیم حاصل کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مگر ڈاکٹر حمید اللہ انگریزی زبان کی اہمیت سے واقف تھے۔ انہوں نے انگریزی تعلیم اپنے والد صاحب کی اجازت کے بغیر حاصل کرنا شروع کی۔

عبدالرحمٰن مومن لکھتے ہیں:

> ''جامعہ نظامیہ کی طالب علمی کے زمانہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے والد کو بتائے بغیر انگریزی پڑھنی شروع کر دی۔ پھر ۱۹۲۳ میں مدرسہ دارالعلوم سے میٹرک کا امتحان نجی طور

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

پر دیا جس میں درجہ اول میں کامیاب ہوئے۔ اخبار میں کامیاب طلبہ کی فہرست شائع ہوئی اور ڈاکٹر حمید اللہ کے والد نے ان کا نام کامیاب طلبہ کی فہرست میں دیکھا تو ان کو طلب کیا۔ وہ گھبرائے ہوئے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے انہیں ڈر تھا کہ ان کی حرکت پر والد صاحب ناراض ہوں گے اور انہیں سخت سست کہیں گے لیکن اس کے برخلاف انہوں نے اپنے ہونہار بیٹے کو گلے لگایا اور ستائش اور ہمت افزائی کے کلمات کہے''۔(۲)

ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر صاحب نے جامعہ عثمانیہ سے فقہ میں بی اے کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال تھی۔ ۱۹۳۰ء میں ایم اے کا امتحان درجہ اوّل میں پاس کیا اور اسی سال ایل ایل بی بھی کر لیا۔ جامعہ عثمانیہ میں تحقیقات علمیہ کے لیے علیحدہ شعبہ ۱۹۳۰ء میں قائم کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس شعبہ کے پہلے طالب علم تھے۔ ان کی تحقیق کا موضوع ''اسلامی و یورپی قانون بین الممالک کا تقابلی مطالعہ'' تھا۔ ایم اے میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے پر ڈاکٹر صاحب کو جامعہ عثمانیہ سے دو سال کے لیے ۷۵ روپے ماہوار وظیفہ ملا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جامعہ عثمانیہ سے درخواست کی کہ انہیں تحقیقی کام کے لیے مواد جمع کرنے کے لیے بیرون ملک جانے کی اجازت دی جائے اور وہاں ان کا وظیفہ بھی جاری رکھا جائے، جو جامعہ عثمانیہ نے قبول کی

حصول علم اور تحقیق کا شوق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو یورپ لے گیا۔ جہاں کی لائبریریوں اور درس گاہوں سے آپ نے خوب استفادہ کیا۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں جب وہ تحقیقی کام کے سلسلہ میں استنبول میں تھے تو جرمنی کی بون یونیورسٹی کے پروفیسر کرنیکو نے ان کو بون آنے کی دعوت دی۔ جامعہ عثمانیہ نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا مقالہ بون یونیورسٹی کو پیش کر سکتے ہیں۔ بون یونیورسٹی میں قیام کے دوران مخطوطات سے استفادہ کیا۔ برلین میں بعض نادر ونایاب مخطوطات دریافت کیے۔ بون یونیورسٹی میں ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر صاحب نے اپنا تحقیقی مقالہ ''اسلام کے بین الاقوامی قانون میں غیر جانب داری'' کے موضوع پر پیش کیا۔ اس مقالہ پر آپ کو ڈی فل کی ڈگری عطا کی گئی۔ اس کے بعد آپ پیرس آئے۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے پیرس کی مشہور و معروف سور بون یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے لیے داخلہ لیا۔ ان کے تحقیقی مقالے کا موضوع تھا ''عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری'' گیارہ مہینے کی قلیل مدت میں مقالہ مکمل کیا اور ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو انہیں ڈی لٹ کی سند نہایت اعزاز کے ساتھ عطا کی گئی۔ جرمنی

اورفرانس کی جامعات سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب کا ارادہ ماسکو یونیورسٹی سے تیسری ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کا تھا، لیکن آپ کے وظیفہ کی مدت ختم ہوگئی۔اعلیٰ ڈگریز کے حصول کے بعد ڈاکٹر صاحب وطن تشریف لائے اور مادرعلمی جامعہ عثمانیہ سے وابستہ ہو گئے۔ جہاں وہ دینیات اور اسلامی قانون کی تعلیم دیتے رہے۔یہ سلسلہ ۱۹۴۸ تک جاری رہا۔

تقسیم ہند کے بعد ریاست حیدرآباد کا سقوط ہوگیا تو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے پیرس کو اپنا مستقل رہائشی مقام بنانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے فرانس کے ممتاز ادارے نیشنل سنٹر آف سائنٹفک ریسرچ National Centre of Scientific Research میں شمولیت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ ترکی میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں ڈاکٹر ز کی ولیدی طوغان نے (جو استنبول یونیورسٹی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر تھے)۔ ڈاکٹر صاحب کو مہمان پروفیسر کی حیثیت سے مدعو کیا۔ ان کے لیکچروں میں طلبہ کے علاوہ تعلیم یافتہ افراد اور دانشوروں کی خاصی تعداد شریک ہوا کرتی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ڈاکٹر صاحب کے علم وفضل اور سیرت وکردار کی شہرت سارے ملک میں پھیل گئی۔ پچیس برس تک وہ استانبول یونیورسٹی، ارض روم یونیورسٹی اور دیگر جامعات میں مہمان پروفیسر کی حیثیت سے جاتے رہے۔ وہ سال میں تین مہینے ترکی اور باقی ایام پیرس میں گزارتے تھے۔ یورپ کے قیام کے دوران ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جرمنی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ پیرس میں آپ نے مستقل قیام کیا۔ وہاں کتب خانوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ پیرس کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہاں پر رہتے ہوئے انہوں نے تحقیق کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک بلند پایہ محقق، عالم دین، ادیب اور داعی اللہ تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی تحقیق، تصنیف وتالیف اور اسلام کی خدمت میں صرف کر دی۔ انہوں نے بے شمار علمی خزانہ ورثے میں چھوڑا ہے جو دین اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور قابلِ فخر سرمایہ ہے۔انہوں نے قرآن وحدیث، فقہ وقانون اور سیرت النبی ﷺ جیسے متنوع ومختلف موضوعات پر تقریباً ایک ہزار مقالات اور 170 وقیع کتب یادگار چھوڑی ہیں۔ محمد حمید اللہ کا علمی وفکری سرمایہ صرف ان کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب ومقالات تک ہی محدود نہیں رہا۔ ان کے مکاتیب بھی علوم ومعارف کا ایک وقیع گنجینہ ہیں۔ ان مکاتیب سے نہ صرف مختلف اسلامی علوم وفنون کے حوالے سے قیمتی ومفید معلومات فراہم ہوتی ہیں بلکہ ان سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت ان کے اصول زندگانی، ان کے

عادات و معمولات اور ان کی گوناں گوں دلچسپیوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے سرمایہ علمی میں چند معروف کتب درج ذیل ہیں۔

قرآن مجید:

۱۔ القرآن الحکیم (فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔ پہلا ایڈیشن پیرس سے ۱۹۵۹ میں چھپا)

۲۔ مصحف قرآن عثمانیؓ، سمرقند کے نسخے سے فوٹو کاپی کروا کر جدید عربی خط میں نقطوں، اعرابوں کے ساتھ مرتب کر کے فلاڈلفیا امریکہ سے ۱۹۸۵ھ میں شائع کیا۔

۳۔ القرآن فی کل لسان (۱۲۰) زبانوں میں قرآنی تراجم کی ببلو گرافی کے ساتھ سورہ فاتحہ بطور نمونہ شائع کیا تھا۔

حدیث:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے روایتی انداز میں تدریسی حدیث کا کام نہیں کیا ہے۔ انہوں نے اکثر و بیشتر احادیث کے نادر و نایاب مخطوطوں کی تحقیق اور روایات کی تخریج کا عرق ریزی والا کام کیا۔ تحقیق و تخریج کے علاوہ آپ نے ترجمہ، توسیعی خطبات اور حدیث کے میدان میں تحقیق کرنے والوں کی راہنمائی کا بھرپور فریضہ سرانجام دیا۔ آپ کی خدما ت حدیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، احادیث کا قدیم ترین مجموعہ اور تاریخ و تدوین حدیث کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۷۹ء حیدر آباد سے شائع ہوا۔ عربی، ترکی، فرانسیسی اور انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۲۔ اشاریہ و تصحیح ''ترجمہ صحیح بخاری'' ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے امام بخاری کی الجامع الصحیح کا اشاریہ مرتب کیا۔

۳۔ کتاب السرد و الفرد، تحقیق و تخریج، ہجرہ کونسل اسلام آباد

سیرت:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سیرت رسول اللہ ﷺ پر کئی زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ نے سیرت رسول اللہ ﷺ پر منفرد انداز میں لکھا۔ سیرتِ رسول اللہ پر لکھی گئی کتب یہ ہیں۔

۱۔ ''رسول اکرم کی سیاسی زندگی'' ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' یہ کتاب پہلی مرتبہ دہلی سے ۱۹۴۴ء میں چھپی۔ اردو اکیڈمی سندھ کراچی سے اس کے متعدد ایڈیشن چھپے ہیں۔

۳۔ ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' اس کتاب کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہو چکا ہے۔

۴۔ ''سیرۃ طیبہ کا پیغام عصرِ حاضر کے نام'' (اس تقریر کو کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے جو کہ الحمراء ہال لاہور میں ۱۹۹۲ء میں کی تھی)۔

۵۔ ''سیرۃ طیبہ'' عثمانیہ یونیورسٹی کے لیکچرز (ان لیکچرز کا مجموعہ ہے جو کہ طالب علموں کو دیا کرتے تھے) حیدر آباد سے شائع ہوئی۔

۶۔ آنحضرت اور جوانی (مختصر رسالہ ہے) جو پہلے سکندر آباد دکن سے شائع ہوا پھر کراچی سے حسام الدین غوری نے شائع کیا۔

۷۔ ''محمد رسول اللہ'' یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔

فقہ:

۱۔ ''امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی'' (طبع سادس کراچی ۱۹۸۳ء۔

۲۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ'' یہ کتاب دار النفائس بیروت سے شائع ہوئی۔

۳۔ ''قانون بین الممالک'' (امام محمد بن حسن الشیبانی) کی عربی میں لکھی ہوئی کتاب کا فرانسیسی میں ترجمہ یونیسکو کی مدد سے چار جلدوں میں شائع کیا۔

۴۔ ''قانون شہادت'' ۱۹۴۴ء میں حیدر آباد سے شائع ہوئی۔

۵۔ اسلامی ریاست عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد، لاہور سے شائع ہوئی۔

۶۔ اسلامی قانون اور نظریہ پر دستوری ارتقاء، (ڈی بی مکیڈانلڈ کی انگریزی کتاب کا ترجمہ کیا)۔

۷۔ Muslim conduct of State، یہ کتاب لاہور سے شائع ہوئی

متفرق تصانیف:

۱۔ اسلام کا تعارف (انگریزی) پہلا ایڈیشن پیرس میں چھپا۔

۲۔ روزہ کیوں؟ پہلا ایڈیشن جرمنی میں چھپا۔ کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۳۔ خطبات گارساں دتاسی ترجمہ پر نظر ثانی۔

۴۔ کتاب النبات از ابو حنیفہ دینوری کی پہلی جلد قاہرہ سے چھپی دوسری جلد ہمدرد کراچی نے ۱۹۹۳ء میں شائع کی۔

۵۔ اسلام کے بنیادی مسائل کا حل (انگریزی)

مسلمانوں کا طرز حکومت، ۱۹۷۷ء میں ساتواں ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا۔ (۳)

(۲)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ عالم اسلام کے نامور سکالر، مفکر، اور داعی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی علمی و تحقیقی خدمات کے قدر دان تھے۔ دونوں صاحبان علم کی علمی دلچسپیاں فقہ اسلامی، اسلام کے قانون بین الممالک، اور سیرت طیبہ میں تھیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے نہ صرف ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی علمی مطالعات وتحقیقات سے استفادہ فرمایا بلکہ ان کو متعارف کروانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر غازیؒ صاحب نے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی وفات پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

> مجھے ذاتی طور پر ان سے ملنے کا ۱۹۷۳ء میں نیاز ہوا اور ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے آخری مہینوں تک جاری رہا، اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے کوئی ایسی تحریر نہیں نکلی جو انہوں نے کبھی اپنے دستخط یا دستخط کے بغیر مجھے اس کے ارسال سے مشرف نہ فرمایا ہو، اس دوران میں بار بار ایسے مواقع آئے کہ ڈاکٹر صاحب نے بعض زیر تحقیق معاملے میں مجھے اس کا مستحق سمجھا، اس قابل گردانا کہ مشاورت کا شرف عطا کر سکیں۔ (۴)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے حوالے سے اپنے تاثرات میں اس بات کا بھی ذکر فرمایا کہ

> ڈاکٹر (محمد حمید اللہؒ) صاحب کے اس وقت میرے پاس ۱۲۴ خطوط محفوظ اور دستیاب ہیں، ممکن ہے کہ کچھ اور خطوط بھی کاغذات سے مل جائیں۔ ان خطوط کو مرتب کرنے کا پروگرام ہے اور ان خطوط کی تمہید میں یہ ساری یاداشتیں جو ابھی تک حافظے میں ہیں لکھی نہیں گئیں اس تمہید میں لکھنے کا پروگرام ہے۔ بظاہر تمہید بھی ۱۵۰۔۲۰۰ صفحے کی ہوگی۔ (۵)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ صاحب نے اپنے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے یہ خطوط کمپوز کروا لیے تھے اور اب وہ ان خطوط کا پس

منظر بیان کرتے ہوئے تفصیلی حواشی لکھنا چاہتے تھے۔مگر بیرونی سفراور دیگر مصروفیات کی وجہ سے یہ کام مکمل نہ ہوسکا۔
راقم نے ڈاکٹر صاحب کے حکم پر ان خطوط کی پروف خوانی کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ان خطوط میں جن علمی نکات کی نشاندہی کی گئی ہے ان کے حواشی میں لکھ دوں اور جو امور آپ سے متعلق ہیں ان کی آپ خود وضاحت کردیں۔آپ نے اس تجویز کو پسند کیا اور فرمایا کہ کوئی وقت مقرر کر لیتے ہیں ۔مگر اللہ تعالی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔اس کے بعد ملاقات کی نوبت نہ آسکی اور آپ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ان خطوط میں سے دس خطوط ماہنامہ ''الشریعہ'' کی خصوصی اشاعت ''بیاد ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ'' میں چھپ چکے ہیں اب تمام خطوط ترتیب کے ساتھ نذر قارئین ہیں:

خط نمبر: ۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۷ ربیع الانور ۱۳۹۴ھ

مکرمی زاد مجدکم

سلام مسنون-آپ کا عنایت نامہ کل یہاں پاریس ہوکر آیا۔ممنون ہوا

اگر کسی شخص کو قابلِ طباعت فرانسیسی آتی ہو اور مصارف طباعت کا بھی انتظام کرسکتا ہو تو:

الف) عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک کے حالات

ب) حضرت بلالؓ،صہیبؓ وسلمان فارسیؓ میں سے ہر ایک کے حالات

ج) ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے حالات

د) دیگر ممتاز صحابیاتؓ کے حالات

ھ) اخلاقی قصے کہانیان،لطائف،ضرب الامثال

و) اردو کے شہ کاروں کے ترجمے

ز) تصوف پر اچھی کتابیں جو خلاف شریعت نہ ہوں

غرض آغاز ہے،ابتدائی نوعیت کی کتابیں بھی نومسلموں اور ان کی اولاد کو درکار ہیں اور بلند پایہ کتابیں بھی،

السعی منا والاتمام من اللہ کار دنیا کسے تمام نکرد

مجھے یہاں مئی کے اواخر تک رہنا ہے

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۲-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی دام لطفکم ۲۱ رجب ۱۳۹۴ھ

سلام مسنون

آج صبح عنایت نامہ ملا، شکر گزار ہوں۔

آپ کا سوال فرانسیسی تالیف کے متعلق ایسا ہے جس کا خود آپ ہی نے جواب دے دیا ہے کہ عبد القدوس صاحب آپ کی مدد فرمانے والے ہیں۔ دوسرے سوال کے سلسلے میں یہ محض حسن ظن ہے کہ فرنگستان میں ہر چیز تیار ملتی ہے، ضرورت بس ایک پوسٹ کارڈ یا ایروگرام کے لکھنے کی ہے۔ یورپ میں مردم شماری کے وقت کبھی مذہب دریافت نہیں کیا جاتا، کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں کتنے مسلمان ہیں۔

کافی عرصہ ہوا پروفیسر ماسین یوں Massignon نے سالنامہ عالم اسلام Annuai nedu monde musulman شائع کرنا شروع کیا تھا. اس میں ہر قسم کے معلومات تھے. اب تو مؤلف کی وفات بھی ہو چکی ہے. معلومات کی ''صحت'' کا اندازہ اس سے کیجئے کہ انگلستان میں دس بارہ نو مسلم ہیں، فرانس میں ایک بھی نہیں! فرانس میں آج کل پچیس تیس لاکھ مسلمان ہیں، جن میں خاصے نو مسلم بھی ہیں. میرے اندازے میں شہر پاریس ہی میں دس ہزار سے کچھ زیادہ نو مسلم ہیں. یہاں فی الحال France-Islam نامی ایک فرانسیسی ماہنامہ ہے۔ تین اسلامی انجمنیں قابل ذکر ہیں:

Centre Cultural Islamique,
Amicale des Musulmans
Association des Etudiants Islamiques

انگلستان میں سو سے زائد مسجدیں ہیں۔ پاریس میں اب بارہ پندرہ ہو چلی ہیں۔

انگلستان میں کم از کم نو گرجا مسلمانوں کی مسجدوں کا کام دیتے ہیں تو پاریس میں دو، باقی فرانس میں مزید دو کا مجھے علم ہے، مگر ان خبروں کی اشاعت سے ہمیں مشکلیں ہی پیش آئیں گی کیونکہ ہر ملک وقوم میں تنگ نظر اور متعصب لوگ بھی ہوتے ہیں اور وہ شور مچائیں تو روادار لوگ بھی ہاتھ روک لیتے ہیں

راوس کے مسلمان کے متعلق کوئی پندرہ بیس سال قبل فرانسیسی وزارت خارجہ نے ایک کتاب شائع کی تھی مؤلف کا نام Bennigsen ہے مگر اب اس کا ملنا ممکن نہیں۔

والسلام

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۳-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۷/محرم ۱۳۹۵ھ

مکرمی

سلام مسنون عنایت نامہ ملا. شکریہ. پابہ رکاب ہوں۔ آپ کا سوال مجھے بھایا نہیں، کسی بھی موضوع کو لیا جاسکتا ہے، اہمیت عنوان کو نہیں مندرجات کو ہوتی ہے. ہر موضوع پر کام ہوسکتا ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی دام لطفکم ۲۵/ذوالقعدہ ۱۳۹۶ھ

سلام مسنون۔ عید مبارک

عنایت نامہ ملا اور یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ کی محترم وعزیز ہمشیرہ نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے. میری مبارکباد پہنچائیں، توقع ہے کہ یہ چھٹے (آخری) اڈیشن پر مبنی ہے۔

اگر وہ چاہتی ہیں --- اور یہ ضروری نہیں --- کہ میں بھی ترجمے پر ایک نظر ڈال لوں تو براہ کرم ارسال سے قبل مجھ سے پوچھ لیں۔ اگر وصولی کے زمانے میں، میں پاریس میں نہ رہوں تو بستہ بھیجنے والوں کو واپس ہوجائیگا. سمندری ڈاک دو ماہ سے زیادہ لیتی ہے۔

مخلص

محمد حمید اللہ

مکرر

براہ کرم کبھی پارسل نہ بھیجئے، وہ لازماً چنگی خانہ جاتی ہے اور چنگی نہ بھی لی جائے تو اجرت کار بارہ فرانک (تقریباً چھتیس روپے) لی جاتی ہے۔ امید کہ خیال رکھا جائے گا۔

خط نمبر: ۵-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم زاد مجدکم ۶ محرم ۱۳۹۸ھ

سلام مسنون۔ آپ کا عنایت نامہ استانبول والوں کی عنایت سے کل یہاں آیا، شکریہ عزیز آپا جان کو میری مبارک باد فرمائیں۔ میں دو دن میں جرمنی کے سفر پر جا رہا ہوں. دو ایک ہفتوں میں واپس آنے پر مکرر جنوبی فرانس جانا ہے ۔فروری میں ترکی کا سفر درپیش ہے (اس سال استانبول کی جگہ ارضروم کی دعوت آئی ہے) اور وہاں کثیر سرکاری فرائض میں اس کا وقت نہ ملے گا کہ آپا جان کا کام کروں۔ اصل کتاب بھی ساتھ نہ ہوگی (میں اشرف صاحب کو ساتواں اڈیشن تصحیح کے بعد ان کی فرمائش پر بھیج چکا ہوں، معلوم نہیں چھاپا یا نہیں) چھٹے اڈیشن میں عربی متن بہت غلط چھپے ہیں۔

ان حالات میں التجاء ہے کہ ساری کتاب ایک ساتھ اس طرح بھیجیں کہ وہ مثلاً جون کے آغاز میں فرانس آئے. احتیاطاً پتہ لینڈ لیڈی کا لکھئے تا کہ میری غیر حاضری میں بھی ڈاکیا بستہ پہنچا دے۔

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

LA CONCIERGE

POUR Mr. Hamidullah

4, Rue de Tournan

25006-Paris/France

خط نمبر: ٦-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم ومحترم متعنا اللہ بطول حیاتکم ۲۷ ربیع الانور ۱۴۰۰ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے اس ناچیز کی جو قدر افزائی اور مہمان نوازی اسلام آباد میں فرمائی، اس پر ممنونیت کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں پاتا۔ حفظکم اللہ وعافاکم۔

بہاولپور کا سفر متعین ہو چکا ہے ان شاء اللہ پاریس سے ۵ مارچ کو نکلوں گا اور ایک دن کراچی میں آرام لے کر آگے روانہ ہو جاؤں گا۔ ۸تا۲۱ مارچ وہاں درس ہیں۔ پھر فرانس واپسی ہے۔ ابھی یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ آیا مختصر قیام ہی کے لیے سہی، اسلام آباد آسکوں گا۔ سب احباب کو سلام مسنون عرض کرتا ہوں۔

غازی صاحب آپ کے رفیق تھے جن کے ہاں آپ کی ہمراہی میں رات کی دعوت ہوئی تھی، بعض چیزیں دریافت کی تھیں جو ذیل میں درج ہیں، ان سے فرمادیں تو نوازش ہوگی:

Paul Coudere, Le Calwdrier مطبوعہ پاریس کے مطابق یہودیوں نے کالدیا والوں سے تقویم لی۔ ان کے مہینے اب یہ ہیں:

1. Tishre 2. Marsahevan 3. Kislew. 4. Tebet 5. Sebat
6. Adar 7.. Nisan 8. Iyar 9. Sivan 10. Tamoug 11. Ab
12. Elul

یہودیوں کی Civil تقویم تشری کے مہینے سے شروع ہوتی ہے خزاں میں، اور یہ مہینہ کبھی اکتوبر اور کبھی ستمبر میں آتا ہے کیونکہ مہینے تو قمری ہوتے ہیں لیکن نسی کر کے تیرھواں مہینہ وقتاً فوقتاً ماہ آدار کے بعد بڑھاتے ہیں اور یہ زائد مہینہ Veadar کہلاتا ہے۔ مگر مذہبی تقویم میں سال کا آغاز ماہ نیساں سے ہوتا ہے جو مصر سے نکلنے اور دریا عبور کرنے (Peskha) کی یاد سے مربوط ہے۔ نسی کے باعث ماہ نیساں اپریل سے کبھی زیادہ دور نہیں ہوتا۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　۲۱/شعبان ۱۴۰۰ھ

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازش نامہ ملا۔ مضمون کے ص:۷ پر Rune Genu نہیں Rene Guenon، ص:۱ پر عاقل نہیں آکوئیل Aquil قلینڈی نام ہے .ص:۱ پر اپنے محل میں'' کی جگہ'' اپنے محل کے قریب۔ ص:۳ مشل والی شاں امیشل مصطفیٰ وال ساں vichel Valsm ہے ص: ۵ پر'' اس پادری کو چند سال قبل ایک پادری کے قتل کے جرم ''میں'' کو'' ایک عورت کے قتل کے جرم'' پڑھیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ میرے لاہور چند سال قبل وہاں کے وزیر اعظم کی صدارت میں دیئے ہوئے لکچر کا خلاصہ کسی کا لکھا ہوا ہے ۔ مگر استدعا ہے کہ شائع نہ فرمائیں ۔ آج فرانس میں پوپ کے حکم سے حکومت کی سیاست بدل گئی ہے ، تعصب تو عناد اور دشمنی میں مبدّل ہوگیا ہے ۔ چنانچہ حال ہی میں پارلیمنٹ نے قانون بنایا ہے کہ جو مسلمان یہاں متوطن ہوگئے ہیں لیکن اجنبی قومیت کے ساتھ، ان میں سے ہر سال پینتیس ہزار کو اپنے اصلی وطن کو واپس جانے پر مجبور کیا جائے ۔ اس کا اطلاق خاص کر بیس پچیس لاکھ الجزائریوں پر ہوتا ہے اور ان کی جگہ پرتگالیوں کو مزدوری کے لیے بلایا جارہا ہے ۔ فرانس میں نومسلموں کی روز افزوں کثرت سے کلیسا پریشان ہوگیا ہے ۔ یہودی اور کمیونسٹ بھی حیران ہیں ۔ گذشتہ ہفتے ایک کمیونسٹ اخبار کے ایڈیٹر نے مجھ سے درخواست کی کہ اس کے نامہ نگار کو اس موضوع پر سوالات کا انٹریو میں جواب دوں ۔ میں نے ٹال دیا اور ادب سے کہا کہ جامع مسجد کو جاکر وہاں کے ناظم سے پوچھ لو۔

ان حالات میں قطعاً مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ دشمنوں کو معلومات مہیا کیے جائیں ۔ أعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

مکرر:

کیا حدیث قدسی پر کسی مطبوعہ علمی کام کا آپ کو کوئی علم ہے .میری ایک نومسلم شاگرد عائشہ اس پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہی ہے Zwenier کا مضمون مسلم ورلڈ میں اور Mouton کمپنی کی شائع کردہ حالیہ انگریزی کتاب سے میں واقف ہوں ۔ معلوم نہیں اردو فارسی ،عربی ،ترکی میں کوئی چیز آپ کی علم میں ہو۔

خط نمبر: ۸-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی					دوشنبہ، ۹ر رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ ملا. خیر وعافیت کی اطلاع سے مسرت ہوئی۔

اگر موقع ہو تو الجزائر کے ذمہ دار لوگوں سے کہئے کہ مراکش میں جامع قرویین ہے، تونس میں جامع زیتونہ ہے، مصر میں الازہر، مگر الجزائر میں کوئی اسلامی بڑی درسگاہ نہیں اور الجزائریوں کو اپنے ہمسایوں کے ہاں جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دورِ استعمار میں پیدا شدہ اس خلا کو اب جلد سے جلد پر کرنا چاہئے کہ آدمی کو پیٹ بھی ہے اور دماغ بھی، صرف کسی ایک کو کھلائیں تو دوسرا بھوکا مر جائے گا۔

ستمبر کے اواخر تک تو سفر کا کوئی پروگرام نہیں ہے اِلّا ماشاء اللہ، آپ کی تشریف آوری سے مسرت ہوگی لیکن یونیورسٹی کے اساتذہ ابھی گرمائی تعطیلوں میں غائب ہی رہیں گے۔ کوشش فرمایئے کہ کسی اتوار کو یہاں رہیں تاکہ جمعیۃ الطلاب الاسلامیین کے ہفتہ وار اجلاس میں (جو صرف اتوار کو ہوسکتا ہے) تشریف رکھ سکیں اور ان کو مخاطب فرما سکیں۔

رمضان مبارک، یوسف صاحب اور ان کی عزیز اہلیہ کو بھی میرا سلام فرما دیں۔

کیا اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی جلد ع یا م شائع ہوگئی ہیں؟

عرصے سے زیر طبع تھیں۔ جواب کی کوئی جلدی نہیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر:۹-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم زاد مجدکم ۲۳رذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک ہفتے کی پرواز کے بعد الحمد للہ آج آپ کا عنایت نامہ پہنچ گیا۔ خیر وعافیت کی اطلاع سے مسرت بھی ہوئی اور اطمینان بھی ہوا، خاص کر ترکی کے انقلاب کے باوجود آپ کے لئے ازھر کے سفر کا موقع ملا۔ واللہ علیٰ مایشاء قدیر۔

افسوس ہوا کہ آپ پاریس کے کتب خانہ عام کو نہ جا سکے۔ اگر معلوم ہوتا کہ آپ کے رفیق اس میں دشواری محسوس کرتے ہیں تو میں آپ کو ساتھ لیجاتا۔ توپ کاپی سرائے کے سلسلے میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دست مبارک کے متعلق جب میں نے دریافت کیا تھا تو بتایا گیا تھا کہ جب سلطان محمد فاتح نے استانبول کو فتح کیا مشہور حدیث نبوی کے حقانیت ثابت کی، تو وہاں قیصر روم کے خزانۂ خاص الخاص میں یہ مساعد بھی ملا (معلوم نہیں کیوں، اس کو ادب سے دفن کرنے کی جگہ محفوظ رکھا ہے؟) باقی کس حد تک وہ صحیح ہے۔ اور اس کی تاریخ وسرگزشت کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ جانے۔

آپ کی مجلس کے سرنامہ پر مونا گرام میں ﴿ **تعاونوا علی البر والتقوی** ﴾ کی آیت پاک کے متعلق ہے (سورہ ۵ آیت ۲) آپ نے کبھی غور فرمایا کہ یہ کفار سے برتاؤ کے متعلق ہے ''ما بین المسلمین'' طرز عمل کے لیے نہیں، اس آخر کے لیے **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ** وغیرہ آیتیں ہیں۔ حدیث میں ((**المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ**)) ''تین دن سے قطع مومن نہ کرنا چاہئے وغیرہ۔'' کیا آپ کو ایک زحمت دے سکتا ہوں؟ لاہور کے محمد اشرف صاحب نے میری کتاب چھاپی ہے وہ یہاں نہیں ملتی اس کی مجھے شدید اور فوری ضرورت ہے۔ کیا وہ اسلام آباد میں مل سکتی ہے؟ اس کا ایک نسخہ ہوائی ڈاک سے، بل کے ساتھ روانہ فرما سکیں تو خوشی کا باعث ہوگا اور ہمیشہ شکر گزار رہوں گا۔

کار لائق سے یاد فرمائیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہ شنبہ، ۴ رذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

محترم ومکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عید مبارک

کتاب ابھی ابھی پہنچ گئی، دلی شکریہ۔

یہ چوری کا ایڈیشن ہے۔ پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔ اللہ ہم لوگوں کو اسلام فروشی سے بچائے۔ مزید برآں اجازت نہ مانگنے میں اس میں ایک مضرت یہ بھی ہے کہ کتاب کی تازہ تصحیحیں اور اصلاحیں نہیں ہوئی ہیں اور پرانی غلطیاں برقرار رہتی ہیں۔

بہرحال آپ کا دلی شکریہ۔ میں نے کراچی میں ایک رشتہ دار کو لکھ دیا ہے کہ کتاب کی قیمت اور ڈاک کے مصارف آپ کو منی آرڈر سے بھیج دیں۔

میں ان شاء اللہ عیدالاضحیٰ جزیرہ ریونیوں میں گزاروں گا۔ دو ایک دن میں جارہا ہوں اور دو ہفتوں میں واپسی ہوگی واللہ المستعان۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۱۱-

۲۰ رشعبان ۱۴۰۱ھ

محترم ومکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جمعہ کے دن مسجد سے واپس آیا تو آپ کا کارڈ باعث شرمندگی ہوا۔ کاش آپ اپنے ہوٹل یا قیام گاہ کا پتہ بھی لکھ دیتے۔

خدا کرے آپ کا سفر کامیاب و کارآمد رہا ہو، اور اب آپ خیر وعافیت سے مکان واپس پہنچ گئے ہوں۔

احباب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۱۲- ۲۴ محرم ۱۴۰۲ھ

محترمی:

سلام مسنون

۱- میں سفر میں ہوں

۲- موضوعات سے مجھے کوئی بھی تخصص بلکہ واقفیت بھی نہیں ہے، معذرت پیش کرتا ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۱۳- پاریس ۵؍جمادی الاخر ۱۴۰۲ھ

محترم ومکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ خیر وعافیت سے اعظم گڑھ سے واپس آچکے ہوں اور سفر مفید ثابت ہوا ہو۔

آپ کے سفر کے زمانے میں ایک عریضہ بھیجا تھا، معلوم نہیں پہنچا یا ڈاک میں ضائع ہوگیا۔ اس میں آپ کی نوازشوں کے دلی شکریے کے بعد ایک چیز دریافت کی تھی، اسلام آباد کی کانفرنس میں سعودی عرب کے بھی ایک صاحب تھے شاید طہ الجابر نام تھا۔ انھوں نے مجھ سے پاریس کے بعض مخطوطات کے متعلق کچھ فرمائش کی تھی۔ بھلے مانس نے اپنا پتہ نہیں دیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ وہاں دفتر سے ان کا پتہ معلوم فرما کر مجھے اطلاع دیں؟ غالباً وہ ریاض یونیورسٹی میں ہیں۔

بھائی صاحب اور دیگر پرسان حال احباب سے میرا سلام فرمادیں تو ممنون ہوں گا۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر:۱۴- ۴ شارع طورنوں

باریس السادس، فی ۲۸/جمادی الاخرۃ ۱۴۰۲ھ

سیدی المفضال وأخی الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شرّفتمونی بمکتوبکم الکریم شرّفکم اللہ

إن إدخال مقالتی المتواضعۃ فی مجلتکم الغراء کان شرفا لی ولہا.ولاسؤال للمکافأۃ من أیّ نوع کان.وسیسرّکم إن شاء اللہ --ولاتمنعون منہ أن الاستاذ عبد الرحمن مؤمن من جامعۃ بومبای أعجب بہذہ المقالۃ إلی حد أنہ مشغول الآن بترجمتہا إلیٰ الانکلیزیۃ،

إن الدکتور بوکای Bucaille صاحب الکتاب " التوراۃوالقرآن والعلم" نشر کتاباً جدیداً، عن" أصل الانسان" أی نظریۃ التطوّرودارونِ. أرسلتُ إلیہ أیضاً نسخۃ من مجلّتکم و ہو یعرف العربیۃ وأعطیت لبعض الإخوان فوتو کوبیات من المقالہ۔

واللہ یحفظکم و دمتم بالعافیۃ. سلامی للإخوان فی اللہ

خادمکم

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر:۱۵- فی ۲۴/ رجب ۱۴۰۲ھ

الأخ الفاضل الحميم حفظكم الله مولانا العظيم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته،

وبعد فقد تسلمتُ اليوم شاكرا مكتوبكم الكريم . ومادام لغة امهات المؤمين رضوان الله عليهن كانت عربية فالعربية لغة الأُم لكل واحد منا . فلنستعملها اذا لم يكن مانع دونه خاص .

أشكركم خالص الشكر للاسم والعنوان لزميلنا الذى كان جاء من الرياض.جزاكم الله خيرالجزاء.

لاتنتظروا أن أطلب منكم كتبا من باكستان .عن فضلكم اطلبوا منى كل ما تحتاجون إليه من هذه البلاء و أنا تحت إشارتكم-إن صاحب اردو اكيڈی سندھ قد كتب الىّ منذ يومين أو ثلاثة و سأل منّى هل يجوز له تصحيح أو تبديل بعض الكلمات فى ترجمة أختكم الصيّنية . فأجبتُ أن الأحسن أن يخاطب المترجمة رأسها فلن تمتع كل ماهو معقول ولن تصرّ على ما هو من السهو والخطاء البشرى،وأرجو أنه سيعمل وفق هذه النصيحة الاخوية.

تحيّرتُ من سهوى أنى كتبتُ اسم أحد على الظرف، واسم غيره فى المكتوب فى الداخل- سبحان مَن لاينام ولايسهو.

سلامى للعائلة ودمتم بالعافية التامة

الفقير إلى الله

محمد حميد الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۱۶- ۲۵/رجب ۱۴۰۲ھ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کیا ایک زحمت دے سکتا ہوں؟

اکتوبر ۱۹۸۱ء کا رسالہ قومی زبان (کراچی) ابھی ابھی نظر سے گزرا ہے. اس میں ص: ۶۰ پر لکھا ہے کہ لاہور کے رسالہ المعارف دسمبر ۱۹۸۰ء میں کسی سید افتخار حسین شاہ نے ''اردو میں کتب تفسیر'' پر ایک مقالہ شائع فرمایا ہے. کیا یہ رسالہ یا اس مضمون کی فوٹو کاپی یا قلمی نقل۔ میرے مصارف پر حاصل ہونے کا کوئی امکان ہے؟ مگر زحمت دینا نہیں چاہتا.

خدا کرے آپ اور اہل وعیال واحباب سب بخیر وعافیت ہوں. چند دن قبل جو عریضہ بھیجا تھا وہ مل گیا ہوگا. یہاں کے کار لائقہ کا انتظار رہے گا۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۱۷- ۲۶/رجب ۱۴۰۲ھ

محترم ومکرم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل میں نے ایک عریضہ لکھ کر یہ زحمت دی تھی کہ راولپنڈی کے رسالہ انصاف کے ایک پرانے نمبر کو تلاش فرمائیں۔

الحمد للہ وہ نمبر مجھے مل گیا ہے۔ اب زحمت نہ فرمائیں اور گزشتہ بے وجہ زحمت دہی کو بھی مجھے معاف فرمادیں

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۱۸- پاریس ۵ شعبان ۱۴۰۲ھ

محترم ومکرم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کل عنایت نام ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ آپ کو شدید زحمت رہی۔ معذرت خواہ ہوں۔

میری حقیر تالیف Le Prophite آج کل میں ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ وہ ابھی بازار میں ہے۔ لیکن دوسری کتاب Diplomatic کوئی پچاس سال قبل چھپی تھی وہ بازار میں ناپید ہے۔ میرے پرانے ناشر کا انتقال ہوگیا۔ اس کی بیوہ نے دکان ایک یہودی کو بیچ دی۔ اسے اس طرح کی چیزوں سے نفرت ہے۔ جب میں نے مکرر اشاعت کی طرف اشارہ کیا تو توہین آمیز اور تضحیک انگیز الفاظ سے انکار کیا۔ بہر حال سوائے اس کتاب کے فوٹو کاپی لینے کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔ اور اس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اس کے مندرجات کا ایک حصہ میرے اردو تالیفوں ''رسول اکرم کی سیاسی زندگی'' اور ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' میں بڑی حد تک مل جائے گا اور دوسرا حصہ ''الوثائق السیاسیۃ اصل عربی میں ہے۔

ان حالات میں ارشادات کا انتظار ہے گا۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۱۹- پاریس ۲۶ ر شعبان ۱۴۰۲ھ

محترمی زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج آپ کا تازہ عنایت نامہ ملا ممنون بھی ہوا اور مطمئن بھی، جب سابقہ خط آیا تھا تو حیرت بھی ہوئی تھی اور خوف بھی ہوا تھا کہ شاید بستے پر میں نے آپ کا پتہ لکھنے میں سہو انسانی سے کوئی غلطی کی تھی اور وہ تلف ہوگیا دیر آید درست آید.

وہ ناچیز ہدیہ تھا۔ اس کے لیے تردد بالکل نہ فرمائیں۔ جدید روشن دور میں مغرب کی علم ''پروری'' بڑھ رہی ہے۔اور اکثر کتاب کی قیمت سے زیادہ مصارف ڈاک ہوتے ہیں اگر وہ رجسٹرڈ اور ہوائی ڈاک سے بھیجی جائے۔ پاکستان کی جگہ اگر کتاب انڈونیشیا یا جاپان بھیجوں تو مصارف تقریباً دگنے ہوجاتے ہیں.کوئی حل نہیں۔

این ہم اندر عاشقی بالاے غمہا دیگر است۔

خدا آپ اور رشتہ داروں سب کو تادیر صحت وعافیت سے رکھے اور روز افزوں خدمات دینی کی توفیق عطا فرماتا رہے آمین۔رشتہ دار ابھی وہیں ہوں تو میرا سلام اخوت۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

غالباً آپ نے فاران، کراچی، فروری ۱۹۸۲ء دیکھ لیا ہوگا اس میں خطبات بہاولپور کا غلط نامہ چھپوایا ہے۔ احتیاطاً عرض کرتا ہوں کہ جولائی اگست میں ''الجزائر'' اور اکتوبر میں ''جزیرہ ریونیوں کے سفر کا قصد ہے **والامر بید اللہ**۔

رمضان مبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۰۔ چہارشنبہ، ۱۶؍رمضان ۱۴۰۲ھ

محترم ومکرم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رمضان مبارک ۔عید مبارک.

امید ہے کہ آپ اور اہل وعیال سب خیر وعافیت سے ہونگے۔ماہنامۂ قومی زبان مؤرخہ اپریل ۱۹۸۲ء ص:۶۱ پر ایک اطلاع چھپی ہے۔کیا اجازت ہوگی کہ اس بارے میں آپ کو کچھ زحمت دوں؟ رسالہ/اخبار لاہور'' ، مورخہ ۳۰ ؍اگست ۱۹۸۱ء میں دوست محمد شاہد نے ''اردو تراجم قرآن'' پر ایک مقالہ شائع کیا ہے۔کیا یہ شمارہ، یا اس مضمون کے فوٹو کاپی حاصل کر سکنے کا کوئی امکان ہے؟ مصارف معلوم ہونے پر وہ فوراً ارسال خدمت کر دونگا۔ایک تازہ فرانسیسی مضمون ،عہد نبوی کے آغاز کے شہر مدینہ منورہ پر بھی اسال خدمت کر رہا ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۱۔ فی ۲۷ شوال ۱۴۰۲ھ

حضرة الاستاذ الفاضل والأخ الكريم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

تسلمتُ اليوم مجلة الدراسات الاسلامية عدد مارس و أبريل ۱۹۸۲ء ولكم الشكر الجزيل واستفدت كثيراً من مقالة الاستاذ يوسف الفاروقي في نواحي السيرة النبوية الشريفة،ما تتعلق بالادارة والسياسة،زاده الله كل يوم علما وشرفا

هناك أغلاط الطبع أيضا ،حبّذ، لو صححتموها في العدد الآتي كي لاتتداوم :

ص:	سطر:	مطبوع
۹۱، ۹۲، ۹۲	۱۵—۱۶، ۱۹، ۲۲	۱۹فبراير الهمام بن المنبه

دليل صحيح البخاري : ۱۹ فبراير همام بن منبه ،تحت التاليف لم يطبع بعد والذى طبعو هو تصحيح أغلاط الترجمة الفرنسية للمستشرق هود.

أرجو لكم من الله الصحة والعافية التامة ،مع سلامي الأخوى للعائلة والإخوان

الفقير إلى الله

محمد حميد الله

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۲- پاریس یکم ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

محترم ومکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ممکن ہے جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے اکتوبر ۱۹۸۲ء نمبر نظر سے گزرا ہو۔ آپ کے تاثر کی تمنا ہے۔

براہ کرم اس میں یہ غلط نامہ لگوا دیں تا کہ آئندہ ناظرین بھی استفادہ کریں۔

p. 235 line 16 for Habib read Ibn Habib

p. 235 line 25 for Christi read Christians

p. 237 line 33 for nightmoment read right movement

p. 238 line 13 for war begin read war began

p. 241 line 18 for I select you, do you promise read I donot select you, do you promise to obey the other? They said: yes. Then be asked them publicaly. If I select you, do you promise

p. 241 line 29 for to Transaxima read in Transakiana

p. 244-5 line 8-9 for began notorious read began the notorious

p. 245 line 26 for Other finished read Others finished

p. 250 line 3 for those every read those very

p. 250 line 14 for but the use read by the use

لاہور سے محدث نامی ایک ماہنامہ نکلتا ہے۔ کچھ دنوں سے نظر سے گزرنے لگا ہے۔ ماشاء اللہ کافی بلند معیار کا ہے۔ اس کے ایک تازہ نمبر میں "غزوات نبوی" مؤلف ثناء الحق صدیقی پاک اکیڈمی ۱۴۱، وحید آباد، گولیمار، کراچی پر تبصرہ چھپا ہے۔ اگر آسانی سے ممکن ہو تو کسی کتب فروش سے فرمادیں کہ مجھے ایک نسخہ بل کے ساتھ بھیج دے۔ رقم فوراً ادا کرادوں گا۔ خدا کرے مکان میں سب خیر وعافیت ہو، غزالی صاحب غالباً ابھی سفر پر ہونگے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۳- پاریس ۴ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ

محترم ومکرم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کاموں کی کثرت سے یاد نہیں رہا کہ حسب عادت فوراً آپ کو کتاب غزوات نبویہ کی رسید بھیجی یا نہیں۔ اگر نہیں تو میرا قصور خدارا معاف فرما دیں۔ کتاب صحیح سلامت مل گئی۔ آپ نے بڑی زحمت فرمائی جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

بنی امیہ میں بھی اور خانوادوں کی طرح اچھے اور برے دونوں رہے ہیں، فرقہ واری جھگڑوں نے سیاسی ناکامی کی جلن میں کریلا کڑوا اوپر نیم چڑھا کے بمصداق، بات کا بتنگڑ ضرور بنایا ہے لیکن ان میں بد دین حکمران بھی ہوئے ہیں۔ اللہ انہیں معاف کرے آپ اس پر لکھنا چاہتے ہیں خدا...... فرمائے۔

حضرت عثمان کے کاتب نے حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے محمد کے متعلق جو مصر کے گورنر بنا کر بھیجے گئے تھے، قتل کا حکمنامہ بھیجا، جیسا کہ عام تاریخی مطالعے سے مترشح ہوتا ہے، خاص اس موضوع پر بھی میں نے ایک مقالہ لکھا ہے جو ترکی کی اَمل اَسن Emel esin بیگم کے ارمغاں میں چھپنے کے لئے عرصہ ہوا بھیجا تھا۔ یہ انقرہ میں چھپے گا ان شاء اللہ۔ ایک اور ''رسول اکرمؐ کی بستر مرگ کی تحریری وصیت'' بھی تیار کر رہا ہوں ممکن ہے کراچی کے JPHS ہی میں چھپے۔

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔ ممکن ہے آپ کی عزیزہ ہمشیرہ کی کتاب اب کراچی میں چھپنی شروع ہوگئی ہو۔ ناشر نے اس کی کچھ انگریزی عبارتیں ''پروف'' کے طور پر دیکھنے کے لئے مجھے بھیجی تھیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۴- ۲ر نومبر ۱۹۸۳ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام نیاز و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بہت شرمندہ ہوں کہ زحمت دی۔ آج کی ڈاک میں فکر و نظر کا ایک مطلوبہ شمارہ پہنچ گیا

جزاکم اللہ احسن الجزاء ۔ خدا کرے آپ اور بھائی صاحب اور اہل و عیال سب خیریت سے ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۵- محرم ۱۴۰۴ھ

محترم و مکرم زاد مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خدا کرے آپ، غزالی صاحب وغیرہ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ ابھی ابھی ''قومی زبان'' کراچی کا شمارہ جولائی ۱۹۸۳ء پہنچا ہے۔ اس میں ص: ۶۲ پر ذکر کیا ہے کہ فکر و نظر (غالباً شمارہ اکتوبر ۱۹۸۲ میں ص: ۲۹ پر) مولانا عبدالرؤف نوشہروی صاحب کا مضمون ''پاکستانی زبانوں میں'' قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر'' چھپا ہے۔ کیا آپ مجھے متعلقہ صفحوں کی فوٹو کاپیاں بھجوا سکیں گے؟ ممنون ہونگا۔ اگر وہ رسالہ یہاں کہیں ملتا تو آپ کو زحمت نہ دیتا ''صاحب الغرض مجنون'' واحد عذر ہے۔

اور کیا عرض کروں؟ زندگی گزر رہی ہے۔ ۶ر محرم ۱۴۰۴ھ کو اٹھتر سال بیت چکوں گا۔ ان شاء اللہ۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۶- ۴رجمادی الاخرہ ۱۴۰۴ھ

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قصوروار ہوں، معذرت چاہتا ہوں:

کچھ عرصہ قبل آپ نے اپنی عزیزہ ہمشیرہ کی کتاب کے متعلق دریافت کیا تھا اور میں نے فوراً جواب دیا تھا کہ ناشر صاحب نے وہ مخطوطہ مجھے نہیں بھیجا اور آج کی تاریخ تک بھی اُدھر سے صدائے برنخاست ...... ہے۔ اس خط میں میں نے کچھ دریافت بھی کیا تھا۔

اس کے کافی دنوں بعد آپ کی نوازش فرمودہ کتاب بھی جو اسلامی دستور کے متعلق رپورٹ پر مشتمل ہے پہنچی۔ معذرت اسی کے متعلق کرنی ہے کہ آج تک رسید نہ بھیجی، انتظار کرتا رہا کہ شاید آپ کا جواب راہ میں ہو۔ اس ارسال کا دلی شکریہ۔ ممکن ہے، میرا یا آپ کا خط ڈاک میں ضائع ہو گیا ہو۔ اس لئے اطمینان خاطر کے لیے آج یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ کیا آپ کے ہاں کراچی کا ہفتہ وار مسلم ورلڈ آتا ہے؟ محترم اڈیٹر انعام اللہ خان صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ ماہ ربیع الاول میں وہ میرا ایک مضمون غزوہ بنی النضیر کے متعلق اس میں چھاپیں گے۔ کیا وہ چھپا ہے؟ ربیع الاول کا ایک نمبر بھی یہاں نہ آیا۔ ڈاک کے لیے دل سے دعا ہے کہ اللہ اس کو نیک ہدایت دے اور اس نظر بٹو سے پاکستان کے پاک نام کو محفوظ رکھے۔ میرے لئے ایک فوٹو کاپی بھی کافی ہوگی۔

میں نے آپ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے اکتوبر ۱۹۸۲ء اور اکتوبر ۱۹۸۳ میں میرے جو ناچیز مضمون چھپے ہیں ان کے متعلق آپ کا علمی ردّعمل کیا رہا ہے؟

دو ایک ماہ قبل حکم محمد سعید صاحب نے اسلامی دستور کے متعلق جو کانفرنس منعقد کی تھی، کیا آپ کو اس میں شرکت کا موقع ملا؟ خدا کرے وہاں اور سب خیر و عافیت ہو۔ بھائی صاحب کو بھی سلام۔

مکرر: کیا وہاں ابوعبید معمر بن المثنیٰ کی کتاب ازواج النبی مطبوعہ بغداد آ گئی ہے؟ یہ تلاش ہے کہ حضرت زینب بنت جحش ام المؤمنین کا جب حضرت زید بن حارثہ سے نکاح ہوا تو وہ باکرہ تھی یا ثیبہ؟ نیز یہ کہ یہ نکاح کب ہوا؟ غالباً ہجرت کے ابتدائی سالوں کی بات ہوگی۔ اس نکاح کے سلسلے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دشمنان اسلام جو دشنام طرازی کرتے ہیں اس پر ایک مختصر مضمون لکھنے کی تیاری کر رہا ہوں **واللہ المستعان** کیا وہاں ورلڈ بک انسائکلوپیڈیا (چکاگو) آ گئی ہے؟ کیا اس کے ناشر کا پتہ معلوم ہو سکتا ہے؟ جس نے قرآن پر دشنام طرازی کی ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۷- ۱۸؍جمادی الاخرہ ۱۴۰۴ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل شام کی ڈاک میں عنایت نامہ ملا ممنون بھی ہوا، متاسف بھی، بنی النضیر کا یہ مضمون میرا نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی وجہ سے میرا مضمون نہیں شائع کیا گیا۔ والحمد للّٰہ علیٰ کل حال۔ اب مزید زحمت نہ فرمائیں۔

بھائی صاحب کو سلام۔ خدا کرے اہل وعیال سب بخیر وعافیت ہوں۔

یاد نہیں میں نے آپ سے پوچھا تھا یا نہیں۔ ایک چیز کی عرصے سے تلاش ہے۔ حضرت زینب بنت جحش ام المؤمنین کا جب حضرت زید بن حارثہؓ سے نکاح ہوا تو وہ باکرہ تھی یا ثیبہ؟ نیز یہ کہ یہ نکاح کب ہوا؟

بے ضرورت جواب کی زحمت نہ فرمائیں۔ کیا کارڈِف میں کوئی آپ کے ملاقاتی ہیں۔ مجھے عرصے سے تمنا ہے کہ ویلش زبان میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ ہوجائے، اب تو کارڈِف میں ایک بڑی مسجد بھی بن گئی ہے۔ یقیناً وہاں مقامی نومسلم بھی ہونگے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۸- پاریس ۲۰؍جنوری ۱۹۸۴ء

محترم ومکرم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے آپ اور اہل وعیال واقرباء سب بخیر وعافیت ہوں۔

کل آپ کے مؤقر رسالے کا انگریزی اڈیشن (اپریل تا جون ۱۹۸۳) وصول ہوا۔ دل سے ممنون ہوں۔

اس کے قیمتی مقالوں میں سے ایک Historical Background to Islamic Epigraphy پر کچھ درد دل عرض کر کے آپ کا وقت ضائع کرتا ہوں۔ معاف فرمائیں۔

ص:۳۲،س:۳-۴ میں ایک ''روایت'' لکھی ہے کہ حروف تہجی کا خالق خدا ہے اور حاشیے میں اس کی تردید کی گئی ہے۔شاید مؤلف کا مقصد اوّل ماخلق الله القلم کی حدیث رہا ہے۔

ص۳۴،س۴، دو طباعتی غلطیاں کھٹکیں TH abhat Sharran Shanfara س:۱۵ تا ۱۸ میں بہ کثرت املائی غلطیاں ہیں۔کیا محترم مؤلف صاحب کو عربی نہیں آتی؟ شاید نو عمر بھی ہیں کہ ذرا پرانے مقالوں سے بھی وہ ناواقف ہیں مثلاً Some Arabic Inscriptions ofMadinah of the Early years of Hijrah (اسلامک کلچر، حید آباد دکن ۱۹۳۹ ج ۳ /۴۴) جس میں عہد نبوی کے (۵ ھ کے) کتبوں کا ذکر ہے، اُسے چاہے رد کریں لیکن اس سے سکوت نہیں برتا جا سکتا۔G rohmann نے اپنے مقالہ The Problem of Dating Early Qurans میں ان کتبات کے خط پر خاص کر زور دیا ہے۔

حال میں ہماری بہن سُہیلہ جبوری (از جامعۂ بغداد) نے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے: **اصل الخط العربی و تطوّرہ حتی نھایۃ العصر الاموی**، بغداد، ۱۹۷۷ء۔اس سے بھی مؤلف ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ان شاء اللہ نقش ثانی بہتر ہوگا۔

نامۂ ہائے مبارک نبوی کی اب چھ اصلیں مل گئی ہیں۔ان کا بھی ذکر مناسب ہوتا...... سے بھی واقف رہیے۔استفادہ کرونگا۔آج کل شرح السیر الکبیر للسرخسی کا میرا فرانسی ترجمہ (جو کوئی تین ہزار صفحوں میں آیا ہے میں دیانت الشیری کی طرف سے چھپ رہا ہے، پروف آرہے ہیں غالباً جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے پچھلے اعداد میں جنگ جمل وصفین، اور تحریری وصیت نبوی پر مقالے نظر سے گزرے ہونگے۔ان پر کوئی ریمارک، تصحیح؟

غالباً گزشتہ ماہ کے مسلم ورلڈ کراچی میں میرا ایک مضمون بنی النضیر پر نکلا ہے۔وہ نمبر ڈاک میں غائب ہوگیا۔اگر وہاں ہو تو کیا اس ایک صفحہ کی فوٹو کاپی فراہم ہوسکتی ہے؟ زحمت دہی پر شرمندہ ہوں۔بھائی صاحب سفر سے واپس آچکے ہوں تو انہیں بھی میرا اسلام عرض کریں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۲۹-

پاریس ۲۵/جنوری ۱۹۸۴ء

مخدوم ومکرم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو دن ہوئے ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا کہ اسی زمانے میں آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ یہ محبت نامہ کل شام کی ڈاک میں ملا۔ ممنون ہوا۔

"Select list" کا نام ہی بتائے گا کہ اس میں سارے مضامین نہیں ہیں۔ یہ رسالہ مع ضمیمہ الگ مرسل خدمت ہے اس سے معلوم ہوگا کہ پہلی دفعہ میرے ایک مضمون کے کوئی بیس زبانوں میں (بشمول روسی وچینی) ترجمے ہوئے ہیں۔ وللہ الحمد۔

علاء الدین خالدی صاحب اگر اپنی لبریز میز پر تلاش کریں تو آپ کی اور میری عزیز ہمشیرہ کی کتاب اغلباً انہیں وہیں مل جائے گی انھوں نے نہ کبھی مجھے اس کے بھیجنے کی اطلاع دی اور نہ بلا اطلاع آج تک وہ وصول ہوئی۔ اگر بھیجنا ہو تو فوٹو کاپی بھیجیں، بک پوسٹ کے مصارف کم ہوتے ہیں۔ قلمی چیز یہاں خط سمجھی جاتی ہے۔

میرے ہاں تین عربی مضمون ہیں:

- الاجتهاد في عصر الصحابة
- أقدم آثار تدوين الحديث كتابة

ایک اور مقالہ قرآن مجید کے متعلق تھا۔ عنوان اس وقت یاد نہیں جو الجزائر کے ملتقی الفکر الاسلامی کے جلسوں میں پیش کیے گئے تھے۔ وہاں وہ ابھی تک چھپے نہیں ہیں۔ ان کا حوالہ دے کر چھاپ سکتے ہیں۔ والامر إليك۔

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۳۰- ۹؍جمادی الآخرۃ ۱۴۰۴ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شاید سہو قلم ہے کہ آپ نے اپنے خط پر تاریخ ۳۱؍۱؍۱۹۸۴ لکھی ہے اور یہ خط اب مارچ کے وسط میں آیا ہے!

ابن سبا کے وجود سے انکار شیعہ طبقے کے ہاں خاصے عرصے سے ہے۔ میں نے کچھ نہیں تو دس ایک سال پہلے یہاں ایک ایرانی دوست سے یہ ادّعا سنا تھا لیکن دلیل کچھ بھی نہیں۔ غالباً انھوں نے اس میں اپنے عقائد کے لیے خطرہ محسوس کیا ہے اور یہ اس کی پیش بندی کی ہے جس طرح اس حدیث کا ''جدید'' انکار کہ ''میرا یہ بچہ (امام حسنؓ) سردار ہے اور اللہ اس کے ہاتھوں دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائیگا'' کیونکہ اس میں حضرت معاویہؓ کو مسلمان ماننا پڑتا ہے! خدا ہمیں ایسے راستے سے محفوظ رکھے: لا تجعل فی قلوبنا غِلا للذین آمنوا حال اب تک تو مجھے ابن سبا کے متعلق کوئی ایسی چیز نہ ملی جو اس کے وجود کو مشتبہ کردے لیکن حق جو ہوئی۔ اگر کبھی ملے تو اپنی تردید خود میں کرنے کو تیار ہوں

شاہد محترم کی بات ہے میں نے انعام اللہ خان صاحب کو ''غزوۂ بنی النضیر کی چودہ سو سالہ یاد'' پر ماہ ربیع الاول کے لئے ایک مضمون بھیجا تھا۔ فوراً جواب بھیجا کہ آئندہ چند ہفتوں میں اسے بہت نمایاں طور پر چھاپونگا۔ شاید وہ دفتر کو ہدایت دینا بھول گئے اور کسی سفر پر چلے گئے۔ والخیر دائما فیما یختار اللہ

الجزائر میں اس مرتبہ میں نے تین نہیں، صرف ایک ہی مقالہ بھیجا تھا جو آپ کی نظر سے گزرا۔ (افسوس کہ اس میں طباعتی غلطیاں رہ گئی ہیں)، گزشتہ اور پیوستہ سال کے ملتقی کی رپورٹیں ابھی چھپی نہیں ہیں ایک قرآن اور ایک حدیث کے متعلق تھا۔ اگر آپ کو ضرورت ہو تو اپنے ہاں کے انبار میں تلاش کر کے ان شاء اللہ فوٹو کاپی بھیجونگا۔

ادب القاضی کے موضوع سے مجھے بہت دلچسپی رہی ہے۔ آپ کی کتاب سے آنے پر استفادہ کرونگا۔ پیشگی شکریہ۔ یہی حال لاطینی Legal mxum کا ہے۔ میں نے قانون شہادت وغیرہ کے متعلق فقہی کلیات سے ان کا مقابلہ کیا تھا، شاید نصف صدی قبل۔

خدا آپ کے علمی کام میں برکت دے اور پروان چڑھائے۔ پارلیس میں مجھے اپنے مقالوں کی اشاعت میں دشواری ہے مگر معلوم ہوا کہ پاکستان بھی حوصلہ افزا مقام نہیں۔ واللہ المستعان۔ میری کتاب ''امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی بھی پروف سے گزر گئی مگر چھپنے کا نام نہیں لیتی۔

حکیم محمد سعید صاحب خط وکتابت میں اب تک بہت قابل نمونہ شخص رہے ہیں۔ اب یکا یک چند مہینے سے مایوس نہیں ہوتا، انتظار ہی کرتا ہوں۔ کیا وہاں انکا اخبار نونہال بھی آتا ہے۔ اسے بھی مضمون ''میری شرارتیں بھیجا تھا'' چند ماہ ہوئے معلوم نہیں اس کا کیا ہوا؟ آپ نے بالجون (Beljom) کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ شاید وہی شخص ہے جس

نے جدید مسلمان مفسّروں پر ایک کتاب جرمن میں لکھی ہے؟ معلوم نہ تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔ کیا وہ لائدن میں یا کہیں اور مثلاً اُوت ریخت میں؟ مگر محض اس کے جواب کے لئے خط لکھنے کی زحمت گوارا نہ فرمایئے۔

یاد نہیں میں نے آپ سے استفسار کیا یا نہیں کہ حضرت زینب بنت جحش کا جب حضرت زید بن حارثہ سے نکاح ہوا تو وہ باکرہ تھیں یا ثیبہ؟ اور زیدؓ سے نکاح کب ہوا؟ کیا وہاں ابوعبیدۃ معمر بن المثنیٰ کی کتاب ازواج النبی آئی ہے (طبع بغداد)؟

بھائی صاحب اور احباب کو سلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۳۱- پاریس ۲۵ رجمادی الآخرۃ ۱۴۰۴ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی ڈاک میں، نہ معلوم کب کی چلی ہوئی، ''انصاری کمیشن کی رپورٹ'' پہنچی، **جزاکم اللہ احسن الجزاء**، اس کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی اتفاقاً صفحہ ۱۸، عمود دوم، نیچے سے تیسری سطر میں سکونت پزیر نظر سے گزرا، بچپن سے ''پذیر'' پڑھتا رہا ہوں ذہن میں ہے۔ شاید اب اردو بھی بھول چلا ہوں۔

آپ کی کرمفرمائیوں پر بہت شرمندہ ہوں

چند دن قبل بھیجا ہوا خط ان شاء اللہ مل گیا ہوگا۔

الجزائر کے مُلتقیٰ میں جو مقالے چھاپ کر بانٹتے ہیں ان میں بے حد و بے پناہ غلطیاں ہوتی ہیں۔ میرے مقالہ ''**تدوين القرآن و تراجمه**'' کا بھی یہی حال ہے، ''**أقدم آثار تدوين الحديث كتابةً**'' کا بھی اور ''**الاجتهاد فی عصر الصحابة**'' کا بھی، **واصبر وما صبرك الآ بالله**، توقع نہیں کہ وہ طباعت کے وقت پروف بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

کوئی خدمت کرسکوں تو بے جھجک یاد سے شاد فرمائیں

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۳۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تاریخ:

مخدوم محترم زاد مجدکم وکثر اللہ فینا امثالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل شام کی ڈاک میں دو رجسٹر خط (۹، اور ۱۰ جمادی الآخرۃ کے) ایک ساتھ ملے، ممنون بھی ہوا، شرمندہ بھی ہوا، پاکستان جانے والی ایک تہائی ڈاک کا ضائع ہوجانا، یہ ۳۶ سالہ تجربہ ہے، اللہ ان بھائیوں کو نیک ہدایت دے۔ یقین فرمائیں کہ آپ کے ہر خط کا میں نے فوراً جواب دیا، اب مکرر ان کا خلاصہ لکھتا ہوں:

مجھے آپ کا وہ خط بھی ملا تھا جس میں آپ کی علمی کاوشوں کی تفصیل تھی، بارك الله في مساعيكم۔ کتاب "ادب القاضی" اب تک تو نہیں آئی ہے، سمندری ڈاک کو عام طور پر تین مہینے لگتے ہیں، مجھے ورلڈ بک انسائکلو پیڈیا کے مضمون "قرآن" کی ضرورت بالکل نہیں۔ اصل میں مجھے اس کے ناشر کا پتہ درکار تھا کہ اسے ایک شکایتی خط اس مقالے کے متعلق لکھوں (جس میں لکھا ہے کہ قرآن کے ترجمے کی حرمت صدیوں جاری رہی) اب یہ پتہ ایک رشتہ دار نے امیر کا سے بھیج دیا ہے اور میں خط لکھ بھی چکا ہو۔ آپ مزید زحمت نہ فرمائیں۔

تازہ کرم ناموں میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے ازدواجی تعلق کا صرف ایک سال رہا ہونا (جو میرے اپنے گمان کے بالکل مطابق ہے) نئی چیز ہے۔ آپ کے علم کے لیے عرض کرتا ہوں کہ میری رائے میں بی بیؓ کو پینتیس سال تک باکرہ ہی رہا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کے عزم ارادے کی بی بی کو اطلاع ملی تو فوراً کہا: "ٹھیرو میں دو رکعت شکرانہ ادا کرنے کے بعد مزید باتیں کرونگی"۔ پورے ادب سے گمان کرتا ہوں کہ بی بی اپنے ماموں زاد بھائی ﷺ عاشق تھیں۔ حضرت خدیجہ کی زندگی میں تو اس کا امکان نہ تھا بعد میں حضورؐ کے تعدد ازواج سے آس پیدا ہوئی مگر حضور نے مجبور کردیا کہ زیدؓ سے نکاح کرو۔ جی چاہتا ہے کہ ام المومنین حضرت زینبؓ پر اس سلسلے میں ایک مضمون لکھوں اور فرنگیوں کی یاوہ گوئی کا جواب ہماری نئی نسل کے لیے مہیا کروں، وبالله التوفيق

مسلم ورلڈ کے مضمون کے پہنچنے کی بھی اطلاع گزران چکا ہوں اور یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ وہ مضمون بنی النضیر میرا نہیں ہے۔ شاید کسی مصلحت سے میرا مضمون وعدے کے باوجود نہ چھاپا۔ اب آپ محترم مزید زحمت نہ فرمائیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کے متعلق بھی کم از کم دو بار لکھ چکا ہوں۔ حالات میں تا امروز کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، لیکن اس کے لئے قطعاً زحمت نہ فرمائیں۔ علاء الدین صاحب کے ہاں میری کتاب "امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی" کے مصححہ پروف تقریباً سال بھر سے ہیں۔ شاید اسی کی شرمندگی سے مجھے لکھنا بھی نہیں چاہتے۔

بہ ظاہر اب کوئی مزید جواب طالب امر باقی نہیں۔ دو ایک دن قبل سادہ ہوائی خط بھی لکھ چکا ہوں

حفظکم اللہ وعافاکم

الفقیر إلی رحمۃ اللہ

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۳۳- ۱۱ رجب ۱۴۰۴ھ

مخدوم ومکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج عنایت نامہ۔ ملا ممنون ہوا۔ آپ کو تین خط دو دنوں میں ملے۔ یہ ہے ہماری ڈاک، این ہم اندر عاشقی بالائے غمہا دیگر ست۔

تجدید املاء اردو نئی چیز نہیں۔ کم از کم پچاس سال پہلے میں نے یہی دلیلیں کہ فارسی میں (ذ) نہیں ہے وغیرہ سُنی پڑھی تھیں لیکن جب بہت قدیم فارسی مخطوطوں میں فارسی لفظوں میں ذال مستعمل دیکھا گیا تو جنوبی ہند میں وہ قصے ختم ہو گئے۔ خدا عربوں کو جزائے خیر دے، انھوں نے قرآن مجید کا املاء بدلنے کی کوشش نہ کی اور ہمیں اب معلوم ہوسکتا ہے کہ اولین مسلمان عربی کو کسی طرح لکھتے تھے۔ ہماری ایک بہن ہیں بغداد میں، سُہیلہ، ان کو جب یہ لکھتے دیکھا کہ فلاں اصل مکتوب نبوی غلط ہونا چاہیئے کیونکہ اس میں ''عسرۃ'' ہے (غیرہ کی جگہ)۔ میں نے انھیں لکھا کہ قرآن میں وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَـٰهَا بِأَيْيدٍ (بِأَيْدٍ) نہیں۔ نج لکھتے ہیں نُنْجِ پڑھتے ہیں۔ الحمد للہ دیندار ہیں، مان لیا۔

تفتیش جرائم اہم مسئلہ ہے لیکن افسوس ہے مجھے اس کے متعلق کچھ بھی علم نہیں، شوق سے آپ کے مقالے کی تکمیل کا انتظار کرونگا، عہد نبوی میں لوگوں کو جھوٹ بولنا نہیں آتا تھا! اس لئے تلاش میں کوئی زحمت نہ ہوتی تھی؟ ہم اب ''مہذّب'' ہو چلے ہیں۔

چند ماہ قبل اسلام آباد میں سائنس کانفرنس ہوئی تھی میں نے ''نباتیات میں اسلامی خدمات'' پر ایک مقالہ بھیجا تھا لیکن صحت نے اجازت نہ دی کہ ٹکٹ آنے کے باوجود جاسکوں، کیا انہوں نے یہ مقالے چھاپے، بانٹے ہیں؟ حکیم محمد سعید صاحب کی کانفرنس ''سیاسی نظام'' کے متعلق بھی میرے انکے نام خطوط کے جواب کا انتظار رہے، وہ اس ہفتے یہاں آنے والے تھے، مگر کوپن ہاگن میں رہ گئے آ نہ سکے اس لئے زبانی معلوم نہ کرسکا۔

ابھی ابھی معلوم ہوا کہ نیپالی زبان میں پارۂ عم ترجمہ دلّی میں چھپا ہے۔ مگر کسی سنہا صاحب کا ہے۔ مسلمانوں میں ابھی صلاحیت نہیں آئی خیر۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۳۴- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پاریس ؍رجب ۱۴۰۴ھ

مخدوم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ آپ کی شاندار کتاب ادب القاضی پہنچ گئی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء ۔

کاش اس میں ایک انڈکس ہوتا۔ تفصیل سے تو ابھی دیکھ نہ سکا۔ احتیاطاً آپ کی توجہ الاستیعاب لابن عبد البر میں حضرت سمراء بنت نھیک الاسدیہ رضی اللہ عنہا کے حالات پر منعطف کراتا ہوں۔

ابن حجر کے ہاں حضرت شفاء بنت عبداللہ العدویہ رضی اللہ عنہا کے حالات سے آپ یقیناً واقف ہونگے۔ ایسی حدیثیں جن میں رسول اکرم ﷺ ظلم سے زجر فرمانے کے لئے دھمکاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں خدا کے ہاں اس کا خصم رہونگا، وہ گویا مظلوم کے وکیل (اڈوکیٹ) کے معنے میں ہے۔ بارك الله فی مساعیکم

خادم

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۳۵- پاریس ۱۹؍شعبان ۱۴۰۴ھ

محترم ومکرم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ عرصہ ہوا آپ کے نوازش نامے کا جواب دیا تھا۔ یاد تو نہیں کس کس چیز کا ذکر تھا۔ غالبًا یہ بھی تھا کہ اگر الجزائر کے ملتقیٰ الفکر الاسلامی کے میرے تین سالہ مقالے قرآن، حدیث اور اجماع کے متعلق اگر آپ کے پاس نہیں ہیں اور خواہش ہے تو ان شاء اللہ فوٹو کا پیاں ارسال کرسکتا ہوں۔

حکیم محمد سعید صاحب کے اجتماع ''طرز حکومت'' کے مجموعۂ مضامین کی دو جلدیں ابھی ابھی آئیں، نیز ان کا مقالہ ُدہلی'' قرآن پاکستان میں'' گزشتہ ہفتے یہاں French Pakistani Colloquicum دھوم دھام سے یونیسکو میں ہوا۔ قانون بین الممالک زیر بحث رہا۔ میرے تاثر میں تو محض پھسپھسا رہا۔ ایک فرانسی نمائندے کی ''تحقیق'' میں مسلمان اگر اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے ہیں تو اس کی وجہ محض مذہبی تعصب اور عدم رواداری ہے!

خدا کرے وہاں خیر وعافیت سے ہوں

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۳۶- پاریس ۲۸ رشعبان ۱۴۰۴ھ/ ۲۹ رمئی ۱۹۸۴ء

مخدوم ومحترم زادمجدکم وفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رمضان مبارک ۔عنایت نامہ مورخہ ۱۰ رشعبان کل ہی آیا۔اس اثناء میں ممکن ہے میرا بے صبری کا عرضیہ بھی مل گیا ہو۔

زن نوازی یازن پرستی ایک لاعلاج مسئلہ ہے ۔ چند دن ہوئے یہاں انجمن Amities islamo-chritienues میں ایک (الحمدللہ غیر مسلم) شادی شدہ خاتون نے بغیر کسی شرم کے یہ ارشاد فرمایا:

Ge n'ose pas moi-meme mais Jiadmite celles qui se disposent comme elles veudent saus hisitations

سائنس کانفرنس کی رپورٹ روانہ کرنا کانفرنس کے منتظمین کا فریضہ ہے،آپ کا نہیں ۔اللہ انھیں نیک ہدایت دے۔ کوئی کار لائقہ ہوتو یاد سے شاد فرمائیں

ناچیز

محمد حمید اللہ

فضول بیانی:

ایک چیز کبھی کبھی سونچتا ہوں کہ آپ کے ہاں عربی، اردو ، انگریزی جو تین رسالے ہیں کیوں نہ ان سے ''سب'' مستفید ہوں؟ فی الوقت اس سے وہ جسے وہ زبان نہیں آتی استفادہ نہیں کرسکتا! مقصد یہ کہ ہر مقالہ تینوں زبانوں میں چھپے اس طرح شاید مواد اتنا ہوجائیگا کہ وہ ماہوار رسالے بنادئے جاسکیں۔اچھی اچھی چیزیں ہر زبان کے رسالے میں ہوتی ہیں مگر ہر اچھی چیز فی الوقت ہر زبان میں نہیں ملتی۔

مزید: یاد نہیں میں نے آپ سے عرض کیا تھا یا نہیں کہ مرحوم مقبول سبحانی صاحب کا ترجمۂ قرآن مجید جنرل ضیاء صاحب نے (سیاسی اور علمی دونوں مفادات کے لئے) چھاپنے کا حکم دیا اور وہ کراچی کی تاج کمپنی کے سپرد بھی کیا گیا۔افسوس ہے کہ اس کے عاشق قرآن مہتمم صاحب کا انتقال ہوگیا۔اب پتہ نہیں اسکا کیا حشر ہوگا؟ اس کا آغاز کوئی پینتیس چالیس سال پہلے ''وزیر مالیہ'' غلام محمد صاحب نے کیا. پھر اب جنرل ضیاء نے اس سے مکرر دلچسپی لی ۔واللّٰہ غالب علی أمرہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۳۷-

پاریس ۱۵/رمضان ۱۴۰۴ھ،

مخدوم ومحترم زادمجدکم وعم فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے عریضے ملے ہونگے۔ ابھی ابھی آپ کا عید کارڈ آیا ہے زحمت فرمائی کا شکریہ مگر مجھے یہ پسند نہیں اگر دنیا کے ایک ارب مسلمانوں میں سے ہرایک اوسطاً ہر عید پر پانچ روپے صرف کرے ہر سال دس ارب کی خطیر رقم کسی کار آمد دینی وملّی غرض کی جگہ اکارت جاتی ہے بلکہ اسکا بڑا حصہ کاغذ ساز، سیاہی ساز اور مطبع ساز غیر مسلمانوں کو جاتا ہے۔ اس عید کارڈ میں متعدد طباعتی یا تالیفی سہو بھی نظر آتے ہیں چنانچہ......۔

خاص کر پاکستان وترکی جیسے ملکوں میں کہ ساری دنیا ان کی دشمن ہے۔ الجزائر کے جنوں کو دیکھئے کہ وہ اقوام متحدہ میں قبرصی مسلمانوں کے خلاف یونانی قصابوں کی تائید کرنے والوں کے گروہ کی قیادت کرتا ہے۔ **وفقنا اللّٰه لمافيه رضاه** میں نے پاریس کی متعدد انجمنوں کی طرف جنرل ضیاء الحق سے استدعا کی ہے کہ شمالی قبرص کی اسلامی حکومت کو تسلیم فرمالیں۔ مادی فائدہ نہ ہو، اخلاق اور نفسیاتی فائدہ ہے۔

آپ کا فیصلہ کہ میرا مضمون **الاجتهاد في عصر الصحابه** شائع فرمائیں؟ تو اس میں بہت سی طباعتی غلطیاں ہیں مثل کے طور پر:

صفحہ:	۱، سطر ۹	**كملة الرسول وبينة/ كَمّلَهُ ... بيَّنَه**
	۱، سطر ۱۷	**ثالث روايات/ ثلاث روايات**
	۲، سطر ۱۹	**حيانا/ أحيانا**
	۲، سطر ۲۴	عصر الصحابۃ/...حذف کیا جائے
	۲۵ و ۲۶ کے مابین	... / عصر الصحابۃ (عنوان کا اضافہ کیا جائے)
	۳، سطر ۴	**استنباطي/ استنبطوه**
	۴، سطر ۵	خویذ وکب دس/خویذ وگ دس Khuvedhvagdas
	۵، سطر ۲	**لم يكن انهم/ لم يكن معناه أنهم**
	۵، سطر ۶	فصلا/فصلاً

۶،سطر ۸ — یا ابن / یا ابن عم

۶،سطر ۱۶ — صاحبۃ وقول/صدقۃ وقول

۷،سطر ۳ — هو انهم/ هو أنهم

۷،سطر ۴ — سکوت القرآن/ عند سکوت القرآن

۷،سطر ۱۶ — اراضیهم/ أراضیها

۹،سطر ۳ — ویصیب صحیح/ ویصیب. صحیح

۹،سطر ۲۳ — نکتۃ لایقوم قولہٗ"یکفر جاحد مع/ صحیح نکته بل نکتتین.

(ألا أن الرزدوی لیس هوالوحید بقول جواز نسخ الاجماع القدیم المتاخر ،فقد ذکر فخر الدین الرازی فی کتابه المحصول(ج [illegible] ،ص :[illegible]-[illegible]):" انهم اختلفوا فی أنه هل یجوز انعقاد الاجماع بعد إجماع علیٰ خلافه؟ ذهب أبو عبد الله البصری إلیٰ جوازہ... وذهب الأکثرون إلیٰ أنه غیر جائز... والقول الأول عندنا أولیٰ" . و(ثانیا) لایقوم قوله " یکفر جاحدہ" مع

صفحہ: ۱۱،سطر ۲۰ — فکم تنفطع فلم تنقطع

۱۲،سطر ۷ — لسان الفارسی/ لسلمان الفارسی رضی اللہ عنہ

۱۲،سطر ۹ — الفارسی/الفارسی، صحیح البخاری ۶۵/سورۃ ۶۱/۱/۱

رمضان المبارک،عید مبارک، کیا آپ نے علم ہیئت سے بھی کبھی دلچسپی لی ہے؟ عشاء کا وقت سورج کے اُفق سے ۱۸ درجے نیچے جانا درست ہے،یا صرف ۱۲ درجے (شفق کے غائب ہونے کے لئے؟ ماہ جون میں پارلیس میں شفق غائب ہی نہیں ہوتی ہے اور فجر طلوع ہو جاتی ہے۔......عشاء واجب ہی نہیں۔ استانبول میں ایک شاگرد نے میری رائے پوچھی تو میں نے کہا ایسے فاضل کو صوبہ قطب شمالی کا گورنر بنا کر بھیج دیا جائے اور اسے وہاں تیس دن کی تنخواہ (ماہوار) بھی تیس سال میں ایک بار دی جائے ،بلکہ غذا بھی پورے سال میں صرف تین مرتبہ (بریک فسٹ،لنچ،ڈنر) دی جائے۔جماعت ہنس پڑی۔

حفظکم الله وعافاکم

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۳۸- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۹ رشوال ۱۴۰۴ھ، اتوار

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے سب خیر وعافیت سے ہوں، معلوم نہیں آپ شاید الجزائر کے سفر پر ہوں۔ میں مدعو نہیں ہوں۔ مجھے یقین سا ہے کہ آپ کا ایک خط ڈاک میں ضائع ہوگیا جس میں آپ نے اطلاع دی ہوگی کہ میرے الجزائر کے مقالہ ہائے قرآن وحدیث آپ کو پہنچ گئے۔ **واللہ المستعان** میں نے اسلامی قبرص کے متعلق بھی کچھ خیال آرائی کی تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جو قرآن مجید استانبول میں ہے، الحمد للہ اس کا میکروفلم مل گیا ہے۔ ایک تاشقند میں اور انڈیا آفیس لائبریری میں بھی انؓ کی طرف منسوب ہے۔ ان کے بھی میکروفلم مل گئے ہیں۔ اس تینوں کا مجموعہ ان شاء اللہ یکجا شائع ہو جائیگا۔ میری ایک رشتے کی نواسی امیرکا میں ہے۔ وہ اس کے لئے آپ اپنا سارا اندوختہ لگا رہی ہے۔ خدا اسے جزائے خیر دے۔

غالبًا بھائی صاحب ابھی بخیر وعافیت واپس آگئے ہونگے

حفظکم اللہ وعافاکم

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۳۹- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پاریس ۲۱ رشوال ۱۴۰۴ھ، اتوار

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۷رشوال کا عنایت نامہ آج پہنچ گیا۔ دلی شکریہ کہ باعثِ اطمینان بھی ہوا۔

حمزادی اور خادمی کی کتابیں میرے ہاں نہیں ہیں۔ واحد امکان یہاں کے مدرسۃ السنۂ شرقیہ کے کتب خانے میں ہے۔ اسے آج کل گرمی کی چھٹیاں ہیں۔

دو تین ہفتے بعد کھلے تو ان شاء اللہ تلاش کر کے نتیجے سے اطلاع دونگا۔

کتاب مسلم کانڈکٹ کے ترجمے کے متعلق ناشر کے ہاں سے حسب سابق سکوت ہی سکوت ہے۔

دیگر اطلاعات قابل افسوس تو ہیں، قابل حیرت نہیں، وفقنا اللہ لما فیہ رضاہ کوئی اور خدمت ہے؟ اچھا ہوا اگر آپ کے ہاں مستشرقین کی شکایت کی کانفرنس نہ ہو چھیڑنے کا ردعمل اکثر ضد کی صورت میں نکلتا ہے۔ واللہ اعلم

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۰- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۸/ذی القعدہ ۱۴۰۴ھ،

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتب خانہ السنہ شرقیہ اگر چہ اصولاً کھلے گا ۳ یا ۴ ستمبر کو، لیکن اس کی فہرست دیکھنے کا آج موقع مل گیا۔ محمود بن حمزہ کی الفرائد البھیۃ، (۳۸۰) صفحات، الحمد للہ وہاں ہے۔ خدا کرے چوری کی ہوئی کتابوں میں نہ ہو۔ ستمبر کے آغاز میں ان شاء اللہ اسے نکلوا کر فوٹو کاپی لونگا اور ارسال خدمت کرونگا۔

ابوسعید الخادمی کی بعض دوسری کتابیں تو یہاں ہیں لیکن مجامع الحقائق نہیں۔ مجبوری ہے۔ غالباً گزشتہ خط مل گیا ہوگا۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۸/دسمبر ۱۹۸۴

مخدوم ومکرم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۶/ کا خط ابھی ابھی بارہ دن کی ''پرواز'' کے بعد ملا، ممنون ہوا۔ جب پرواز کا یہ حال ہے تو شناوری کے کیا کہنے ! دراسات کے گزشتہ نمبر کے پہنچنے کو ابھی وقت چاہئے: کم از کم تین مہینے! مگر پیشگی شکریہ عرض ہے۔

جی ہاں الوثائق کی نئی طباعت دار النفائس، بیروت ہی کے ہاں ان شاء اللہ ہوگی۔ مرسلہ تصحیحات واضافات کے پہنچنے کی اطلاع تا حال وہاں سے نہیں آئی ہے۔ بیچارے لبنان پر اللہ رحم فرمائے.

نمائش سیرت پر مبارکباد عرض ہے. آئندہ مختلف معروف زبانوں (روسی، چینی وغیرہ) کی کتابوں کے کم از کم سرورق کا فوٹو بھی رکھ سکتے ہیں. مقالوں کو ملائیں تو تعداد شاید ایک لاکھ تک پہنچ جائیگی۔

مکتوب نبویؐ، بنام جیفر وعبد ابنا الجلندی پر میرا مضمون

L'original de la lettre du Prophet and Co-tois l' oman in connaissances de l'Islam, No. 12, Paris, Jamvries fivries 1983 p. 4-9

میں چھاپا ہے۔ آپ پرانی عبارت برقرار رکھ کر ''عن قریب'' پر ایک فٹ نوٹ بڑھا سکتے ہیں۔ باقی آپ کو آزادی کامل ہے۔ یہ مضمون میری ایک نئی کتاب:

Six originaux des lettres du Prophitu

میں بھی شامل ہے جس کے پروف پڑھ چکا ہوں۔ ان شاء اللہ قریب میں شائع ہو جائگی.

بھائی صاحب اور دیگر احباب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲؍محرم ۱۴۰۵ھ

مخدوم ومکرم زاد فیضکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامے کا شکریہ۔ توقع ہے کہ اویرسویر جزاوی کی کتاب بھی پہنچ جائے گی جو کچھ عرصہ ہوا ہوائی ڈاک سے بھیج چکا ہوں۔

اطلاعات کا دلی شکریہ۔

ایک دریافت کی زحمت دیتا ہوں .شاید وہ آپ کا موضوع نہیں لیکن شاید آپ نے بھی کچھ اس پر کچھ سوچا ہو: کیا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی پر قیام حجاز کے زمانے میں ترکی اور عربی راستے سے فلسفہ ، Utilitarianism کا کوئی اثر پڑا ہے۔(یاد نہیں ہالے پوتا صاحب نے اس سے کچھ بحث کی ہے)

سرسید کی عقل پرستی کیا صرف معتزلہ اور امام رازی کے باعث ہے یا وہاں بھی کچھ فرنگی اثرات خیال کئے جاسکتے ہیں؟ کیا واقعی انہوں نے عبرانی سیکھی تھی؟

دیگر احوال گزر رہے ہیں۔اب یہاں گھروں میں آتشداں دوبارہ چلنے لگے ہیں۔

غزالی صاحب اور احباب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۳- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۳؍محرم ۱۴۰۵ھ

محترمی زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل جو عنایت نامہ آیا تھا، اس کا جواب دے چکا ہوں۔ آج تازہ کرم نامہ آیا ہے جس سے اطمینان ہوگیا کہ مرسلہ کتاب (کی فوٹو کاپیاں) پہنچ گئیں، والحمد للہ۔ کسی فرصت میں تحریر فرمائیں تو ممنون ہونگا کہ اس کتاب کی اہمیت کیا ہے؟ بہ ظاہر تو فقہ کی ایک درسی کتاب ہے۔

میں جانتا ہوں کہ آپ فوٹو کاپیوں وغیرہ کا حساب چاہتے ہیں، چاہے وہ کتنے ہی قلیل نہ رہے ہوں۔ بہر حال اگر وہ لابدی ہی ہوں تو رقم وہیں مناسب اغراض دینی کے لئے خرچ فرما دیجئے۔ایک ''صدیقی ٹرسٹ نسیم پلازا، لسبیلہ چوک، نشتر روڈ، کراچی'' ہے جو اکثر مجھ پر کرم فرماتا اور اپنی کتابیں بھیجا کرتا ہے۔ آپ کی رائے میں اگر وہ نامناسب نہ ہو تو اسی کو کچھ مناسب رقم بھیج دیجئے، ممنون ہونگا۔

غالباً میرے دونوں خط کل کا اور آج کا، آپ کو سفر سے واپسی ہی پر ملیں گے۔ خدا زیارت حرمین کی

سعادت بھی عطا فرمائے۔

اِس محرّم میں ۷۹ برس ختم کر چکا ہوں، اسّی واں سال شروع ہو رہا ہے۔ اب سیر و سیاحت کا زمانہ نہیں اور نہ فضول تماشوں سے کوئی دلچسپی کہ ان کے لئے پاکستان جاؤں۔ حفظکم الله وعافاکم

مخدوم نوح ہالای کے ترجمۂ قرآن مجید کی مجھے اطلاع آئی تھی، اگر آپ مجھے صرف اس کی وہ تفصیل دیں جو کسی کیٹلاگ میں ہوتی ہے تو میرے لئے کافی ہو۔ جزاکم الله خیر الجزاء

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۴- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پاریس ۵ر محرم ۱۴۰۵ھ، دوشنبہ

مخدوم ومحترم دام ظلکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

تازہ عنایت نامہ (مورخہ ۲۴ر ستمبر) بھی آج پہنچ گیا۔ ممنون ہوا۔ کرم ہوگا اگر ایسا الفاظ آپ استعمال نہ فرمائیں جن سے مجھے محجوب ہونا پڑتا ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔

سند قراءت قرآن مجید کا مطلوبہ حصہ نقل کرتا ہوں:

واشتر ط علیّ شیخی واستاذی وحید دھر، وفرید عصرہ، البصیر بقلبہ (نابینا تھے) تغمدہ الله برحمته، الشیخ حسن بن محمد بیّومی، وھو عن الشیخ محمد سابق، وھوعن الشیخ خلیل المطوبسی، وھو عن الشیخ علی الابیاری وھو عن الشیخ علی الحلو بمکة المکرمة وھو عن الشیخ أحمد أبوسلمونه، وھوعن الشیخ سلیمان البیسانی ،وھوعن الشیخ أحمد المیھیّ،عن أبیه الشیخ علی المیھی (وح إلینا) و ھو عن سیدی محمد بن محمد الجزری ،عن سیدی عبد الرحمن القسطنطینی ،عن سیدی عبد الرحمن الإزمیری، عن سیدی سلطان المزاجی عن سیدی أحمد المسیری ،عن أبی جعفر الشھیر بأولیا أفندی (وح إلینا) فأماروایة حفص فحدثنا بھا أبو الحسن طاھر بن غلبوت المقرئ ،قال حدثنا بھا أبو الحسن علی بن محمد بن صالح الھاشمی المقرئ بالبصرة،قال حدثنا بھا أبو العباس أحمد بن سھل الاسنانی، علی أبی محمد عبید الصباح، علی حفص ،علی عاصم وھو عاصم بن أبی النجود وکنیته أبوبکر ،تابعی ،قرأ علی أبی عبد الله بن حبیب السلمی،وذر بن حبیب الاسدی، علی عثمان ، وعلیّ ، وابن مسعود ،وأبی بن کعب ،وزید ثابت علی النبی ﷺ۔

خدا استاد مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ جب میں نے ان سے درس لیا تھا تو حرم مدینۂ منورہ میں استاذ قراءت تھے لیکن بعد میں شیخ القراء بھی وفات سے پہلے بنے۔ مصری تھے اور مہاجر مدینہ پاک۔

ان شاء اللہ اس خط کے پہنچنے تک آپ سفر سے سالمًا غانمًا واپس آ جائینگے۔

ذیل:

۱- بعض جگہ الفاظ "قدیم" طرز پر ہیں، سطر۳، ابی سلموۃ کی جگہ ابوسلموۃ! تبرک ہے۔ **واللہ مولانا وھو علی مایشاء قدیر۔**

۲- کیا ایک مقالہ "**اوقات الصلاۃ والصوم فی المناطق البعیدۃ عن خط الاستواء**" آپ کے لئے کارآمد ہوگا **حفظکم اللہ وعافاکم**

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۵- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۳رمحرم ۱۴۰۵ھ، منگل

مخدوم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ان شاء اللہ آپ خیر وعافیت سے واپس آ چکے ہونگے۔ میرے عریضے بھی ملے ہونگے۔

ایک بہت دوست اور مخلص مسلمان کی فرمائش پر آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ وہ تونسی طبیب ہیں اور امراض صدر کے متخصص۔ وہ دریافت کرتے ہیں کہ آیا پاکستان میں کوئی انگریزی طبّی رسالے ہیں، اور آیا وہ ان کے طبی مضامین شائع کرنے کو تیار ہونگے؟ وہ ضمناً پرانے مسلمان اطبّا کی تحقیقات سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔

خدا کرے آپ کے مہتمم کتب خانہ ڈاکٹر احمد خاں صاحب خیر وعافیت سے ہوں۔ بہت دن سے ان کی طرف خلاف عادت خموشی ہے۔ شاید میرا خط ڈاک میں ضائع ہوگیا۔ اسے کوئی اہمیت نہیں، لیکن انکی صحت کی زیادہ فکر ہے۔

بھائی صاحب کو بھی سلام اور احباب کو بھی

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۶-   ۱۰/ربیع الانور ۱۴۰۵ھ، دوشنبہ

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کو لکھنے والا ہی تھا کہ نوازش نامہ ملا، ممنون ہوا۔ ان شاء اللہ آپ سالمًا غانمًا واپس ہوئے ہیں اور خدا نے حق کو کامیابی عطا فرمائی۔ خدا عمرہ قبول فرمائے۔

آپ کے بعض طبی رسالے اور بعض کے نام بروقت ملے تھے اور میں نے فوراً تونسی دوست کو بھیجتے ہوئے آپ کو بھی رسید دی اور شکریہ ادا کیا تھا۔ شاید وہ بھی ڈاک میں ضائع ہو گیا۔ این ہم اندر عاشقی بالائے غم ہا دیگر است۔ مجھے معاف فرمادیں۔

ان دنوں الوثائق السیاسیۃ کو پانچویں اڈیشن کے لئے عاجلانہ تیار کرنے میں اتنا مشغول ہوں باقی ہر چیز بھول چکا ہوں۔ یہ سطریں لکھتے ہوئے مدھم سا خیال آرہا ہے کہ آپ کو کسی عربی مضمون کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا لیکن بالکل یاد نہیں کیا معاملہ تھا۔ حفظکم اللہ وعافاکم

بھائی صاحب کو بھی سلام فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۷-   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   ۴/جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ/۲۶/جنوری ۱۹۸۵ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ کو لکھنے ہی والا تھا عنایت نامہ سرفراز ہوا۔ دلی شکریہ۔

الدراسات الاسلامیۃ کے جس نمبر میں الاجتہاد فی عصر الصحابۃ کا مضمون ہے وہ الحمد للہ پہنچ گیا۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیراً، ری پرنٹ شاید آئندہ جہاز میں آئینگے۔

اس کے صفحہ ۳۶، آخری سطر میں لفظ ''السنن'' کے بعد خیال ہوتا ہے کہ یہ عبارت بڑھائی جا سکتی ہے:

مثال آخر: ''فان کن نساء فوق اثنتین'' وفی حدیث جابر فی سبب نزول ھذہ الآیۃ کما نقلہ تفسیر ابن کثیر عن الترمذی، وأبی داود و ابن ماجہ، أن رسول اللہ ﷺ أرسل إلی عمہما

فقال: أعط ابنتي سعد الثلثين و امّها الثمن وما بقي فهو لك۔

مکتوب مقوقس کی اطلاع کا شکریہ، کیوں نہ یہ فاضل قاضی محمود الحق صاحب اس پر ایک مقالہ لکھ ڈالیں...

آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ خط توپ قاپی میوزیم (استانبول) میں ہے اور قاہرہ کے قبطوں کا ایک صدی سے دعویٰ ہے کہ اس کی ایک مزید نقل ان کے ہاں ہے (مگر وہ کسی کو نہیں بتاتے) میری کتاب ابھی آخری پروف کے مرحلے پر ہے۔

بھائی صاحب اور احباب کی خدمت میں سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۸- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۶/ جمادی الآخر ۱۴۰۵ھ،

مخدوم و محترم متعنا اللہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔

مقالة الاجتهاد في عصر الصحابة کے علاحدہ نسخے اب تک راہ ہی میں ہیں۔ ان شاء اللہ ادیر سویر آجائیں گے۔ میری کتاب Muslim Conduct of State (طبع سابع) کا آخری نسخہ میرے ہاں تھا۔ ایک دوست مستعار لے گئے اب مکر گئے ہیں کہ میں واپس کر چکا ہوں۔ کیا وہاں اس کا ایک نسخہ فراہم ہوسکتا ہے؟ میں بے بس ہوگیا ہوں۔ حوالوں کے لئے اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے۔

بھائی صاحب کو بھی سلام، احباب کو بھی

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۴۹- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۱/ جمادی الآ خر ۱۴۰۵ھ، سہ شنبہ

مخدوم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی عنایت نامہ ملا۔ ممنون تو ہوا لیکن آپ نے اچھا نہیں کیا۔ میرے پاس گزشتہ چالیس سال کے سارے اڈیشنوں کے نسخے ہیں صرف آخری ساتو اں اڈیشن مطلوب تھا تا کہ تازہ ترین اضافوں اور اصلاحوں سے بوقت ضرورت استفادہ کرسکوں۔

جیسے ہی آپ کا نسخہ آئیگا، ان شاء اللہ واپس کردونگا۔ آپ کے موعودہ مضمون سے غافل نہیں۔ مسودہ ہو چکا ہے تبییض کا انتظار ہے۔ ان شاء اللہ اور کاموں میں، اس سے بھی جلد فارغ ہوجاونگا

سب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۵۰- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۴/ جمادی الآ خر ۱۴۰۵ھ،

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا خط مل گیا ہوگا۔ شاید کتاب بھی واپس پہنچ گئی ہوگی۔ اب زحمت نہ فرمائیں۔ کتاب سے یہاں استفادے کا انتظام ہوگیا ہے۔ والحمدللہ۔

آپ نے دراسات اسلامیہ کے اردو اڈیشن کا ذکر فرمایا ہے۔ اس پر ایک چیز ذہن میں آئی:

بہت عرصہ ہوا اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور نے مجھ سے حضرت علیؓ پر ایک مقالے کی فرمائش فرمائی تھی، وہ بھیجا تو نظر آیا کہ پسند نہ ہوا اور شرماشرمی کو میرا نام تو باقی رکھا لیکن اتنی تبدیلیاں کیں کہ میں خود اپنی تحریر کو پہچان نہیں سکتا۔ خیر، شکایت نہیں، ہر شخص کو اس کی ضرورتیں اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔

ذکر کا مقصد یہ ہے کہ میرے پاس اصل کی ایک کاپی ہے۔ ۱۶ سطری ۱/۲/۴۸ صفحے ہیں۔ کیا یہ آپ کے رسالے کو درکار ہوگا؟ یہ باالاقساط چھاپ سکتے ہیں۔ مگر شروع ہی عرض کرتا ہوں کہ کوئی اصرار بالکل نہیں، اس

میں خاطر کا سوال نہیں ۔ میں اسے کسی کتابی صورت میں بھی کہیں چھپوا سکتا ہوں ۔ ان شاء اللہ

خدا کرے وہاں سب خیریت ہو، بھائی صاحب اور احباب کو سلام

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۵۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۸/رجب ۱۴۰۵ھ،

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل شام کی ڈاک سے الاجتہاد فی عصر الصحابۃ کے زائد مطبوعہ نسخے پہنچے، جزاکم اللہ خیر الجزاء، دل سے ممنون ہوں۔

چند دن قبل ایک عریضہ گزرانا تھا (اس میں حضرت علیؓ پر ایک اردو مضمون کا ذکر تھا) ان شاء اللہ ملا ہوگا۔

آج کل خطبات بہاولپور کی نظر ثانی اور انڈکس کی تیاری میں غرق ہوں وہاں کے سابق وائس چانسلر اور آپ کے رفیق پروفیسر عبدالقیوم قریشی صاحب اسے دوبارہ جلد سے جلد چھاپنا چاہتے ہیں۔

خدا کرے آپ سب خیر وعافیت سے ہوں بھائی صاحب وغیرہ کو سلام نیاز

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۵۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۵/رجب ۱۴۰۵ھ، شنبہ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۳/ ماہ رواں کا خط کل ملا ممنون ہوا جب بھی آں محترم کے پاس سے کوئی چیز آتی ہے، فوراً رسید گزرانتا ہوں۔ کتاب مسلم کانڈکٹ، اورزائد نسخہ ہائے مقالہ جات اب تک تونہیں آئے ہیں اور نہ اس قدر جلد آنے کا امکان ہے

کیا آپ فتاویٰ قاضی خان کا ذکر فرمارہے ہیں یا فتاویٰ تاتارخانیہ کا؟ آخر الذکر والدمرحوم کے ہاں تھی اور اس کی فوٹو کاپیاں میرا ایک بھتیجے نے دہلی ہی میں کسی کو بھیجی ہیں۔

خطبات بہاولپور کو آپ کے رفیق پروفیسر عبدالقیوم قریشی صاحب اپنے شعبے کی طرف سے جلد از جلد شائع کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کتاب کی صرف غلطیاں درست کرسکا (جو ایک ہزار کے لگ بھگ ہونگی) آج کل انڈیکس تیار کرنے میں منہمک ہوں ۔ ان شاء اللہ جلد فارغ ہوجاونگا۔ حوالوں کو خود میرا جی چاہا لیکن اس میں بہت وقت لگتا اس لئے مجبوراً ان سے صرف نظر کرنا پڑا ہے ۔ ابھی فیصلہ نہیں کیا کہ خود اپنی متعلقہ تصنیفوں اور مقالوں کی کتابیات بڑھاوں یا نہیں، واللہ المستعان۔

مجھے علم نہیں کہ اسے کسی نے لاہور سے چھاپ دیا ہے، غالباً ساری غلطیوں کے ساتھ ...اصل کا ایک سستا اڈیشن ردی کاغذ پر جامعہ بہاولپور ہی نے اصل ایک سال بعد طلبہ کے لئے چھاپا ہے۔

حضرت علیؓ کا مقالہ منسلک ہے، چاہتا تھا کہ فوٹو کاپی لوں کہ ایک نقل احتیاطاً محفوظ رہے مگر ٹائپ کی کاربن کاپی کی سیاہی بہت مدہم پائی گئی ۔ خدا کرے وہ آپ کو حفاظت سے مل جائے۔ آپ کو اس میں ہر ترمیم کی کامل آزادی ہے قطبین کے اوقات نماز کو ان شاء اللہ خطبات بہاولپور سے فراغت کے بعد ہاتھ میں لوں گا۔

بھائی صاحب کو بھی سلام

نیاز مند

خط نمبر: ۵۳- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۴رشعبان ۱۴۰۵ھ،

محترم ومکرم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی ڈاک میں ''بے شمار'' چیزیں ملیں ۔ رسید کے لئے عرض ہے کہ مسلم کانڈکٹ آف اسٹیٹ بھی ، عربی کے دونوں مقالے کے زائد نسخے بھی ، رسالے کے نمبر بھی پہنچے ، **جزاکم اللہ احسن الجزاء** ۔ اکتوبر کے مضمون قرآن میں شروع ہی میں ایک سہو طباعت ہوئی ہے:

نحن من أولادِ آخرهم ہونا چاہئے ، جنوری والے مضمون حدیث میں بھی ص: ۶ سطر ۲۰ میں ''**بن حزم أنا**'' پڑھیے ، انہا نہیں ۔ ابھی وقت نہ ملا کہ دونوں مضمون پڑھوں اور غلطیوں کی ہر ری پرنٹ میں تصحیح کروں پھر احباب و مکتبات میں تقسیم کرسکوں

حضرت علیؓ کے حالات کا اردو مضمون ان شاء اللہ پہنچ گیا ہوگا۔ خطبات بہاول پور بھی بعد نظر ثانی و بہ اضافۂ اشاریہ، محترم عبد القیوم قریشی صاحب کو بھیج چکا ہوں ۔ وہ اسے مکرر چھاپنا چاہتے ہیں ۔ میری عزت افزائی ہے ۔ میں ''مسلم کانڈکٹ'' کے ارسال پر خاص کر بہت شرمندہ ہوں ۔ مجھے اس کی زحمت دہی پر معاف فرمادیں سلام مسنون

نیاز مند

محمد حمید اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خط نمبر: ۵۴- پاریس ۲۳رشعبان ۱۴۰۵ھ،

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

غالباً آپ دوبارہ سفر پر ہیں ۔ مضمونوں کے زائد نسخے پہنچنے کی شکر گزاری کے ساتھ اطلاع دے چکا ہوں. ان شاء اللہ اردو مضمون ''حضرت علیؓ'' پہنچ گیا ہوگا

تصحيح أغلاط الطبع (ج۱۹، ع۵

مقالہ تدوین القرآن وتراجمہ

صفحہ	سطر	مطبوع	صحیح
۵	۲	أولادهم	أولادآخرهم،
۵	۱۵	منارة	مغارة عند
۶	۳	أيضا	أيضا
۷	۱	اللغات	اللغة
۷	۹	حواريون	الحواريون
۷	۲۱	سنة	سِنّة
۸	۳	والمعرفة	كوسيلة المعرفة
۸	۹	لأدا	لأداء
۸	۱۲	المسب	العسب
۹	۳	السورة	السُوَر
۹	۱۷	قال:مسجد	قال:أول مسجد
۹	۱۹	نجماً	نجماً نجماً
۱۰	۷	أو أوراق	أو رقّ
۱۱	۳	القرء ات	القرآن
۱۱	۵	(بعد)	(وبعد)
۱۱	۸	خليل	خليل الله
۱۱	۱۵	الشيل	الشيخ
۱۲	۳	النجودا	النجود
۱۲	۱	جمريل)	(جبريل)
۱۲	۱۱	الفى	الذى
۱۵	۳	الخشب	العسب
۱۵	۱۵	قليأت	فليأت
۱۶	۱۰	الانصارى	الأنصار
۱۶	۲	الصحف	المصحف

١٦	١٦	الحزيمة	خزيمة
١٨	٨	بن ثابت	ابن ثابت
٢١	٣	كنتم ويقول ونحن كنتم	وبقول ونحن
٢١	٥	الوريد	الورى"
٢١	٣	الاناجيل	الاناجيل اليونانية
٢١	١٧	d'onciaus	d'onciaux
٢١	٢٠	de minuscule	deminuscules
٢٢	٣	mames	memes

تصحيح أغلاط الطبع (ج٢٠،ع١)

مقاله أقدم آثار تدوين الحديث كتابة

صفحه	سطر	مطبوع	صحیح
٦	٢٠	أنها	أنا
٨	١٢	ظ	٢
١٢	١٢	استصانت	استهانت
١٢	١٣	بدر	بدو أحد
١٣	٩	آلالاف	آلاف
١٣	١١	مشاهدات	معاهدات
١٣	٥	سهيل ابن	سهيل بن
١٣	١٣	كتبنا في	كتبنا،وبخط
١٥	١٢	حذيفه بن اليمان	حذيفة بن اليمان
١٨	٨	عصر النبى	عصر صحابة النبى
١٨	١٦	وعلى	وبَلى
١٨	١٨	و وصل	ووصلت

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں بھائی صاحب کو بھی سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۵۵- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۱۴ کتوبر ۱۹۸۵ء ر یکم صفر ر ۱۴۰۶ھ

مخدوم محترم زاد مجد کم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی ۲ را کتوبر کا عنایت نامہ ملا۔ سرفراز ہوا۔ افسوس ہوا کہ میرے سابقہ دو تین عریضوں میں سے آپ کو ایک بھی نہ ملا۔ میں نے خیال کیا تھا کہ آپ کسی سفر پر ہیں۔ خدا ڈاکیوں کو نیک ہدایت دے مجھے اب یہ بھی یاد نہیں کہ سابق میں کیا لکھا تھا، اسّی سال سے متجاوز ہو جانے سے حافظہ بڑا کمزور ہوگیا ہے۔

قطبین پر نماز کا مقالہ صاف کرنا ہے۔ دیگر اتنی کثیر مصروفیتیں ہیں کہ کوئی ''نئی چیز'' لے نہیں سکتا۔ ان شاء اللہ جلد سے جلد ادھر توجہ کرونگا

میں نے آپ کے ساتھ کے کتب خانے کے سلسلے میں ایک سرکاری خط کا جو آیا تھا، جواب دیا تھا کہ Trust اور Endowment میرے لئے یکساں ہیں، آپ ہی جو چاہیں انتخاب فرمائیں۔ جو چیز میں چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ اس میں میرا نام نہ رہے۔ بہر حال آپ کو پوری آزادی ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۵۶- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۰ ر ربیع الأ نور ۱۴۰۶ھ،

مخدوم محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل شام کی ڈاک میں مرسلہ بستہ ملا۔ ممنون ہوا (رسالہ اور مضمون حضرت علیؓ کے زائد نسخے)۔

یہاں آج کل شدید برفباری ہورہی ہے۔ میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن کی پندرھوریں اشاعت کی تیاری کے کام میں غرق ہوں۔

بھائی صاحب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۵۷-　　　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　۲/رجب ۱۴۰۶ھ،

مخدوم ومحترم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج صبح کی ڈاک میں عنایت نامہ ملا۔دلی مسرت کا باعث ہوا کہ آپ خیر وعافیت سے ہیں۔

حجۃ اللہ البالغۃ کے کسی فرانسسی ترجمے کی اشاعت سے میں بے خبر ہوں۔میرا اپنا ترجمہ کوئی تیس ایک سال سے مخطوطے کی شکل میں گھر میں پڑا ہوا ہے کہ کوئی ناشر نہ ملا، واللہ المستعان

تقریباً ڈیڑھ دو مہینے ہوئے اپنی تازہ فرانسسی تالیف مکتوبات نبویہ کی چھے اصلیں ہوائی ڈاک سے (بغیر رجسٹری کے) محمود احمد غازی صاحب کی خدمت میں روانہ کی تھی رسید آئی غالباً ڈاک میں چوری ہوگئی۔ المستغاث إلی اللہ

کوئی اور خدمت ہو تو تکلف نہ فرمائیں

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۵۸-　　　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　۱۷/رجب ۱۴۰۶ھ/۲۸/مارچ ۱۹۸۶

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ ملا۔ممنون ہوا۔اور اطمینان خاطر حاصل ہوا کہ فرانسسی کتاب کم از کم گم نہ ہوئی اور آپ کو پہنچ گئی الحمد للہ

آپ کی خلیری بہن کا انتقال ہوگیا۔ انّا للہِ وانّا الیہ راجعون۔ اللہ انھیں اعلائے علیین نصیب کرے اور سب پسماندوں کو صبر جمیل کی توفیق

غزالی صاحب شوق سے ویلز یونیورسٹی کو میرا حوالہ دیں لیکن میں کیا اور میری شناخت یا سفارش کیا۔ جہاں کا آب ودانہ ہے وہاں جانا اور رہنا ہوگا۔

میری عمر اسّی سال سے متجاوز ہوگئی ہے ہر وقت تھکا ہوا رہتا ہوں، کم ہی توقع ہے کہ سال آئندہ صحت اب سے بہتر ہوگی۔ یقین نہیں کہ وہاں آسکوں اس قسم کے لکچروں کو تیار کرنا ہوتا ہے، برجستہ نہیں دئے جاسکتے۔ اور موجودہ عمر میں اس کا امکان نہیں۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اس کا ہے کہ استانبول جانے سے معذرت مانگنی پڑی۔ وہاں میں نے تاریخ تطور الدستور عند المسلمین شروع کی اور کوئی پندرہ سال جاری رکھی تھی۔ مکہ قبل اسلام سے

لے کر ابو العباس سفاح تک پہنچا تھا اور ہر سال ایک ایک خلیفہ کا فرداً فرداً ذکر کرتا تھا۔ اس کی تکمیل کی تمنا رہی مگر اب امکان نہیں رہا کہ اس محنت کا تحمل کر سکوں۔ مشیة الله غالبة علیٰ أمره

آپ حجۃ اللہ البالغہ کے فرانسیسی ترجمہ چھاپنے تیار ہیں۔ ازیں چہ بہتر لیکن:

۱- میں مشورہ نہ دونگا کہ آپ اسے چھاپیں کہ ملک میں فرانسیسی جاننے والے عنقا ہیں

۲- تیس سال پہلے کا کام ہے۔ اب نظر ثانی کرنی ہوگی۔ اس کے لئے وقت چاہئے۔ اس میں ایک اچھا مقدمہ بھی درکار ہے تاکہ حضرت شاہ صاحب کی اہمیت بتائی جائے اس کی تیاری بھی آسان نہیں۔

۳- آج کل متعدد فوری کام سر پر ہیں اور طویل ہیں یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر ترجمہ آپ کو روانہ کرنا ہی پڑے تو کب تک ممکن ہو سکے گا؟

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ نوازش کا مکرر شکریہ

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر:۵۹- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷رشعبان ۱۴۰۶ھ،

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خدا کرے آپ سب خیر و عافیت سے ہوں۔ ایک زحمت دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔ جب تک لاہور والے شیخ محمد اشرف زندہ تھے کتابوں کے لئے ان کو لکھتا تھا۔ وہ بھیج دیتے تھے اور بل ادا کر دیتا تھا۔ ان کے جانشینوں سے مایوس ہو چکا ہوں۔

الحق (اکوڑہ خٹک) کے تازہ نمبر مارچ ۱۹۸۶ء میں ایک نئی کتاب کی تنقید چھپی ہے: ''مکتوبات نبوی''، از سید محبوب رضوی، پتہ: مولانا غلام مصطفیٰ خطیب جامع مسجد، سعدی پارک مزنگ، لاہور (۳۲۰) صفحے

کیا یہ وہاں آئی اور آپ کی نظر سے گزری ہے؟ اگر مفید چیز ہے تو کیا اس کا ایک نسخہ میرے مصارف پر میرے لئے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حفظکم اللہ وعافاکم

الفقیر إلی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۶۰- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۰ر شعبان ۱۴۰۶ھ،

مخدوم ومحترم

سلام نیاز

ایک عریضہ گزرانا تھا کہ آپ کا کرم نامہ راستے میں اس سے متقاطع ہوگیا۔

میں شرمسار ہوں کہ وعدہ پورا نہیں کرسکا۔ کاموں کی کثرت صحت کے اضمحلال، ان شاء اللہ مضمون نماز قطبین جو میز پر ہی رکھا ہوا ہے۔ جلد بھیج دونگا میں نے سونچا کہ اس کی آپ کو جلدی نہ ہونی چاہئے کہ پاکستان سے وہ مسئلہ براہ راست متعلق نہیں، محض ایک علمی بحث ہے۔ واللہ المستعان

"تاریخ تطور الدستور الاسلامی" عربی میں ہے، مسودے کی شکل میں مکہ قبل اسلام، عہد رسالت، پھر ہر خلیفہ پر ایک مستقل باب، ابوالعباس السفاح تک۔ درمیان میں صرف ایک حضرت معاویہ یہ نوٹ کی شکل میں ہے، مضمون کی شکل میں نہیں کہ اس سال مجھے وہ ترکی مترجم ملا تھا جسے عربی کم آتی تھی۔

مگر یہ سب مسودے کی شکل میں ہے، تبییض اور نظر ثانی کا وقت کب آئیگا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ واحد خواہشمند نہیں۔

بہت دن کی بات ہے آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ میرا ایک اور مضمون آپ نے شائع فرمایا ہے اور رسالے کا نسخہ اور مضمون کے زائد نسخے روانہ فرما رہے ہیں، پھر کوئی اطلاع نہ ملی۔ اب تو یہ بھی یاد نہیں وہ کونسا مضمون تھا قصور معاف فرمائیں، بھلکڑ ہوگیا ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۶۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ر رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ، سہ شنبہ

مخدوم ومحترم کان اللہ معکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب گرامی ملا سخت متاسف ہوا۔ اللہ آپ کے والد صاحب مرحوم کو اعلائے علیین میں جگہ دے۔ میں بھی یہ صدمہ اٹھا چکا ہوں۔ مشیت الٰہی ایسی ہی ہے۔ واحد تسلی بخش چیز یہ ہے کہ شاید یہ سفر آخرت مرحوم کے لئے بہتر ہی تھا کہ جہاں فانی کی تکلیفوں سے نجات پائی۔ واصبر وما صبرك الا بالله ۔

خدا آپ سب اہل خاندان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ بھائی صاحب کو بھی پرسہ دیں۔

کتاب فصاحت نبویؐ بھی پہنچ گئی ۔ آپ نے زحمت فرمائی اور مجھے سخت شرمندہ فرمایا ہے ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ خدا برکات رمضان سے ہم سب کو متمتع فرمائے

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۶۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۵ مئی ۱۹۸۶ء/۶/رمضان ۱۴۰۶ھ،

مخدوم ومکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد صاحب کے انتقال کی خبر ملی۔ انّا للہِ وانّا الیہ راجعون،خدا آپ سب پسماندوں کوصبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے ۔اور مرحوم کواعلاے علیین میں جگہ دے ۔

آج ۱۵/مئی ہے ۔یقیناً آپ اپنی درخواست بھیج چکے ہونگے ۔یونیورسٹی کا اشتہار ذرا عجیب سا ہے ۔وہ آپ سے چاہتے ہیں کہ واقف لوگوں کے نام دیں تاکہ یونیورسٹی ان سے راز میں رائے طلب کرسکے ۔اورساتھ یہ بھی کہ درخواست گزار اپنے محولہ لوگوں سے کہے کہ براہ راست یونیورسٹی کولکھیں ۔بہر حال ان شاء اللہ آج شام کوایک خط میں لکھ کر روانہ کردونگا۔ خدا کرے کار آمد ثابت ہو۔ میں انھیں یہ بھی لکھنا چاہتاہوں کہ آپ کا اگر انتخاب ہوتو آپ ویلز کی زبان سیکھنے کی بھی کوشش کرینگے۔

عیدمبارک

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر:۶۳- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۶/رمضان ۱۴۰۶ھ،

مخدوم ومحترم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شرمندگی پر شرمندگی ۔فصاحت نبوی کے بعد (جس کی رسید گزران چکاہوں)،آج مکاتیب رسولؐ نامی رسالہ بھی آ گیا ہے ۔مگر بستے پر آپ کا نام نہیں ہے اور مزید لطف یہ کہ اوپر صراحت ہےBy Surface Mail-کیا

یہ وہی کتاب ہے جو میں نے مانگی تھی؟ جہاں تک یاد ہے وہ لاہور میں چھپی تھی۔ اور یہ راولپنڈی کی ہے۔ اگر یہ ایک مزید سرفرازی ہے تو ادب سے التماس ہے کہ اس طرح زحمت نہ فرمائیں۔ میرے تنگ کمرے میں اب ہدایا کے لئے واقعی جگہ بالکل نہیں رہی ہے، وہ دوسروں کو دیدینے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ یہ بھی التماس ہے کہ فرمائیں کہ مصارف کیا اسلام آباد کے پتہ پر روانہ کروں یا کہیں اور ادا کروں؟ جزاکم اللّٰہ احسن الجزاء ۔

ناچیز خادم
محمد حمید اللہ

خط نمبر:۶۴- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۷رمضان ۱۴۰۶ھ،

مخدومی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عید مبارک

میں شرمندہ ہوں کہ مسلسل زحمتیں دیتا رہتا ہوں، شاید میرا ایک خط ڈاک میں کھوگیا۔
میں نے آپ سے جس کتاب کے لئے عرض کیا تھا اس کا نام ہے
مکتوبات نبوی از سید محبوب رضوی، ۲۳۰ صفحے
پتہ: مولانا غلام مصطفیٰ خطیب جامع مسجد سعدی پارک، مزنگ، لاہور
وہاں سے نہ معلوم کسی نے ایک کتاب روانہ فرمائی۔ مکاتیب رسولؐ، از عزیز ملک، مطبوع راولپنڈی۔
اطلاعا عرض ہے، اور استدعا ہے کہ مرسلہ کتابوں کا بل بھی روانہ فرماسکیں تو ممنون ہونگا۔
جزاکم اللہ فی الدارین خیرا

نیازمند خادکم
محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۶۵- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۰رمضان ۱۴۰۶ھ،

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا عید مبارک۔
مضمون علیؓ بن ابی طالب عرصہ ہوا مل چکا تھا اور یقیناً رسید بھی گزرانی تھی، جزاکم اللہ

آپ کی محترم ہمشیرہ نے انگلستان سے فرمائش کی تھی کہ سندھ اکیڈمی والوں کو یاد دہانی کراوں اسے چند ہفتے ہوے اور یہ بھی فوراً کر چکا ہوں۔ باقی تاثیر، یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

عمر بڑھ رہی ہے اور صحت گر رہی ہے۔ کام ہیں کہ روز افزوں ہی ہیں۔ واحد تسلی بخش چیز یہ ہے کہ نومسلموں کی خدمت میں بھی وقت دیتا ہوں۔ حفظکم اللہ وعافاکم

سب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر:٦٦- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٨رشوال ١٤٠٦ھ،

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عید مبارک، خدا کرے آپ سب وہاں خیر وعافیت سے ہوں۔

آج محترم ڈاکٹر خالد مسعود صاحب نے جو یہاں آئے ہوئے ہیں، زحمت فرمائی اور مجھے ''خطبات بہاولپور'' کے نئے اڈیشن کا ایک پیشگی نسخہ پہنچایا۔ آپ سب کا ممنون ہوں۔

ان کے تشریف لیجانے کے بعد ورق گردانی کی تو کچھ غلیطاں ملیں فوراً عرض کرتا ہوں تاکہ بعد از وقت نہ ہوجاے

١- آئے ہوئے نسخے میں ص ١ تا ١٦ (جو میرے تاریخ قرآن سے متعلق ہیں) کسی اور کتاب کے غلطی سے یہاں لگ گئے ہیں (فصل تخلیق انسانی'') تجلید کی غلطی ہے جو خدا کرے مابقی نسخوں میں نہ پائے۔

٢- فہرست مضامین میں نمبر١٣ میں مختصر کتابیات سے ص ٤٣٥، نمبر١٤ اشاریہ ٤٤١ درج ہیں یہ اصل مطبوعہ اوراق میں علی الترتیب ص ٤٢٧ اور ٤٣٣ ہیں طباعت ہوچکی ہے تو یہ تصحیح اب نہ ہوسکی گی۔

مکرر شکر گزاری عرض کرتا ہوں کہ اس ناچیز کی آپ لوگوں نے عزت افزائی اور سرفرازی فرمائی ہے۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ٦٧- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یکم محرم ١٤٠٧ھ

مخدوم ومکرم برادر محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ اور سب اہل خاندان واحباب خیر وعافیت سے ہوں۔ معذرت چاہتا ہوں کہ عرصے سے

اپنی خیر خیریت نہ دی ۷۰۴۱ھ آیا ہے اور اکاسی سال ختم ہو کر ۸۲ واں سال شروع ہو گیا ہے لیکن اللہ کی نوازش ہے کہ ابھی چل پھر لیتا، کام کاج بھی کر لیتا ہوں۔

غالباً شرح السیر الصغیر (مبسوط للسرخسی ج ۱۰) کا ترجمہ ابھی آپ نے شروع نہیں فرمایا ہے۔ خدا جلد تمام کرائے۔ اسی سلسلے میں دو باتیں عرض کرنی ہیں:

۱۔ اسی مخدوم ملت مولف کی شرح السیر الکبیر پر (فرانسیسی ترجمہ کرنے کے باعث) میری کافی نظر ہے اور بہت سی چیزیں مشترک بھی ہیں۔ اس لئے مبسوط کے باب کا ترجمہ کرنے میں (کہ اس میں طباعتی اغلاط کافی ہیں) اگر آپ کو کبھی کوئی دشواری پیش آئے تو بے تکلف مجھے لکھئے ممکن ہے شرح سیر کبیر کے باعث میں کوئی حل بتا سکوں۔ **واللہ المستعان**

۲۔ بلوچ صاحب نے آپ کے ترجمے کا مقدمہ مجھے لکھنے کا حکم دیا ہے اگر کسی وقت فرصت ہو تو از راہ کرم بتائیں کہ کتنا ضخیم ہو اور کس نہج پر لکھا جائے۔ علم سیر اور مولف کتاب پر تو بحث آئیگی ہی، اور کیا چیزیں مناسب ہونگی؟

آج معارف اعظم گڑھ کا اگست نمبر آیا ہے۔ لکھا ہے کہ اسلام آباد میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ کا رسالہ نوائے سطانیہ شائع کیا ہے۔ کیا وہ مل سکتا ہے؟ جلدی نہیں اس لئے سمندری ڈاک سے بھی بھیجا جا سکتا ہے اور کرم فرما کر بل روانہ فرمائیے کہ "**أدّوا الأمانات إلى أهلها**" کر سکوں۔

غالبًا لاہور سے مکتوبات نبویہ کی کتاب آپ کے تاجر کتب نے تا حال فراہم نہ کی۔ **والأمر بيد الله**

بھائی صاحب کو سلام

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۶۸۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۲ رمحرم ۱۴۰۷ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اولاً معذرت کہ ایک گندا خط آپ کو بھیج رہا ہوں۔ ایک خط لکھا تو بے خیالی میں متن ایک آیروگرام پر، اور پتہ دوسرے پر۔ بڈھا ہو گیا ہوں، **والعذر عند کرام الناس مامول**

ابھی ابھی دو عنایت نامے ایک ساتھ ملے۔ ممنون ہوا۔ بہت شرمندہ ہوں کہ آپ اپنی کتاب مجھے روانہ

فرمارہے ہیں۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیراً ، واقعی زحمت دہی پر شرمندہ ہوں۔

مبسوط سرخسی میں کتاب السیر کا آخری جملہ ، جہاں تک یاد ہے یہ ہے کہ سیر صغیر ختم ہوئی میرا اپنا، شاید غلط استنباط یہ ہے کہ یہ امام محمد کی سیر صغیر کی شرح ہے۔ اصل اور شرح میں امتیاز شاید ممکن نہیں۔ اگر مبسوط کے اس کامل باب کا ترجمہ ہو جائے تو اسلامی قانون بین الممالک کا ایک اجمالی تصور حاصل ہو جاتا ہے۔ (چاہے وہ قدیم ترین کتاب نہ ہو) ترجمے کے مقدمے میں اس اسلامی علم کی تاریخ بیان ہو جائیگی۔

گروتیوس کے متعلق آپ کا خیال درست ہے لیکن اصل لاطینی کو پڑھنا آسان نہیں۔ مجھے علم نہیں کہ اس کی کتاب کا انگریزی فرانسسی یا جرمن میں ترجمہ ہوا بھی ہے یا نہیں (میں نے کبھی نہیں دیکھا) بہرحال کوشش کرونگا واللہ المستعان۔ ناکام ہوا تو معذور سمجھ لیں اور خود آپ اس کی تکمیل فرمادیں۔

سندھ اردو اکیڈمی سے بے بس ہوں۔ خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو

کتاب مکتوبات نبویہ کا ذکر ایک اخبار میں پڑھا تھا اب یاد نہ رہا میں مزید زحمت نہ فرمائیں

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۶۹- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۷ر محرم ۱۴۰۷ھ

محترم ومکرم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا گزشتہ خط ملا ہوگا۔ ان شاء اللہ

کل امر مرھون باوقاتہ، آج ایک پرانے وعدے کا ایفاء کررہاہوں۔ ماتیسّر حاضر ہے اگر نامناسب ہو تو بے تکلف حذف کردیں۔ بشری غلطیوں کی اصلاح بھی ہوسکتی ہے۔

مضمون میں ایک نقشہ جغرافی بھی ہے۔ معلوم نہیں اس کا عربی نسخہ وہاں تیار ہوسکیگا یا نہیں۔ میرے نقشہ ساز کا انتقال ہو چکا ہے۔ اسی نے مکہ کو مرکز نقشہ بنایا تھا...... مگر اسے عربی نہیں آتی تھی۔ مضی ما مضیٰ۔

antipoda کا ترجمہ سَمْت القُدَمْ معلوم کسی حد تک درست ہے zenith کے سَمْت الرأس سے اسے اخذ کرنے کی جسارت کی ہے۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو۔ اقرباء واحباب کو سلام۔

اس وقت کتب خانہ میں ہوں اور گروتیوس کی کتاب منگائی ہے۔ آپ کی فرمائش تو پوری کرنی ہے السعی منّا والاتمام من اللہ۔

اس کا فرانسسی ترجمہ ہوا ہے۔ انگریزی بھی۔ دیکھ کر نوٹ لئے لیکن حسب توقع اس میں اسلام سے متاثر ہونے کا کوئی اعتراف نہیں۔ اس کی فہرست مضامین نوٹ کی ہے۔ اب اس کے پیشروؤں آیالا اور بیلو پر کام کرونگا، **واللہ المستعان**

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۰-　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　۵/صفر ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حیرت بھی اور مسرت بھی ہوئی کہ رسالہ نوریہ آج پہنچ گیا۔ عام طور پر پاکستانی ڈاک دو سے تین مہینے لیتی ہے۔ **جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء**

رسالہ نوریہ کو فرصت میں ان شاء اللہ تفصیل سے دیکھونگا۔ اشاریہ میں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ابویعلیٰ الفرّا ہی نہیں ماوردی کی الاحکام السلطانیۃ بھی محترم مولف کی دسترس میں نہ تھی۔ حفظکم اللہ وعافاکم۔ بھائی صاحب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۱-　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　۱۰/صفر ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم متعنا اللہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کافی تلاش کے بعد کل قدیم ترین مغربی مولفین قانون بین الممالک: آیالا، ویتوریا، جنظلیس کی کتابیں ملیں اور ان سے ضروری معلومات نوٹ کر سکا۔ بہرحال میں جب اپنا مقدمہ بعون اللہ تعالیٰ آپ کو بھیجوں گا تو وہ ایک مسودہ، ایک تجویز کی حیثیت رکھیگا۔ آپ اسے ہر طرح بدل کر حسب خواش بنا سکتے ہیں۔ خاکہ یہ ہے کہ یہ علم دنیا میں کب شروع ہوا اور پھلا پھولا، ہند اور چین، یونان اور روما وغیرہ کے بعد مسلمانوں نے اس کی کیا خدمت کی۔ اور جدید مغرب اس آخر الذکر سے کسی حد تک مستفید ومتاثر ہوا، چاہے عدم اعتراف ہی کے ساتھ۔

اس موضوع کی اسلامی قدیم ترین کتاب کی جگہ جو شاید موجود بھی نہیں ہے، اس کی بہترین چھوٹی سی کتاب سے دنیا کو روشناس کرانا شاید کافی ہے۔ اسی لئے میں نے سرخسی کی سفارش کی۔ لیکن آپ اسے بدلوا سکتے ہیں۔ میرا

اپنا مقدمہ اگر مطلوب ہی ہے تو وہ ہر کسی کتاب پر لگایا جاسکتا ہے۔ سرخسی ہو زید بن علی، یا کوئی اور۔

میں نے حضرت شاہ عبدالحقؒ کی کتاب پڑھ لی۔ اس میں سچ تو یہ ہے کہ نہ تو نئے نظریات سیاسی ملے، اور نہ نئی نامعروف حدیثیں۔ میں یہ سمندری ڈاک سے آپ کو واپس کر چکا ہوں تا کہ آپ کا کتب خانے اس سے محروم نہ رہے۔ مجھے اسکی آئندہ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

غالبًا اوقات صوم وصلات کا مضمون مل گیا ہوگا ماحضر وتیسّر گزرانا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ شائع ہی کیا جائے۔ احباب واقرباء کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۹/صفر ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ آپ ست اور میں چست؟ ثبوت یہ ہے کہ مقالہ اوقات صوم وصلات کے لئے دو یا تین سال تک یاددہانیاں کرنی پڑیں!

ایک چیز کی آج کل تلاش ہے اور حیران وپریشان ہوں۔ سورۃ بقرۃ وغیرہ میں شاید چار بار یہ ذکر ہے ''**وماانزل علیٰ ابراهیم... والاسباط..**'' اس اسباط سے کیا مراد ہے؟ وحی قبیلے کو تو نہیں ہوتی، قبیلے کی کسی برگزیدہ شخصیت کو ہوتی ہے، طبری، ابن کثیر، مودودی وغیرہ کسی میں کوئی تشفی بخش حل نہ ملا سب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۳- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۱/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے محجوب نہ کیجئے تو عنایت ہوگی۔

عنایت نامہ چند دن ہوئے ملا۔ کچھ انتظار کیا کہ مرسلہ کتاب بھی آ جائے تو ساتھ ہی رسید دوں۔ اب شاید کتاب کی رسید دوسرے خط میں دے سکونگا ان شاء اللہ، خدا کرے یہ مکرر وہی کتاب نہ ہو جو سابق آ چکی ہے۔ بہر حال آپ کو بڑی زحمت رہی، **جزاکم اللہ فی الدارین خیراً۔**

اسباط کے معنی ہونے تو وہی چاہئیں جو آپ نے فرمائے ہیں مگر خلش یہ کہ یہ لفظ چار جگہ آیا ہے اور ''وآخرین'' کی جگہ آیت کے بیچ میں آ کر کچھ اور نام آخر میں آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اب تک کچھ تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ حتیٰ کہ دشمنان قرآن کو بھی نہیں سوجھا کہ ایک مزید طعن کریں۔ **لعل الله یحدث بعد ذلك أمرا۔**

اردو اکیڈیمی کو شاید نصف درجن خط لکھ چکا ہوں۔ جواب سے بالکل مایوس ہوں۔ کیا ترجے کی نقل آپ کی محترم ہمشیرہ کے پاس ہے؟ اگر ہو تو رجسٹر خط سے ناشر کو نوٹس دیا جا سکتا ہے کہ وہ اب کہیں اور چھپوا لیا جائے گا حیران ہوں کہ کیا کروں؟

نیاز مند

حمید اللہ

خط نمبر: ۷۴- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۳/ربیع الانور ۱۴۰۷ھ

مخدوم و محترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی کتاب بھی آ گئی۔ الحمد للہ۔ دلی مسرت اور دلی ممنونیت کا باعث ہوئی، اگرچہ اس میں کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے میری ناچیز وناقص الوثائق السیاسیۃ میں کچھ اضافہ کر سکوں لیکن اطمینان ہو گیا کہ اس نئی شائع شدہ چیز سے بھی واقف ہوں۔ اور یہ آپ کی بے پایاں نوازش ہے۔ **جزاکم الله احسن الجزاء ،حفظکم الله وعافاکم**

اقربا واحباب کو بھی سلام

نیاز مند

حمید اللہ

خط نمبر: ۷۵- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم متعنا الله بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

کل از راہ کرم ارسال کردہ بستہ ملا۔ رسالے کا تازہ شمارہ اور مقالے کے زائد نسخے صحیح سالم پہنچ گئے۔ دلی شکریہ۔ ان دنوں کئی کام بہ یک وقت کرنے ہیں۔ مضمون سیئر چند دن رکا رہا اور اب بعون اللہ مکرر ہاتھ میں لے رہا ہوں خدا کرے آپ خیر وعافیت سے ہوں۔ بھائی صاحب وغیرہ کی خدمت میں بھی سلام عرض ہے۔

نیاز مند شرمسار

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۶- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۵؍جمادی الآخرۃ ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں سفر پر تھا۔ ابھی ابھی واپسی پر نوازش نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

مکرمی غزالی صاحب کا خواب بہت مبارک ہے، اللہ مخلص دوستوں کے ذریعے مجھے گناہگار کی تنبیہ کر رہا ہے کہ جاگ، توبہ کر لے، گناہوں سے باز رہ۔ خدا مجھے اس کی توفیق دے آمین۔ بھائی صاحب کا اور آپ کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں

پاکستانی سفارت سے جو صاحب تشریف لائے تھے انھوں نے کہا کہ محترم صدر جمہوریہ نے کویت جاتے وقت سفیر صاحب کو ٹیلیفون پر کہا کہ ''حمید اللہ کی فوراً خبر لو'' کیا انھیں بھی کوئی خواب نظر آیا ہے؟

اور کیا عرض کروں، گزر رہی ہے۔

مولانا عبدالشہید نعمانی کی کتاب ابھی تک تو نہیں آئی ہے شاید آ جائے خدا کرے وہاں اور سب خیر وعافیت ہو

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۷- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۹؍رجب ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کوئی ہفتہ بھر ہوا، کرم نامہ ملا اور صحت وعافیت کی اطلاع سے دلی مسرت ہوئی، خدا آپ کو تادیر صحیح وسالم رکھے اور حسنات دارین سے نوازے۔

میں اس اطلاع پر سخت شرمندہ ہوں کہ آں محترم نے عبدالشہید نعمانی کی کتاب مکتوبات نبوی مجھے روانہ فرمائی ہے۔ وصولی پر ان شاء اللہ مکرر رسید گزرانونگا۔ لیکن آپ کی لامتناہی نوازشوں پر خجالت محسوس کرتا ہوں۔ کاش آپ یہ لکھ سکیں کہ قیمت اور مصارف ڈاک کتنے ہوئے؟

کتاب الردّۃ للواقدی (مخطوط بانکی پور) کوئی چالیس برس تیار تھی۔ شاید اب شائع ہو سکے۔ کمپوز ہو چکی ہے۔ مگر موجودہ دوسرے ناشر بھی پہلے والے کی طرح کم چستی دکھاتے ہیں۔ **والامر بید اللہ** ۔ معلومات سے پر کتاب ہے۔ خاص کر ایک بیان مجھے بہت اہم معلوم ہوا جو کہیں اور پڑھنے میں نہیں آیا تھا کہ مسلمانوں کی بیزنطینیوں سے جنگ سفیر نبوی کے قتل اور قیصر کے تلافی سے انکار پر چھڑی۔ ایران پر حملے کا سبب واضح نہ تھا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ وفات نبوی پر کسریٰ نے اسلامی علاقے پر خود ہو کر حملے کا آغاز کیا۔ اللہ نے سزا دلائی۔

بھائی صاحب اور احباب کو سلام و نیاز

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمدرد اسلامیکس میں میری تجویز چھپی تھی کہ قرآن مجید وغیرہ چند مزید علامتیں بڑھائی جائیں وہاں مضمون میں طباعتی غلطیاں تھیں) تازہ نمبر میں کسی صاحب نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ آپ کا اپنا ردعمل کیا ہے؟ (جلدی بالکل نہیں) ہاں چاہیں تو ہمدرد ہی میں اپنا ایک خط چھپوا دیں۔ سب کو استفادہ ہو سکے گا۔

کتاب السیر کی تمہید الحمدللہ سہم سہم جاری ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۸- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لیلۃ البراءۃ ۱۴۰۷ھ

مخدوم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر رفی الدین صدیقی نے یہ خوشخبری دی ہے کہ میری فرانسسی سیرت نبویہ کی جلد دوم کا ترجمہ آپ فرمانے والے ہیں۔ زہے نصیب۔ آپ سے استدعا ہے کہ ترجمے کے دوران میں اگر تالیفی غلطیاں نظر آئیں تو بے تکلف اصلاح فرما دیا کریں۔ اور اگر مجھے بھی واقف کرائیں تو ممنوں ہونگا کہ غلط فہمی سے نکل سکوں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ چوتھا اڈیشن جو وہاں ہے کافی پیچیدہ ہے طباعت سوم ہی کو فوٹو لے کر من وعن چھاپا گیا ہے، صفحہ اور سطر کے حوالے سے اور اصل کتاب میں علامت (☆) حاشیے پر لگا کر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اب ترجمے میں ان اضافہ شدہ چیزوں کو مدغم کر دینا ہوگا۔

پانچویں اڈیشن میں بھی کافی اضافے ہونے ہیں۔ ایک پورا باب ہی رسول اکرمؐ بطور انجینئر۔ ان شاء اللہ اس کے فوٹو لے کر قریب میں آپ کو بھجوا دونگا۔ دیگر چھوٹی اصلاحیں ترجمے میں برموقع بڑھا دیا کرونگا۔ ان شاء اللہ۔

معلوم نہیں آپ ارسال کس طرح کیا کریں گے۔ میری ناقص رائے میں اگر آپ ہوائی ڈاک کے باریک کاغذ پر ٹائپ کرائیں، فوٹو کاپی وہاں محفوظ رکھیں اور میں اس میں رسمی نظر ثانی کے بعد اصل واپس کرنے کی جگہ صفحہ اور سطر کے حوالوں سے لکھ دیا کرونگا کہ یوں ہو تو مناسب ہے۔

یہ یا کوئی تجویز آپ ہی فرمائیں۔ ایک بات جو اہم ہے یہ ہے کہ پارسل سے مجھے کچھ نہ بھیجیں۔ فرانسسی ڈاک ہر پارسل پر تیس بتیس فرانک مرسل الیہ سے لیتی ہے اور عذر یہ کہ محتویات کی تفتیش کرائی جاتی ہے۔

بہرحال جو مناسب معلوم ہو عمل فرمائیں۔ بھائی صاحب کو بھی سلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۷۹-　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　۲۴رشعبان ۱۴۰۷ھ پنجشنبہ

مخدوم ومحترم زادمجدکم وعمّ فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُس کرم نامے کی رسید گزران چکا ہوں جس میں عبدالشہید نعمانی صاحب کی کتاب فرامین نبوی کے ارسال فرمانے کی اطلاع دی گئی تھی۔ آج وہ بستہ کئی ہفتے بعد الحمد للہ دیر آید درست آید، پہنچ گیا مصارف ڈاک پر نظر ڈالی تو تکلیف پہ تکلیف ہوئی دنگ رہ گیا۔ کتاب کی قیمت سے بھی زیادہ مصارف ڈاک ہوتے ہیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

محترم بروہی صاحب کا ایک خط اس ہفتے آیا ہے۔ مجھے شوال میں اسلام آباد بلایا ہے۔ معذرت تو کی لیکن معلوم نہیں قبول ہوگی یا نہیں۔ بہر حال اس سلسلے میں کتاب السیر کے مقدمے کی تدوین کا کام ملتوی کرنا پڑا ہے۔

ایک ناچیز تالیف گزشتہ ہفتے ہوائی ڈاک سے بھیجی ہے ان شاء اللہ حفاظت سے پہنچ جائیگی۔

خدا کرے وہاں سب خیر وعافیت ہو۔ بھائی صاحب کو بھی سلام

نیازمند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۰-　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　منگل، ۱۴ار رمضان ۱۴۰۷ھ/۱۲ار مئی ۱۹۸۷ء

مخدوم ومحترم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کرم نامہ ملا، سرفراز کیا۔

ترجمہ ماشاء اللہ اچھا ہے بے جھجک جاری رکھئے، ایک بات البتہ ملحوظ رکھئے۔ کتاب میں میری ایک حماقت سے بہ کثرت ''محمدؐ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ ہماری روایات کے خلاف ہے۔ از راہ کرم اس کے جگہ پیغمبر، رسول اللہ وغیرہ عام طور پر درج فرمادیجئے پیشگی، شکریہ۔

تفصیلی مقابلہ تو اصل سے کرنے کا ابھی موقع نہ پایا۔ صرف اول کے متعلق ذیل کی تبدیلیاں مناسب معلوم ہوتی ہیں:

Line	Name	I propose
19-20	Rad the anciety ... a super human	Task care to give to his adherents his own practice as a model for the average man. He does not at all seem to be of the opinion that a messenger of God should impose on himself a super human
23	Penalty on wrong he	harm as he
24	forgive.... you"	forgive God will forgive you,
27	whetherin	be that in
28	take the case of running put	try to go beyond(exceed)
30	in this primary characteristic	in this prayer which give in a nutshell the characteristics ofIslamic ideology

آج ہی کی ڈاک میں ڈاکٹر بلوچ صاحب نے اصرار کیا ہے کہ میں جون کے آخری ہفتے میں وہاں چاہے ایک دن ہی کے لئے ہو، آوں، واللہ المستعان، استدعا ہے کہ بلوچ صاحب سے مثلاً ٹیلیفون پر فرمادیں کہ ان کا عنایت نامہ مل گیا، اور موعودہ خط کا انتظار رہے گا۔

اسی طرح زحمت فرما کر ڈاکٹر رضی الدین صاحب سے فرمادیں کہ (ا) کتاب سیرت کی جلد اول کے اوراق کی جو آخری قسط بھیجی گئی تھی، (ا) س کی رسید تا حال نہیں آئی۔ تشویش ہے۔ (۲) کاتب نے معلوم ہوتا ہے کہ نقل نویس راعقل نباشد بہت سی غلطیاں میرے بلا اطلاع کی ہیں۔ اس لئے ازارہ کرم وہ ان کے نقل کردہ اوراق اسلام آباد روانہ کردہ اجزاء یعنی ابتدائی تین سو صفحوں کی فوٹو کاپیاں میر لئے نکلوائیں (ابتدائی پچاس وہ مجھے بھیجوا چکے ہیں۔ ۵۱ تا ۳۰۰ صفحوں کی ضرورت ہے) اور مجبوراً میں انہیں مکرر پڑھونگا اور ہوسکے تو یہ فوٹو کاپیاں آئندہ ماہ وہاں ان شاء اللہ آنے تک تیار فرمالیں۔ میں اپنے سفر واپسی میں انھیں ساتھ لے لونگا۔ ڈاک سے روانگی میں انھیں وہاں جو دشواریاں ہیں، ان کے حل کا یہ خداداد موقع مل گیا ہے۔ اگر وہ ایک کی جگہ دو نسخے نکلوا سکیں تو نظر ثانی کے بعد میں ان کو ایک نسخہ واپس کرسکونگا۔

عید مبارک ۔ ان شاء اللہ جلد ملاقات ہوگی اگر چہ بہت مختصر رہیگی۔ صحیح تاریخ آپ کو بلوچ صاحب سے معلوم ہوگی ۔ ابھی طے نہیں ہوئی ہے۔ جون کی ۲۰ تا ۳۰ کے مابین ہونا لکھا ہے۔

سب احباب اور کرم فرماؤں کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷رشعبان ۱۴۰۷ھ یکشنبہ

مخدوم ومکرم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آج آپ کو (یہاں کی ہوائی ہڑتال کے اختتام پر) لکھنا ہی چاہتا تھا کہ آپ کا کرم نامہ ملا۔ دلی شکریہ۔ عید مبارک

نوازش ہوگی اگر وفورِ تواضع سے مجھے آپ شرمندہ نہ کیا کریں۔

آج لکھنے کی غرض یہ ہے کہ کل ہی بلوچ صاحب کا جدید خط اور نظام العمل آیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میں وہاں ۲۷رجون کو پہنچ جاوں اور یکم جولائی کو واپسی کا طیارہ لوں۔

ان شاء اللہ، وعلی الرأس والعین۔ لیکن ان کے ''سرکاری'' پروگرام سے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ہم لوگ جامعہ اسلامیہ جا کر آپ لوگوں سے مل بھی سکیں گے یا نہیں؟ اسی لئے آپ سے استدعا ہے کہ اپنے مکان کے پتے سے اطلاع دینے کی زحمت گوارا فرمائیں پیشگی شکریہ۔ وہاں کسی دن بعد مغرب ٹیکسی لے کر چند لمحوں کے لئے آپ کے ہاں آجاونگا۔ محترم عبد القیوم قریشی صاحب سے بھی آپ کی معیت میں چند منٹ کے لئے ان کے ہاں جا کر سلام عرض کرسکونگا آپ کے ہاں کے مدیر اعلیٰ زمان صاحب سے بھی شاید ملاقات ہو سکے۔ پہلی دفعہ ملنا ہوگا اچھا ہو کہ آپ کا ادارہ ہم سب مدعوین کو چند منٹ ہی کے لئے سہی، اپنے ہاں بھی بلالے واللہ المستعان۔

بھائی صاحب کو بھی سلام مسنون فرمادیں۔

ذیل:

آپ واقف ہونگے کہ کچھ عرصہ قبل نجدی بن باز صاحب نے فتویٰ دیا تھا یوم میلاد شریف کا منانا حرام ہے اب تازہ فتویٰ لکھنو کے البعث میں چھپا ہے کہ غیر مسلم ممالک کو جانا بھی حرام ہے۔ وہاں تبلیغ کون کریگا؟ اللّٰھم عافنا

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۵ر جون ۱۹۸۷ء

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مشیۃ اللہ غالبۃ علیٰ أمرہ

کرم نامہ ملا۔ آپ زحمت فرمارہے ہیں اس پر شرمندہ انہیں دیتا اگر آپ کے ہاں تنہا مدعو ہوتا۔ مگر مشیۃ اللہ غالبۃ علیٰ أمرہ آپ کے اوراق ساتھ لا رہا ہوں

پاکستان ہوائیے کے نظام العمل کے باعث مجبوریاں رہیں۔ اب سفر یوں طے ہوا ہے:

پاریس سے روانگی	۲۴	جون	۱۲.۲۵ بجے	
کراچی آمد	۲۵	جون	۴ بجے	
کراچی سے روانگی	۲۷	جون	۷ بجے	
اسلام آباد آمد	۲۷	جون	۸.۵۵ بجے	ان شاء اللہ

اگر ممکن ہو تو آپ کے ہاں کے جناب مشتاق علی صاحب ڈائریکٹر پلاننگ سے فرمادیں کہ: توقع ہے کہ میرا خط مل گیا ہوگا، اور سیرت کی جلد اول کے اوراق کی فوٹو کاپیاں تیار ہوگئی ہونگی۔ ان کے روانہ فرمودہ ۱۵ صفحات ہمراہ لا رہا ہوں۔

ان شاء اللہ جلد ملاقات کی مسرت حاصل ہوگی۔

احتیاطاً لکھتا ہوں کہ کراچی میں دو دن اپنے رشتہ داروں کے ہاں گزار لونگا (محی الدین محمد عبدالقادر ۲۱۸۹ پیر الٰہی بخش کالونی، کراچی نمبر ۵۔)

نیاز مند

محمد حمید اللہ

۸۳- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پاریس ۵ر ذی القعدہ ۱۴۰۷ھ

مخدوم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ واپس پہنچ گیا۔ آپ کی اور دیگر تمام کرم فرماوں کی عنایتوں کی یاد لئے ہوے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء ۔خط اخلاقی فریضے کے طور پر لکھ رہا ہوں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے صدر زمان صاحب نے خطبات بہاولپور کے چند نسخے بھیجنے کا ذکر فرمایا تھا اور

میں نے فوراً عرض کیا تھا کہ بستے کے اندر یہ صداقت نامہ ہو کہ وہ تجارت اور فروخت کے لئے نہیں (ورنہ یہاں کتابوں پر بھی چنگی لگتی ہے) شاید ذیل کی عبارت بستے کے اندر بھی اور اس کی نقل خط کے ذریعے مجھے بھی بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائی جا سکے:

Nous certifions que les livres dans ce coli sont hors commrce, et representent le droit d'auteur de M.Hamidullah.

(seal and name of sender.)

کوئی کار رلائقہ ہو تو یاد سے شاد فرمائیں

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۴- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یکم ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ

مخدوم و محترم حفظکم اللہ و عافاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں اور عزیز اور پیاری بچیاں بھی۔ ان شاء اللہ وہ قاعدۂ بغدادی میں روز افزوں پیش روی کر رہی ہونگی۔ کسے معلوم اعلیٰ تعلیم کے لئے شاید کبھی وہ ''پیرس شریف'' بھی آئیں۔ آئندہ ماہ ۸۳ محرم دیکھ چکونگا ان شاء اللہ

آپ کی مصروفیتوں کے باعث کوئی زحمت دینے کی جرأت نہیں ہوتی۔ مگر مجبور ہو گیا ہوں۔ السرد والفرد کے مولف قزوینی کے حالات تو مل گئے، لیکن ان کی اسناد میں ایک نام ہے ابو محمد عبداللہ بن محمد بن زیاد السندی متوفی رجب سنۃ ۳۶۶۔

اور لوگوں کے حالات نہ ملیں تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن بڑی معیوب بات ہوگی اگر ایک سندھی بزرگ کے حالات کی تلاش میں ہم ناکام رہیں۔ انساب سمعانی میں کچھ نہ ملا۔ زرکلی بھی ان سے ناواقف ہیں، بروکلمان کا بھی یہی حال ہے۔ میں نے ھالے پوتا صاحب سے گزارش کی ہے کیا آپ کو بھی کچھ زحمت دے سکتا ہوں؟ پیشگی شکریہ

خدا کرے وہاں سب خیر و عافیت ہو۔ کراچی کی بدامنی سے دکھ ہوتا ہے۔

مکرر:

کتاب سیرت کی جلد اول وہاں تیار ہے شاید طباعت بھی اب جلد شروع ہو جائے مجھے یاد نہیں آیا اس میں ''انگریزی اڈیشن کا پیش لفظ'' بھی ہے یا نہیں۔ توقع ہے کہ اس جلد کے پروف وغیرہ میں بھی آپ کی نوازش رہیگی۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۵- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵/جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ

مخدوم ومحترم مدّ فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو دن ہوئے کرم نامہ ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء، کلُّ أمر مرھونٌ باوقاتہ۔ واللہ المستعان

عزیز بچیوں کو سلام ودعا۔ خدا کرے وہاں سب بخیریت وعافیت ہو

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۶- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۶/جمادی الآخرۃ ۱۴۰۸ھ

مخدوم ومحترم اکرمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج تازہ کرم نامہ ملا جزاکم اللہ

؎ می نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین وکار آسان کن

شوق سے اصلاحیں فرمائیں جزاکم اللہ

میرا گزشتہ خط ملا ہوگا جس میں ایک مختصر اصلاح وتبدیلی کی التجا کی تھی جو زیر طبع کتاب میں ہے، مطبوعہ نسخے میں غلط چھپا ہے۔ عزیز بچیوں کو سلام محبت ودعا

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۷- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۰/جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ

مخدوم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ بے حد ممنون بھی ہوں، بے حد شرمندہ بھی کئی احباب کو زحمت دی اور ہر ایک نے اتنا بار اٹھایا کہ شکر گزاری کے لئے الفاظ نہیں ملتے ہیں۔

آپ کے تلاش فرمودہ ابن زیاد النیسابوری ہو سکتے ہیں کہ وہی ہوں جن کا ذکر ''السرد والفرد'' کے مخطوطے میں کئی بار آیا ہے۔ ابھی کچھ انتظار کرونگا کہ کوئی سوانح نگار ''سِندی'' کا بھی صراحت سے ذکر کرے پھر جب کتاب

بلوچ صاحب کو طباعت کے لیے بھیجونگا تو احباب کے گمان کردہ لوگوں کا شکر گزاری کے ساتھ ذکر بھی کردونگا۔وفوق کل ذی علم علیم۔

ایک زحمت دینی ہے۔آپ کے ہاں میری سیرت نبویہؐ کی جلد اول کا ترجمہ ہے۔کل رات فرانسسی طبع جدید کے پروف کی جو آئے ہوئے ہیں تصحیح کررہا تھا کہ اپنی ایک غلطی محسوس ہوئی اس کی تلافی کررہا ہوں۔براہ کرم آپ کے ہاں کے انگریزی مبیضے کے ف ۳۰۱ میں صفحہ ۲۴۱ کی سطر اول بدل دیں

> the cavern of Thaur. Reaching the suburbs of Madinah, the Prophet sent a messenger to his friends infomring them formally of his arrival and asking them the permission to enter the town. It seems that the Ansar did not go to the spot where

خط نمبر: ۸۸- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۳/جمادی الآخرۃ ۱۴۰۸ھ/۲/۱۲/۱۹۸۸

مخدوم ومحترم کثّر اللہ فینا أمثالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند دن قبل کرم نامہ ملا تھا اور جواب بھی گزرانا تھا۔ان شاء اللہ مل گیا ہوگا۔(سچ تو یہ ہے کہ اس ترجمے کے ابتدائی پچاس صفحوں کی نقل میرے ہاں نہیں ہے۔اس لئے میں بیان فرمودہ کوتاہی کو دیکھ بھی نہیں سکا تھا۔مگر اسے کوئی اہمیت نہیں ہے)

آج ایک زحمت دینے کے لئے لکھ رہا ہوں۔کل رات فرانسسی پانچویں اڈیشن کے پروف دیکھ رہا تھا کہ یکا یک کھٹکا۔انگریزی صفحہ ۵۶۶، کتاب کے پیراگراف نمبر ۱۷ میں بنی غفار کے نام فرمان مبارک ہے اور اس کا حوالہ ''الوثائق ص:۱۶۱ دیا گیا ہے۔اس حوالے کے آخر میں حسب ذیل اضافے کی استدعا کرتا ہوں:

> To be counted among Muslims and also exempted from "combah for the cause of the Religion" seem to imply not to hurt the feelings of the not-yet-converted members of this friendly tribe of Abu Dharr al-Ghifari."

یہ اضافے حاشیئے میں فرمادیں اگر آں محترم اس سے متفق ہوں۔

خدا کرے وہاں اور سب خیر و عافیت ہو، والسلام

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۸۹- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۰/رجب ۱۴۰۸ھ/۲۸/۲/۱۹۸۸، یکشنبہ

مخدوم ومحترم متعنا اللہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ عرصہ قبل ایک عریضہ بھیجا تھا (جو جواب طلب نہ تھا) وہ ملا ہوگا۔ آج ایک مماثل مزید زحمت دینی ہے، اگر ممکن ہو تو عمل فرمائیں

میری انگریزی سیرۃ نبویہ کے صفحہ ۳۹۰، فقرہ ۴۵۷ میں ایک جملہ ہے:

This sermon has no political character, it is even the more striking that, in spite of the formal prediction of his death (in 63), the Prophet Muhammad makes no attension to the succession to government, he simply enjoins that the Quran and his own example be followed.

یہ میرا پرانا خیال تھا۔ اب نئے فرانسیسی اڈیشن کے پروف پڑھتے وقت میں نے اسے یوں بدل دیا ہے:

This sermon has no apparent published character but in fact it seems to have been motivated to prepare Muslim public opinion for a supra-racial form of government. Is it not revolutionary to declare and teach that "an Arab has no superiority over a non-Arab". Elsewhere he would go to the length of saying obey the legal authority even if it is held by a negro with nose. cut".

خدا کرے آپ سب خیر وعافیت سے ہوں

نیازمند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۰ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۲ر دسمبر ۱۹۸۸

مخدوم و محترم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا ۳۰ نومبر کا کرم نامہ ابھی ابھی پہنچا۔ دلی ممنونیت کا باعث ہوا۔ **لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا**

غالباً میری فرانسیسی کتاب سیرت کا ترجمہ بھی سہم سہم آگے بڑھ رہا ہوگا۔ جزاکم اللہ

کتاب انٹروڈکشن ٹو اسلام کے متعلق آپ ہی فتویٰ دیں: میں نے شیخ محمد اشرف مرحوم کو اس کتاب کی اشاعت کا حق دیا تھا۔ کیا میں اب اسے کالعدم سمجھ سکتا ہوں؟ غالباً اشرف صاحب کا نواسہ اب ان کا جانشین بنا ہے۔ کیا آپ اس سے ٹیلیفون پر گفتگو اور عدم جواب کا شکوہ نہیں فرما سکیں گے؟

الفقیر إلی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۰ر جمادی الآخرۃ ۱۴۰۹ھ، اتوار

بے حد عزیز و محترم بھائی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

ہفتہ عشرہ قبل ۱۹ر جنوری ۸۹ کا لکھا ہوا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ معلوم نہیں یہ اصطلاحیں ہماری زباں میں ہیں یا نہیں کہ پڑھوتی کتاب کو آپ بولتی کتاب بنا رہے ہیں۔ یہ اس کے ناچیز مولف کی عزت افزائی ہے۔ شکر اللہ کا کہ وہی مقبولیت عطا کرتا ہے۔

"تعارف اسلام" کا فرانسیسی متن تو یہاں بازار میں مل جائے گا یا ایک دو دن میں ہوائی ڈاک سے ارسال کرسکوں گا۔ جرمن اڈیشن کا حصول یہاں البتہ دشوار ہے۔ کیا آپ راست ناشر کو لکھ سکتے ہیں؟ یعنی

Bilal Moschee
Prof Pirletstrasse, 20
5100-Aachen/West Germany

یوں بھی ان سے اجازت حاصل کرنی ہوگی .وجہ مجھے بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ کچھ عرصے سے میرے کمرے سے بعض کتابیں غائب ہو رہی ہیں۔ تازہ سانحہ یہ ہے کہ میری پرانی حیدرآباد دکن میں نصف صدی قبل کی چھپی ہوئی کتاب "القرآن فی کل لسان" کا میرے پاس ایک شخصی نسخہ تھا۔ وہ کتاب یکا یک لاپتہ ہوگئی ہے ویسی ہر وقت میز پر سامنے ہی رہتی تھی حال میں اس کی زیراکس کاپی آپ کے ہاں کے ڈاکٹر احمد خان صاحب کو بھیجی۔ (اس میں ہر زبان کے تراجم قرآن کی فہرست اور، بطور نمونہ ہر زبان میں سورۂ فاتحہ دیا گیا تھا)۔ احمد خان صاحب کو لکھتے ہوئے

شرم آ رہی ہے کیا آپ کے لئے ممکن ہوگا کہ ان سے یہ کتاب مستعار لے کر اس کی ایک زیراکس کاپی مجھے بھجوا سکیں؟ پیشگی شکریہ، اور زحمت کے لئے معذرت

مکان میں سلام وآداب، اور بسم اللہ خوانی کی عزیز نوچشم کو بھی دعا

نیاز مند

محمد حمید اللہ

۹۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جمعرات ۹ ر رجب ۱۴۰۹ھ،

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی کرم نامہ ملا۔ کوئی ہفتہ بھر پہلے ''القرآن فی کل لسان '' کی فوٹو کاپیاں بھی مل گئی تھیں۔ شکریہ، پھر شکریہ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

آخن (جرمنی) کو خط عربی میں لکھا جاتا تو بہتر ہوتا، کتاب تعارف اسلام کا جرمن نام Der Islam ہے اگر وہاں سے جواب نہ آئے تو مجھے ضرور لکھئے۔

خطبات بہاولپور کا اسلام آبادی پہلا اڈیشن جو ڈاکٹر قریشی نے چھپوایا تھا (اور میرا مصححہ تھا) وہ تو مجھے ملا۔ اس کے بعد کے اڈیشن میں مجھ سے مدد تو لی گئی تھی لیکن اسکا کوئی نسخہ تا حال نہیں بھیجا گیا۔ اس کتاب کے ترجموں کی بار ہا مجھ سے فرمائش ہوتی رہی ہے۔ لیکن وقت کہاں سے نکالوں۔ آج کل بلوچ صاحب کی کتاب السرد کے پروفوں میں غرق ہوں

خدا کرے آپ سب خیر وعافیت سے ہوں۔ بھائی صاحب کو بھی سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

۹۳- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۱ ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ ر ۲۷/۴/۱۹۸۹

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ۲۰ راپریل کا نوازش نامہ ملا ممنون وسرفراز ہوا۔ خدا کرے آخن والے ذرا جاگیں۔

اس کے آثار نہیں کہ میں آپ کے کیمپ میں (جسے آخن والے مخیّم کہتے ہیں، شرکت کرسکوں۔ خود فرانس کے اندر بھی شہر سے باہر جانا ہوتا ہے اور معذرت کر لیتا ہوں۔ التماس ہے کہ آپ بھی اصرار نہ فرمائیں۔

آپ کی شرط کہ ''انگریزی'' زبان جانیں، یہاں کے لیے ناقابل حل گھتی ہے۔ میں کسی ایک نوجوان سے بھی واقف نہیں جوانگریزی بولتا ہو۔ اس لیے کوئی سفارش بھی ناممکن ہے۔

امیرکا سے اطلاع آئی ہے کہ فرانسسی ترجمہ قرآن چھپ گیا ہے اور ایک لاکھ بیس ہزار نسخے چھپے ہیں۔

وللّٰہ الحمد' دعوہ ہائی لائٹس'' کا نام پہلی دفعہ آپ سے سن رہا ہوں عید مبارک۔ کثّر اللہ فینا أمثالکم

نیازمند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۴- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۷/ شوال ۱۴۰۹ھ

مخدوم ومحترم

سلام مسنون

مجھ سے ایک مشکل استفسار ہوا ہے۔ عاجلانہ مدد کی (جواب کے لئے) التجا ہے:

تقسیم وارثت میں ایک شخص کے بالغ غیر مسلم بیٹے ہیں، مسلمان بھائی اور مسلمان زوجۂ ثانیہ ہے کیا بھائی مجوب ہوگا یا وارثت بطور عصبہ پائیگا؟ بیوی کو ربع ملیگا یا ثمن؟ حفظم اللہ وعافاکم

نیازمند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۵- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۴/ ذی القعدہ ۱۴۰۹ھ

محترم ومکرم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ زحمت فرمائی کا شکریہ۔ مجھے باوجود تلاش کے پرانی کتب فقہ میں اس موضوع کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ جواب تو وہی ہوگا جو آپ نے دیا ہے لیکن تشویش صرف اس بنا پر ہے کہ کافر اولاد کو کأن لم یکن قرار دینا دشوار ہے مثلاً محرمیت باقی رہتی ہے اور نصرانی لڑکی اپنے مسلمان بھائی سے نکاح نہیں کر سکے گی۔ مسلمان لڑکی اپنے نصرانی بھائی سے پردہ نہیں کریگی وغیرہ۔ اس لئے وارث نہ بنے (چاہے وصیت کے ذریعے سے اس سختی میں کچھ تخفیف ہو)، لیکن حاجب بنے تو منطقی طور پر ناممکن نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

ترجمے کی خوشخبری کا شکریہ۔ خدا آپ کو اس محنت کی دارین میں جزائے خیر دے

ناچیز

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۶- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۵/ ذی القعدہ ۱۴۰۹ھ

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل آپ کا کرم نامہ کوئی ہفتے کی ''پرواز'' کے بعد ملا۔ ممنون ہوا۔ میں نے آپ کو امریکی بھائیوں کا پتہ اس لئے دیا کہ آپ ٹیلیفون پر فوراً اطے کرلیں کیونکہ خطوط کا وہ عملاً جواب نہیں دیتے۔ کچھ غلط فہمیاں بھی دور کروں:

یہ لوگ بھی کتاب مفت تقسیم کرتے ہیں اور زیادہ تر سیاہ افریقا میں۔ تازہ پندرھواں اڈیشن جو ایک لاکھ بیس ہزار چھپا، چھپنے سے قبل ختم ہوگیا۔ نیا اڈیشن آئندہ ستمبر میں نکالنا چاہتے ہیں۔

آپ کو دو زحمتیں دینے کی اجازت مانگتا ہوں:

۱- آپ کے ہاں رسالہ Islamic Studies سے محترم محمد نعیم صاحب کا خط آیا ہے اور خصوصی اسپین نمبر کے لیے مضمون مانگا ہے۔ یہ میرا اختصاص نہیں ہے صرف ایک چیز پر مختصراً کچھ لکھ سکتا ہوں ''حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسپین کی فتح'' اگر یہ ان کے لئے موزوں ہو۔

۲- میری ایک رشتہ دار کا خط حیدرآباد سے آیا ہے: ''سنا کہ تمہاری کوئی کتاب پاکستان میں چھپی ہے جس میں تمہاری تصویر بھی ہے کیا یہ صحیح ہے؟'' کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں گے؟ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں کہ ''أشد الناس عذابا يوم القيامة المصوّر''

مکان میں سب کو آداب عرض ہے

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۷- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۹/ ربیع الاولی ۱۴۱۰ھ

برادر محترم غازی صاحب

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ان شاء اللہ امیر کا سفر خیر وعافیت سے گزرا ہوگا۔ کار لائقہ کا انتظار ہے۔ آج کل فرانسسی ترجمہ قرآن کی غلطیوں کو برآمد کرنے میں مشغول ہوں۔ ان شاء اللہ ہفتے عشرے میں مطبع کو دیدونگا۔ وہاں کتنی دیر لگے گی تاکہ طبع جدید تیار ہو، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

طالب دعا

الفقیر إلی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۸-　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　۹/ جمادی الاولی ۱۴۱۰

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا، اور مطمئن بھی کہ مرسلہ دونوں کتابیں پہنچ گئیں۔

آپ کا محض حسن ظن ہے کہ میری کتابیں کاپی رائٹ کی گرفت سے خارج ہیں۔ عصر حاضر میں مولف نہیں، ناشر کو یہ حقوق حاصل ہوتے ہیں چاہے وہ کسی رسالے کا مقالہ ہو، یا کوئی چھوٹی یا بڑی کتاب، چاہے مشرق میں یا مغرب۔

میری کتاب Initi ation a l'Islam کا حق انجمن Amicale des Musulman کے صدر مختار الجبری کو ہے۔ وہ سال بھر امراض دماغ کے شفاخانے میں مقیم ہیں اس انجمن کے سکرٹری کا پتہ ہے:

Mr. Mehmet Karadag
6, Rue du Genead Humbert
Paris-14

ان سے ملاقات ہر روز نہیں ہوتی، ایک دن میں ان کے گھر گیا تو رات دس بجے تک بھی وہ واپس نہ آئے تھے۔ خط چھوڑ کر واپس ہونا پڑا۔ اسی لئے التماس ہے کہ آپ ان کو راست لکھیں۔ چاہے یہ بھی بڑھا دیں کہ میری طلب پر آپ یہ خط لکھ رہے ہیں۔ اس کتاب کے ختم ہوجانے سے مکرر طباعت کی تجویز ہے۔

میری ساری کتابوں کا یہی حال ہے۔ اور باوجود خدمت کی خواہش کے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ کو کیا لکھوں۔ آج کل فرانسیسی ترجمہ ' قرآن کے اٹھارویں اڈیشن کی تیاری میں غرق ہے (برزنجی صاحب کے گزشتہ سال کے اڈیشن کے بعد دو چوری کے اڈیشن، ایک دہلی میں، ایک پارلیس میں نکلے ہیں) مشیۃ اللہ غالبۃ

مکرر مستعجل: آپ کے مصری دوست کا مقالہ جو غریب الحدیث کے متعلق آپ نے بھیجا تھا۔ اُسے کیا آپ کو واپس کروں؟ لاہور سے راست بھی آچکا تھا اور جواب بھی دے چکا تھا۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۹۹-　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　۱۹۸۹/۴/۱۳

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون نیاز مندانہ۔ ۳/ اپریل کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

امیر کا سے دریافت کررہا ہوں کہ آیا وہ (۱) آپ کے لئے زائد نسخے چھاپ سکتے ہیں، اور اس کے کیا مصارف ہونگے (۲) آیا وہ اس کی اجازت دیتے ہیں کہ آپ ان کے نسخے کا عکس پاکستان میں چھاپ لیں۔ اور غرض بھی بتادی ہے۔ جواب کا انتظار کرنا ہوگا۔

میں ایک بات آپ کولکھنا بھول گیا۔ جرمنی میں انگریزی نہیں چلتی ۔آخن والے عربی جانتے ہیں۔
رمضان مبارک ،عید مبارک

خادم
محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۰- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۴/محرم ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم کثّر اللہ فینا امثالکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی ۱۸/ذوالحجہ کا کرم نامہ پہنچا۔ممنون ہوا۔اس اثناء میں میرے پچھلے عریضے مل گئے ہونگے ۔الحمدللہ کہ آپ نے میرے فرانسسی ترجمہ ٔ قرآن کے امریکی اڈیشن کونہیں چھاپا۔دس کی جگہ اب پتا چلا کہ پندرہ جگہ آیتیں چھوٹ گئی ہیں۔ چاہا گیا تھا کہ فرنگیوں کی جگہ کسی مسلمان طابع سے کام لیں۔انھوں نے یہ حرکتیں کی ہیں،مشیۃ اللہ غالبۃ کبھی ایسے تجربے نہیں ہوے تھے۔ نیا صحیح تر اڈیشن کب تک چھپے گا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

”فتح الأندلس في خلافة سيدنا عثمانؓ“ نامی مضمون ان شاء اللہ زیراکس فوٹولے کرقریب میں روانہ کرتاہوں۔ یہ پرانی چیز ہے جو میں نے استانبول یونیورسٹی کے ایک رسالے میں شائع کی تھی۔

میری اطلاع دہندہ کے تازہ خط میں ہے کہ ماہنامہ نونہال (ہمدرد فاونڈیشن،کراچی) کے کوئی سال بھر پہلے کے ایک نمبر میں سرورق پر میری تصویر چھاپی گئی ہے۔ میں اب انھیں کوراست لکھتاہوں کہ آپ کوزحمت نہ ہو۔

ترکی میں سلجوقی دور سے مسلمانوں میں بت تراشی نظر آتی ہے۔میری ناچیز رائے میں تصویر کالفظ عام ہے۔ رنگین شکل بھی، پتھر،لکڑی وغیرہ میں کھدائی بھی۔

ازرقی کی کتاب تواس وقت سامنے نہیں ہے لیکن جہاں تک یاد ہے،اس کے الفاظ ہیں: ”إلاّ هذا “ یعنی بی بی مریم اور بچے حضرت عیسیٰ کوتو مستثنیٰ کیا لیکن باقی ساری تصویریں جو کعبے کے اندر تھی وہ ڈھلوادی،مٹوادی گئیں، اور بخاری وغیرہ سے معلوم ہوتا کہ ان میں فرشتون کی تصویریں بھی تھیں،حضرت ابراہیم کا ازلام کواستعال کرنا وغیرہ بھی دکھایا گیا تھا۔ بی بی مریم اور بچے کومستثنیٰ کرنا سچ تو یہ ہے کہ میرے لئے وہ ایک معمہ ہے۔کبھی گمان یہ ہوتا ہے کہ ضرورت پر روا رکھنا مقصود تھا۔ آج کل پولیس کی تفتیش ،پاسپورٹ کی تصویر بھی اسی ضرورت میں آتی ہے تو شاید عیسائیوں میں تبلیغ اسلام میں سہولت پیدا کرنے کی بھی پیش بینی کی گئی ہو۔اس کا فرانس میں بارہا تجربہ ہوا ہے۔
مکان میں بھی سلام۔ خدا کرے وہاں سب خیروعافیت ہو

خادم
محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۴ / ربیع الغوث ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو عریضہ بھیجنے کے بعد مرسلہ پارسل اور کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ مطلوبہ کام ہو چکا تھا۔ اس لئے ضرورت نہ تھی۔ یہ دیری کیوں ہوئی، یقین کیجیے کہ قصور میرا نہ تھا۔ جن کا قصور تھا اس کی تفصیل غیبت ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہا۔ ممکن ہے اس اثنا فرانسیسی کتاب سیرت اور ''واقدی کی کتاب الردہ'' پہنچ گئی ہونگی۔ احباب کو سلام

مکرر: مرسلہ کتاب کیا کروں؟ آپ کو واپس کروں، یا یہاں کسی دوست یا کتب خانے کو دیدوں؟ جواب کا انتظار رہیگا، شکریہ

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۵ / جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم زادفیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو تین دن ہوے کرم نامہ ملا تھا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ بڑی تلاش کے بعد میرے ہاں LIslam??? کا صرف ایک زائد نسخہ ملا۔ وہ اگرچہ جدید ترین اڈیشن کا نہیں ہے بہرحال وہی ہے جو گھر میں ملا ہے شاید زیراکس سے آپ اس کی تکثیر کرا کے اپنی ضرورت پوری فرما سکتے ہیں۔

یہاں وہ صورت نہیں جو آپ کے یہاں ہے کہ سارے لوگ روزانہ ایک ہی عمارت میں جمع ہوجاتے ہیں۔ یہاں ہفتے گزر جاتے ہیں اور کسی معین شخص سے ملاقات نہیں ہوسکتی، کہ ہر شخص کو اس کی مصروفیتیں ہیں، انجمنوں کا نام سرکاری ضرورتوں کے لئے ہے ورنہ انجمنیں محض ایک جیسی چیز ہیں کام کم ہی ہوتا ہے۔

خدا آپ کے کاموں میں برکت دے۔

رسالہ ہائی لائٹس کے شاید دو نئے نمبر آئے ہیں

تراجم قرآن ان میں نظر نہ آئے۔

سب کو سلام وآداب

اس کا تاحال انتظار ہے کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ کے مصری دوست کا مقالہ جو آپ نے بھیجا تھا اُسے کیا کروں؟ آپ کو واپس کروں یا یہاں کسی کو دیدوں؟

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

نمبر: ۱۰۳- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۶/اگست ۱۹۸۹/۱۴/ذی الحجہ ۱۴۱۰

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۸/اگست کا نوازش نامہ آج شام کو پہنچا۔ممنون ہوا۔ میں آپ کے ہر خط کا الحمدللہ جواب دیتا رہا ہوں لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ پہنچتے بھی ہیں یا نہیں۔ ایک تازہ مثال: کوئی دس دن ہوے اُدھر سے ایک خط آیا کہ کتاب خطبات بہاولپور چھپ گئی ہے اور اس کا ایک نسخہ مجھے ہوائی ڈاک سے بھیجا گیا ہے۔لیکن وہ تا حال نہیں آیا۔

عرض کرنا یہ میں دُہری مصیبت میں ہوں (۱) یہ امریکی مسلمان بھائی خط کا جواب نہیں دیتے ،(۲) میں بہرا ہوگیا ہوں ٹیلیفون نہیں کرسکتا۔ انھیں اسباب سے آپ سے بہ ادب عرض کیا تھا کہ آپ خود امیریکا کو ٹیلیفون کرکے فوراََ طے فرمالیں اور ان کو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناچیز آپ کی تائید میں ہے۔ پتہ یہ ہے:

فخری بَرزَنجی (یا کوئی اور ذمہ دار)

Amana Corporation

4411 Forty-first Street

Brentwood HD 20722/USA

Telephone (301) 779-7774

ان سے آپ عربی اور انگریزی دونوں میں گفتگو کر سکتے ہیں، نئے مطبوعہ نسخے کے مطالعے میں ہر روز نئی غلطیاں نکل رہی ہیں۔ اب تک دس بارہ آیتیں مفقود ملی ہیں اور دو مقاموں پر حاشیے حذف ہوگئے ہیں۔ کچھ اور کم اہم غلطیاں ملی ہیں مثلاً جگہ بدل گئی ہے، یا معمولی غلطی ہے مثلاً xxvii کی جگہ xxiii چھپا ہے۔

جو آیتیں حذف کردی گئی ہیں انکا اعادہ ممکن ہے یا نہیں، یہ آپ کے مطبع کے لوگ بتاسکیں گے۔ بہر حال اگر امانہ کارپوریشن والے آپ کو اجازت دیتے ہیں تو میں آپ کو دو مصحح نسخے ان شاء اللہ ہوائی ڈاک سے روانہ کرسکونگا میری کوتاہیاں معاف فرمادیں۔ عمداً نہیں ہیں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۴ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۹/نومبر ۱۹۹۰

مخدوم و محترم

سلام مسنون۔ ۱۹/۱۱ کا خط کل پہنچا ممنون ہوا۔

خدا کرے ہجری عیسوی تقویموں کے تطابقی جداول تکمیل کو پہنچیں۔

کتاب تعارف اسلام کے انگریزی اڈیشن کی طباعت کی اطلاع کا شکریہ۔ یہ اس ناچیز کی عزت افزائی ہے۔ اس کا فرانسسی متن آپ شوق سے چھاپیں۔ میں اس کا حق تالیف رکھنے والوں سے ان شاء اللہ اجازت لے لونگا۔ جرمن اڈیشن کے لئے اگر آپ عربی میں خط لکھیں تو اچھا ہے۔ وہاں انگریزی کم چلتی ہے۔ ویسے آپ وہ بھی چھاپ لیں۔ اللہ مالک ہے اس کے لے لئے شاید ترکی ایڈیشن بھی استعمال ہوسکتا ہے جو استانبول میں کئی بار چھپا ہے۔ اس کے البانی اور یوگوسلادی اڈیشن بھی موجود ہیں۔

میں قصور وار ہوں کہ آپ کے سابقہ مطالبے پر سُستی سے اب تک کچھ نہ کرسکا یعنی انجمنوں کے حالات۔ فرانس میں کئی سو اسلامی انجمنیں ہیں۔ سب سے قدیم (جمال الدین افغانی کی قائم کردہ "مرحوم" العروۃ الوثقیٰ کے بعد قائم شدہ centre Cultural Islamique ہے

میں اس کا آج کل معتمد ہوں۔ سرکاری پتہ 59, rue Claude Berner ard Paris-5 ہے۔ کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ ہر ہفتہ لکچر ہوتے ہیں۔

دوسری پرانی انجمن Amicale des Musulman in Europe ہے، وہی پتہ 59, rue clan de Bernand یہ پہلے France Islam نامی ماہوار رسالہ نکالتی تھی۔ مالی دشواریوں سے یہ بند ہوگیا ہے۔ یہ بھی کئی کتابیں شائع کرچکی ہے۔

ایک اور بڑی انجمن رابطة الطلاب الاسلاميين ہے

Association des Etudiants Islamiques en France

پتہ: 23, Rue BoyerBarret, Paris-14France

یہ Le Musulman نامی رسالہ چھاپتی ہے جو غالباً سہ ماہی ہے۔ exp میں انجمن کی فرانس میں دس بارہ صوبہ وار شاخیں بھی ہیں:

ایک اور بڑی انجمن ہے الجامعہ العامہ مسلمی فرنسا:

Federation Nationale des Musulman de France,4,

Rue Paul Eluurd, 93 aro ch 450/130 Bigny/France

یہ بھی Bulletin d'Information نامی رسالہ چھاپتی ہے جو شاید ماہوار ہے۔ یہ نومسلموں کے ہاتھ میں ہے۔

ایک حبشی مسلمانوں کی انجمن بھی ہے، پیری مریدی کے لئے:

Mouvement Islamique des Mourides d'Europe

ٹھیک پتہ معلوم نہیں یہ st Ouen پاریس کے مضافات میں ہے۔ یہ بھی Ndigel نامی رسالہ فرانسسی میں نکالتی ہے. ۱۹۷۶ سے موجود ہے۔

فرانس میں کوئی دو ہزار مسجدیں ہونگی ۔ نصف ملین نو مسلم ،سارے مسلمان کوئی سات ملین (اکثریت الجزاء والوں کی) پاریس میں سو بھر مسجدیں ہیں۔ ان میں سے جامع مسجد پاریس نمبر ۵ ہے۔ اور مسجد الدعوۃ پاریس نمبر ۱۹۔ یہ دونوں خاصا علمی کام بھا کرتی ہیں۔

ایک اور بڑی انجمن رابطہ العالم الاسلامی (مکہ معظّمہ) کی شاخ پاریس ہے:

ondiale Ligue Islamique Mar dile

پتہ 22,rue Franssis B:ouvin پاریس 15.

اسی پر آج اکتفا کرتا ہوں

نیاز مند

حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۵ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۸؍ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ الحمدللہ آپ کا سفر خیر وعافیت سے ختم ہوا۔ میرے فرانسسی ترجمہ قرآن کے اغلاط کی غالبًا آپ کو ایک فہرست بھیجی تھی (غالبًا، کیونکہ حافظہ کمزور ہوگیا ہے) بدقسمتی سے دو اور فہرستیں چھاپنی پڑی ہیں کہ لا تعداد غلطیاں مطبع نے کی ہیں۔ کیا آپ ان کو اپنے نسخے میں درست کرا سکیں گے؟

آپ کو دو کتابیں بھیجی ہیں: میری فرانسسی سیرت نبویہ کا نیا اڈیشن اور کتاب الرد للواقدی ،شاید وہاں ان کی تنقید چھپ سکے گی۔

آپ کی نئی فرانسسی کتابوں کی تجویز خدا پروان چڑھائے ۔ میں بڈھا ہوگیا ہوں۔ کوئی کام بر وقت نہیں ہونے پاتا۔ منسلکہ عربی مضمون بھائی غزالی صاحب کو دے دیں تو ممنون ہوں گا۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۶-　　　　　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　　　۱۹/صفر ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم کثّر اللہ فینا أمثالکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیر وعافیت کا طالب، احباب کو بھی سلام۔ ایک پرانا دردِ دل تازہ ہوا ہے۔ زحمت دے رہا ہوں:

آپ کو معلوم ہے فرنگیوں نے ہجری اور عیسوی تاریخوں کے تقابل کے لئے بہت سے Concurdance لکھے ہیں۔ مگر ان میں کام چوری کی وجہ سے ایک سخت غلطی ہے وہ یہ کہ محرم صفر وغیرہ کے دِنوں کی تعداد کے لئے ایک فرضی قاعدے پر عمل کرتے ہیں کہ ۱، ۲، ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۱ تیسے ہوتے ہیں اور باقی مہینے انتیسے، علاوہ اور برائیوں کے یہ مضحکہ خیز چیز بھی ہے کہ رمضان گزشتہ چودہ سو سال سے ہمیشہ تیسا ہوتا رہا ہے۔

ایک نئی تقابلی تقویم کی ضرورت ہے کیا وہاں کوئی طالب علم ہے جو اسے اپنے مقالے کے طور پر لے؟ اگر طالب علم علم ہئیت جانتا ہو تو وہ چودہ سو سالوں کے ہر سال کے بارہ مہینوں کے متعلق یہ بھی بتائیگا کہ کونسا انتیسا رہا اور کونسا تیسا. یعنی ولادتِ قمر کس وقت، کس جگہ ہوئی، اس کے تقریباً دس گھنٹوں بعد اس کی غروب آفتاب پر رویت ہو سکے گی۔

اس کے فنی پہلو سے آج بحث نہیں کرونگا لیکن اس طالب علم کو ایک اہم ہدایت کی ضرورت ہوگی، وہ یہ کہ اگر چین وجاپان میں غروب آفتاب تک ہلال ابھی قابل رویت نہ ہوا ہو، لیکن چند گھنٹوں بعد جب چاند عرب، مصر مراکش وغیرہ سے گزر رہا تھا وہ مرئی ہو گیا ہو تو چین میں تو گزشتہ مہینہ تیسا ہوگا اور وہی مہینہ مثلاً مصر میں انتیسا قرار پائیگا۔

اس کے لئے کیا کریں؟ کیا ہمیشہ مکہ معظمہ کا مطلع لیں، یا ہر مہینے کے لئے یہ بھی بتاتے چلیں کہ وہ کہاں انتیسا اور کہاں تیسا ہوا؟ کیا آپ کے خیال میں اسے کچھ واقعی اہمیت ہے، محض میرا مفروضہ ہے؟

بھائی صاحب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۷-　　　　　　　　　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　　　۱۵/ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ۲/اکتوبر کا کرم نامہ کافی دیر سے ابھی ابھی ملا ہے شکر گزار ہوں۔ ایک اور نوازش نامہ جو رسالہ France-Islam کو بھیجا گیا تھا، وہ بھی جواب کے لئے میرے پاس ہی آیا ہے۔ شدید مصروفیت کے باعث آج مختصراً جواب دینا ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آئندہ

کتاب الرِدّہ للواقدی کا نسخہ بخط مولف یا کوئی اور پرانا نسخہ نہ ملنے پر صبر کرتا ہوں۔ واقدی کی دیگر ناپید

تالیفوں کے برعکس کتاب الردہ کا ایک نسخہ بہر حال ملنے پر شکر کرتا ہوں۔ خدا بخش خاں مرحوم نے توقع ہے کہ خود لکھ کر واقدی کی طرف منسوب نہیں کیا ہوگا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان سے پوچھ سکتے کہ کہاں سے ملی ہے۔ میں بانکی پور سے خط وکتابت نہیں کرسکتا۔ آپ کے لئے ممکن ہو تو آپ ہی وہاں کے ذمہ دار لوگوں سے پوچھئے کہ آیا ان کو کوئی تھوڑا بہت علم ہے کہ یہ نسخہ ان کے ہاں کیسے آیا؟

فرانس اسلام کو فارم B اور C آئے ہیں کیا کوئی فارم A بھی ہے؟ ہم فقراء العلم کے ہاں ٹیلیکس، ٹیلی فاکس وغیرہ کہاں سے آئیں گے۔ میرے گھر میں تو ٹیلیفون بھی نہیں۔ آپ کے سوالوں (فارم C-B) کا جواب آسان نہیں۔ فرانس میں کچھ نہیں تو تین سو اسلامی انجمنیں ہیں۔ ذرا فراغت ہوئی تو آئندہ شاید ان شاء اللہ کچھ جواب دے سکوں

بھائی صاحب وغیرہ کو سلام، کتاب تعارف اسلام کی مکرر اشاعت میری سرفرازی ہے

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۸- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۴؍دسمبر ۱۹۹۰

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ چند ہی دن ہوئے آپ کا کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔

آپ سے ایک مؤدبانہ التجا و التماس ہے۔ آپ کی تالیف، خادمین اسلام کے حالات کے متعلق، ظاہر ہے کہ آپ کو پوری آزادی ہے کہ اسے چھاپیں، وہ دشمن کے ہاتھ میں پڑے تو اس میں خطرہ ہے۔ لیکن التجا و التماس یہ ہے کہ اس میں میرا نام اور میرا پتہ ہرگز نہ چھاپیں۔ اس میں مجھ پناہ گزین کے لئے جانی اور مالی دونوں خطرے ہیں

مکان میں اور بھائی صاحب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۰۹- باسمہ تعالیٰ ۴؍جمادی الآخر ۱۴۱۱

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ انگریزی ترجمۂ عبداللہ یوسف علی مرحوم بھی، اور خط بھی جزاکم اللہ احسن الجزاء

میرے ذہن میں نئے تراجم کے لئے کوئی چیز نہیں۔ شاید پولینڈ والوں کی ضرورت شدید ہے۔ میرے پاس ایک مسلمان کا بہت پرانا ترجمہ ہے، مرزا طارق بوچازکی۔ میں ضرورت پر اس کی فوٹو کاپی آپ کو روانہ کرسکتا ہوں۔

۱۹۵۸ کا مطبوعہ ہے۔ ممکن ہے آپ کے ہاں کوئی جدید اڈیشن ہو۔ افسوس ہے کہ زیادہ خدمت نہیں کرسکتا۔

خادم

الفقیر اِلی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۰- باسمہ تعالیٰ، حامداو مصلیا ۳۰/شعبان ۱۴۱۱ھ

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کرم نامہ ملا۔ سرفرازی بخشا۔ کسی قدر حیرت سے پڑھا کہ عرصۂ دراز سے آپ کو میری طرف سے کوئی خط کوئی خبر نہیں ملی۔ میں ہر خط کا فوراً جواب دیتا رہا ہوں، ماقی ڈاک کے ہاتھ میں ہے۔

آپ کی مرسلہ انٹروڈکشن ٹو اسلام اب تک نہیں پہنچی ہے۔

اگر ''عاقلہ'' سے مراد معاقل (بیمہ) ہے، تو اسلام سے قبل بھی اور عہد نبوی میں بھی اس کا وجود ملتا ہے جیسا کہ F مذکور ہے۔ میں نے اردو انسائکلو پیڈیا آف اسلام کے لئے اس پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔ معلوم نہیں چھاپا یا نہیں، راست دریافت فرمالیں۔

آپ جانتے ہیں کہ بیمہ کمپنیاں یا Capitalist ہوتی ہیں یا؟؟ کی اساس پر معینہ اغراض اور معین ؟؟ کے لئے تعاونی بیمہ کمپنی کھل سکتی ہے اور کھولی جانی چاہئے، اللہ مدد فرمائے گا۔

مکان میں بھی اور بھائی صاحب کو سلام عرض

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۱- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۹/رمضان ۱۴۱۱ھ/۴/۴/۱۹۹۱ء

محترم ومکرم زاد مجدکم وعمّ فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اورلی سے چلا ہوا خط ملا۔ ممنون ہوا۔ اگر آپ تکلّف نہ فرماتے تو ملاقات کی مسرت حاصل ہوسکتی۔ یعنی اگر آپ پاکستان سے خط لکھتے کہ آپ فلاں دن فلاں وقت گئے فلاں وقت تک مطار اورلی میں رہیں گے تو میں خود آسانی سے وہاں حاضر ہوجاتا، مشیۃ اللہ غالبۃ.

ان شاء اللہ آپ خیر وعافیت سے اسلام آباد واپس آگئے ہونگے. کیا ایک زحمت دے سکتا ہوں؟ وہاں ہجرہ

کونسل نے طے کیا تھا کہ کتابوں کا ایک سلسلہ شائع کرے اور اس میں۔ میری ایڈٹ کردہ کتاب السرد والفرد کو بھی شمول عزت بخشی تھی۔ یہ اب کس نوبت پر ہے؟ عیال واحباب کو سلام۔ عید مبارک

فقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۲- باسمہ تعالیٰ، حامدا ومصلیا ۸/ذی العقدہ ۱۴۱۰ھ

مخدوم ومحترم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کرم نامہ (جس پر ٹائپسٹ نے ۸/اپریل کی تاریخ لکھی ہے اور لفافے پر ڈاک کی مہر ۱۲/مئی ہے) آج پہنچا۔ ممنون ہوا۔

میں نے آپ کے شمالی افریقا کے سفر کے زمانے میں جو عریضہ اسلام آباد بھیجا تھا اور جس کے محتویات پر پاریس میں زبانی بھی گفتگو کی تھی، اس کا آپ نے جواب بھیجا ہو تو وہ تا حال نہیں پہنچا ہے۔ یہ کتاب **السرد والفرد** کی ہجرہ کاونسل کی جانب سے طباعت کا معاملہ تھا۔ امید ہے کہ ہر کسی فرصت میں توجہ فرمائی جائیگی۔ میری دانست میں وہ بڑی اہم کتاب ہے۔

آپ کی نئی دعوت سرفرازی ہے لیکن عمر ۸۵ سال سے متجاوز ہوچکی ہے۔ خواہش کے باوجود سفر اور لکچر آساں نہیں رہے ہیں۔ اور مقبولیت ہماری آپ کی خواہش پر حاصل نہیں ہوتی۔

تا بہ بخشد خدای۔ فوری جواب تو منفی میں ہے۔ باقی ہر چیز خدا کے ہاتھ میں ہے۔

وہاں سب کو سلام

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۳- باسمہ تعالیٰ، حامدا ومصلیا ۱۱/۷/۱۹۹۱

مخدوم ومحترم کثّر اللہ فینا أمثالکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے اہل وعیال سب خیر وعافیت سے ہوں

کچھ عرصہ قبل ایک عریضہ ارسال کیا تھا اور کتاب **السرد والفرد** کے متعلق یاد دہانی کی جسارت کی تھی......

آج کل ایک نیا کام سر پر پڑا ہے۔ یہاں ایک ناشر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک کتاب تین بابوں میں

چھاپنا چاہتا ہے۔ایک یہودی معلومات پر، ایک نصرانی معلومات پر، اور ایک اسلامی معلومات پر۔ ہر باب پچاس صفحوں میں۔ اتنے کثیر وطویل معلومات کا حصول دشوار نظر آ رہا ہے۔واللہ المستعان

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۴- باسمہ تعالیٰ، حامدا ومصلیا ۱۷/دسمبر ۱۹۹۱ء

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ان شاء اللہ آپ اور اہل وعیال سب خیر وعافیت سے ہونگے۔

میرے ایک یہاں کے فاضل رفیق احمد عیساوی وہاں پہنچے ہیں. خدا کرے آپ پر اچھا تاثر چھوڑا ہو۔ اگر ان کو وہاں کچھ سہولتیں مہیا کی جاسکتی ہوں، اور جامعہ میں ان کے لئے جماعت میں جگہ نکالی جاسکتی ہو تو مجھے شخصی مسرت ہوگی، لیکن الأمر إليك۔

وہاں کے حالات اور امکانات سے آپ ہی کو واقفیت ہے۔ہجرہ کاونسل کی کتاب نہ معلوم اب کس مرحلے میں ہے۔میری دانست میں وہ اہم کتاب ہے اور حدیث کی بڑی خدمت قرار پاسکتی ہے۔ممکن ہے بھائی صاحب اب سفر سے واپس آ گئے ہوں۔ مکان میں سب کی خدمت میں ناچیز سلام عرض ہے

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۵- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵/محرم ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومکرم کثّراللہ فینا أمثالکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کرم نامہ ملا، احوال سے آگاہی ہوئی۔ممنون ہوا، جزاکم اللہ خیراً۔ زحمت دی تھی قصور معاف فرمائیں ایک استدعا ہے اگر ممکن ہو۔کتاب السرد والفرد چھپ کر آجائے تو دو نسخے یہاں کافی نہ ہونگے۔ براہ کرم ایک نسخہ تو ہوائی ڈاک سے بھجوانے کا فرمادیں، باقی کچھ مزید نسخے سمندری ڈاک سے بھجوائیں جیسا کہ سابق کی ایک کتاب Prophet's Establishing a State کے متعلق بھی انہوں نے فرمایا تھا۔

پیشگی شکریہ

''خطبات اسلام آباد'' کے لئے ابھی ہمت نہیں ہوتی۔ بے حد تھکا ہوا بھی ہوں، دیگر عاجلانہ کام بھی سر ہیں

واللّٰہ علیٰ ما یشاء قدیر
بھائی صاحب وغیرہ کو بھی سلام

خادم
محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۶- باسمہ تعالیٰ، حامداو مصلیا ۲۳ ربیع الانور ۱۴۱۲ھ

محترم ومخدوم زاد مجدکم وعمّ فیضکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب گرامی پہنچا۔ دلی مسرت کا باعث ہوا۔عزیز مکرم غزالی صاحب ملیشیا چلے گئے ہیں۔ خدا اُن کو خیر وعافیت سے رکھے اور لوگ ان سے مستفید ہوں۔

مشیۃ اللہ غالبۃ، ''السرد والفرّ''ہی نہیں کتاب النبات کا بھی وہی حال ہمدرد فاونڈیشن کراچی میں ہے۔ واصبر وماصبرك الا باللہ آپ کو زحمت رہی اور رہیگی .معذرت خواہ ہوں۔

اسرائیلیات کو میں وہی حیثیت دیتا ہوں جو مستشرقین کی کتابوں ،انسائکلو پیڈیاوں کو. اسلامی معلومات صرف وہ ہیں جو قرآن مجید اور حدیث صحیح میں مذکورہ ہیں۔ باقی سب ظنیات ہیں ان کا ایک جزو صحیح ''ہوسکتا'' ہے

مکان میں سب کو سلام

مکرر:

آپ کے سرکاری خط کے شروع میں اگر بسم اللہ بھی مطبوع رہا کرے تو شاید مناسب تر ہو

نیاز مند
محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۷- باسمہ تعالیٰ فی ۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/۲۵/۳/۱۹۹۲

الأخ الفاضل والاستاذ الكريم كا ن الله معكم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

أرجو من الله مولانا لكم ولعائلتكم الصحة والعافية التامة

ثم إني تسلّمت اليوم ازمن تحتوى على نسخة لمجلة الدراسات الإسلامية ونسخ لمقالتي نشرت فيها. جزاكم الله احسن الجزاء۔

السفارة الباكستانية ههنا أخبرتني أنه قُرّر أن أسافر من ههنا في ۲۵مئی۱۹۹۲ إلى اسلام آباد. والله المستعان . ولكن لم تخبرني إلى لآن أشتغالي هناك ولا مدة القيام . الخير إن شاء الله۔

أرجوأنكم استلمتم رسالتي الماضية و اخبرتكم فيها بوصول نسخ الكتاب Der Islam وغيره۔

لاأزال أنتظر الخبر من الكتاب " السرد والفرد"

رمضان مبارك،عيد مبارك

خادم

محمدحميد الله

خط نمبر: ۱۱۸-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۸ر رمضان ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدكم وعمّ نفعكم

سلام مسنون ۔عید مبارک

سفارت خانے سے سفر اسلام آباد کا نظام العمل آیا ہے ۔ میرا ٹیلیوژن تو نہ ہوگا کہ میں تصویروں کو حرام سمجھتا ہوں ۔ اگر آپ صرف راڈیو چاہتے ہیں تو میں ممنون ہونگا اگر جلد سے جلد مجھ سے ممکنہ سوالات کا اجمالی ذکر فرماسکیں تاکہ کچھ سوچ کر جواب دے سکوں ۔ برجستہ اور فی البدیہہ مفید نہ ہوگا۔

خدا کرے آپ سب خیروعافیت سے ہوں

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۱۹-

باسمہ تعالیٰ،حامدا ومصلیا

۱۵رشوال ۱۴۱۲ھ

مخدوم ومحترم زاد مجدكم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یکم اپریل کا کرم نامہ ابھی ابھی ملا ۔ ممنون ہوں ۔ ۲۵ رکو یہاں سے چلنا ہے، ان شاءللہ۔

سرکاری طور پر دس پندرہ عنوان دے کر مجھ سے سات کو چننے کی فرمائش ہوئی تھی ۔ اس میں اسلامی دستور کا ارتقاء بھی تھا اور میں نے اس کو منظور بھی کیا لیکن ترکی میں آٹھ دس سال درس دئے ۔ ممکن ہے دو ڈھائی سو عربی صفحے ہوں ۔ لکچر ممکن ہے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چلے اس میں خلاصہ ہی دے سکتا ہوں ۔ میرے ترکی کے لکچروں کو ان شاءاللہ آئندہ فوٹو لے کر آپ کو بھیج سکونگا اس وقت وہ پاس نہیں ہیں اور نہ اس دفعہ کے سفر تک وہ واپس مل سکتے ہیں ۔

میری کتاب کا ڈچ ترجمہ میرے سفر کے بیگ میں میں نے خود ہی رکھ دیا تھا ۔ ان شاءاللہ ایک نسخہ آپ

کومل جائے گا۔اس کی طباعت آپ فرماسکتے ہیں.لیکن اچھا ہواگر موجودہ ناشر(ایک انجمن کے سربراہ)سے بھی آپ مناسب سمجھیں تو پوچھ لیں:

یہ پتہ ساتھ لاؤنگا(اس وقت مل نہیں رہاہے۔وہ بروسیلز(بلجیم)میں رہتے ہیں اچھے آدمی ہیں۔خدا حافظ

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۰- باسمہ تعالیٰ،حامدا ومصلیا ۲۵/ذی قعدہ۱۴۱۲ھ،سنیچر

مخدوم ومحترم کثّراللہ فینا أمثالکم

سلام مسنون۔آپ لوگوں نے مجھےنوازااور لامتناہی کرم فرمائی کی۔الحمدللہ اب خیروعافیت سے واپس گھر پہنچنے کی اطلاع گزرانتا ہوں۔

بیچاری کتاب **السرد والفرد** پر اللہ رحم فرمائے۔اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔

خدا کرے مکان میں سب خیروعافیت ہو

ناچیز

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۱- باسمہ تعالیٰ،حامدا ومصلیا ۳/صفر۱۴۱۳ھ،اتوار

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔خیروعافیت کا طالب۔ان شاءاللہ آپ سفر اندلس سے کامران واپس ہوچکے ہونگے۔ کوئی خاص اہم امر تو قابل ذکر نہیں۔ کتاب **الفرد والسرد**،کی مانگ بڑھ رہی ہے۔انھیں دنوں محترم وزیراعظم نواز شریف نے مجھے اپنے خط سے نوازا ہے جواب میں میں نے عرض کیا کہ''میری علمی تحریری زندگی کا آغاز۱۹۲۴ سے لاہور کے ہفتہ وار رسالہ نونہال سے ہوا وغیرہ اوراب بھی ایک نہایت اہم کتاب حدیث شریف کے متعلق ہجرہ کاونسل کے ہاں زیرطبع ہے۔توقع ہے جلد شائع ہوجائیگی''

مناسب ہوتو ہجرہ کاونسل کواس سے آگاہ کردیں کہ وزیراعظم کوان کی کتاب کا انتظار ہے۔

سب احباب کوسلام نیاز

ہمارے مرحوم نومسلم قاری کے متعلق اب تک یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کا نام Gilles Gillesl تھا ژیل زبیر پھرعبداللہ نام رکھا،تاریخ وفات ۵/مارچ ۱۹۸۱ بمقام پاریس ہے۔مقام دفن پاریس کے باہر ہیں ہے مزید تلاش جاری ہے۔

خادم

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۲- باسمہ تعالیٰ، حامداً ومصلیا ۱۸/اکتوبر ۱۹۹۴

مخدوم ومحترم زاد مجدکم وعمّ فیضکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ دن قبل عنایت نامہ مل گیا تھا۔ جواب کے لئے انتظار کی ضرورت تھی۔

قرآن مجید کے تین مطبوعہ تراجم کی ارسال کی آپ نے اطلاع دی تھی وہ تا حال نہیں ملے۔ انّا للہ وانّا إلیہ راجعون۔

L؟؟؟ کا ڈچ ترجمہ خود میری نظر سے آج تک نہیں گزرا۔ فرانسسی ترجمے کے نسخے آپ تحفہ دیں تو یہاں نومسلموں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔

میری کتاب ''دستور اسلامی کی تاریخ'' کے ابواب آپ کو بھیجنے پر ان شاء اللہ توجہ کرونگا۔ آج کل بڑی مصروفیت ہے اور فرائض بھول جاتا ہوں۔

نیاز مند
الفقیر اِلی اللہ
محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۳- باسمہ تعالیٰ، حامداً ومصلیا ۷/نومبر ۱۹۹۴

مخدوم ومحترم زاد مجدکم وعمّ فیضکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی آپ کی فاضلانہ کتاب پہنچی۔ دلی شکریہ، جزاکم اللہ خیراً

معلوم نہیں بک پوسٹ کی جگہ پارسل بھیجنے میں کیا مصلحت ہے۔ فرانس میں بک پوسٹ، خط کی طرح، بلا دشواری پہنچا دیا جاتا ہے۔ لیکن ہر پارسل پر مزید محصول لئے جاتے ہیں۔ منسلکہ کاغذ سے جو محکمہ ڈاک نے دیا ہے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے پارسل پر مجھے (۳۳) فرانک (غالباً ڈیڑھ سو روپے) محصول دینا پڑا۔

اطلاعاً عرض ہے، مستقبل کے لئے اور اپنے ماحول کو باخبر کرنے کے لئے، اگر مناسب ہو۔ سابق میں لاہور اور جدہ سے بھی اسی طرح کتاب کو پارسل کے طور بھیجا گیا تھا۔

کاش آپ کی کتاب میں اشاریہ (انڈکس) بھی ہوتا

حفظکم اللہ وعافاکم

خادم
الفقیر اِلی اللہ
محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۴- باسمہ تعالیٰ، حامداً ومصلیا ۱۹۹۴/۱۱/۱۰

محترم ومکرم غازی صاحب

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزشتہ خط ملا ہوگا آج کتابوں کے سات نئے پارس آئے اور ان پر ۱۵۰۰ فرانک (کوئی ہزار روپے) کا ''جرمانہ'' دینا پڑا۔ جُرم وہی ہے کہ بک پوسٹ کی جگہ پارسل سے کتابیں بھیجی گئی ہیں۔ سوائے انّاللّٰہ و إنّا إلیہ راجعون پڑھنے کے کوئی چارہ نہیں۔ ڈاک والوں کی دی ہوئی سات رسیدوں کو فی الحال نہیں بھیجتا کہ وزن بہت ہوگا۔ خدا کرے وہاں خیریت ہو۔

خادم

الفقیر اِلی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۵- باسمہ تعالیٰ، حامداً ومصلیا ۱۹۹۴/۱۲/۱۴

مخدوم ومحترم زاد مجدکم

سلام مسنون .کرم نامہ ملا۔ ممنون ومسرور کیا۔ پارسلوں کے جُرمانے کو وہیں صرف فرمالیں اور اوروں کوواقف بھی کرائیں اگر مناسب ہو۔

کیا آپ کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ جسٹس تقی عثمانی صاحب کواطلاع دیں کہ ان کے ہاں سے مجھے ''اظہار الحق'' مؤلفہ حضرت رحمۃ اللہ الھندی کے اردو نسخوں کا تا حال انتظار ہے تا کہ ان کا اشاریہ تیار کرسکوں۔ شاید ڈاک میں ضائع ہوگئے ہیں۔

خادم

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۶- باسمہ تعالیٰ، حامداً ومصلیا ۱۹۹۴/۱۲/۲۶

مخدوم ومحترم واہل عیال کان اللہ معکم

سلام مسنون، خدا کرے آپ سب خیروعافیت سے ہوں۔

کچھ عرصہ قبل آپ کی کرم فرمائی سے ہجرہ کاونسل نے ''کتاب السرد الفرد'' کے دو نسخے مجھے بھیجے تھے

۔جزاکم اللہ وجزاہم اللہ۔کیا اب چند مزید نسخے بھیجے جاسکتے ہیں؟اس کی بہت مانگ ہے

حفظکم اللہ وعافاکم

نیاز مند۔

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۷ محترم ومکرم زادمجدکم دعتم فیضاکم

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اورلی سے چلا ہوا خط ملا۔ممنوں ہوا۔اگر آپ تکلف نہ فرماتے تو ملاقات کی مسرت حاصل ہوسکتی۔یعنی اگر آپ پاکستان سے خط لکھتے کہ آپ فلاں فلاں وقت سے فلاں وقت تک مرولی اورلی مٰن رہینگے تو میں کود آسانی سے وہاں حاضر ہو جاتا۔شیۃ اللہ غالبۃ۔

انشاءاللہ آپ خیروعافیت سے اسلام آباد واپس آگئے ہونگے۔کیا ایک زحمت دے سکتا ہوں؟ وہاں ہجرہ کا ونسل نے طے کیا تھا کہ کتابوں کا ایک سلسلہ شائع کرے اوراس میں میری اہدت کردی کتاب السرد وانفرد کو بھ شمدی کی وزت بخشی تھی۔یہ اب کس نوبت پر ہے؟

عیال واحباب کوسلام۔عید مبارک

فقیرالی اللہ

محمد حمید اللہ

ایک اور بڑی انجمن ہے الجامعہ المسلمی فرنس Federation National dn Musulmans do France 4, Rue panal Eheard, 9300.Ch.450/ Bobegry/Franu یہ بھی Bulletin to Znformation نامی رسالہ چھاپتی ہے۔جوشاید ماہوار ہے۔یہ نومسلموں کے ہاتھ میں ہے

ایک جشی مسلمانوں کی انجمن بھی ہے،میری مریدی کے لئے:

Mounement Islamique des Mourides d europe نیک پتہ معلوم ہیں۔یہ Stouen پاس کے مضافات میں ہے۔یہ بھی Ndigel نامی رسالہ فرانسی میں نکالتی ہے 1986ء سے موجود ہے

فرانس میں کوئی دو ہزار مسجدیں ہونگی۔نصف ملیں نومسلم،سارے مسلمان کوئی سات ملین (اکثیر الجزائر والوں کی) یااس میں سوبھر مسجدیں ہیں۔ان میں سے جامع مسجد یااس عرہ ہے۔اورمسجد الدعوہ یااس ۱۹، یہ دونوں خاصا علمی کام بھی کرتی ہیں۔ایک اور بڑی انجمن رابطۃ العالم الاسلامی (مکہ معظمہ) کی نساخ یاایسی ہے۔

Ligne Islamique Mondiale 22, Rue Francsois Bonoin یاایس۔15۔

اسی پرتاج اکتفا کرتاہوں۔ مساں میں سب کوسلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۲۸

مخدوم ومحترم

سلام مسنون۔ 11/9 کا خط کل پہنچا۔ ممنوں ہوا۔

خدا کرے ہجری عیسوی تقوعیوں کے تطابقی جدو اول تکمیل کو پہنچیں کتاب تعارف اسلام کے انگریزی اڈیشن کی طباعت کے اطلاع کا شکر کہ۔ یہ اس ناچیز کی عزت افزائی ہے۔ اس کا فرانسی متن آپ مشرق سے چھاپیں۔ مُن اس کا حق تالیف رکھنے والوں سے ان شاء اللہ اجازت لے لونگا۔ جرمن اڈیشن کے لئے اگر آپ عربی میں خط لکھیں تو اچھا ہے۔ وہاں انگریزی کی چلتی ہے۔ ویسے آپ وہ بھی چھاپ لیں۔ اللہ مالک ہے۔ رس کے لئے شاید ترکی اڈیشن بھی استعمال ہوسکتا ہے جو استابنول میں کئی بار چھپا ہے۔ اس کے البانی اور لوگوسلاوی اڈیشن بھی موجود ہیں۔

میں قصور وار ہوں کہ آپ کے سابقہ مطالبے پرستی سے اب تک کچھ نہ کر سکا یعنی انجمنوں کے حالات فرانس میں کئی سو اسلامی انجمنیں ہیں۔ سب سے قدیم (جمالی الدین احقانی کی قائم کردہ، مرحوم العروۃ الوثقی کے بعد قائم شدہ) Centse Culturel Islamiqe ہے۔ میں اس کا آج کل معتد ہوں۔ سرکار پتہ Pain-5559, rue clande Bernar ہے۔ کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ ہ ہفتہ لکچر ہوتے ہیں۔

دوسری پر ان انجمن Amicale des Musulmanen Eurpe ہے۔ وہی بہت 59, rue chande Bernard یہ پہلے France Islam نامی ماہوار رسالہ نکالتی تھی۔ مالی ودشواریوں سے یہ بند ہو گیا۔ یہ بھی کئی کتابیں شائع کر چکی ہے۔ ایک اور بری انجمن ہے رابطہ الطلاب اسلامیننن؟ Association des Etudiants Islamiques en fornce 23, Rue 130 Yer Brarret, Parin 14, France یہ Le musulman نامی رسالہ چھاپتی ہے۔ جو غالبا سہ ماہی ہے اس انجمن کی فرانس میں دس بارہ صوبہ دار شاخیں بھی ہیں۔

خط نمبر: ۱۲۹:

محترم ومکرم زاد مجدکم

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

میرا گزشتہ خط ملا ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

کل امر مرھوں بادقاتہ۔ آج ایک پرانے وعدے کا اتھاء کر رہا ہوں۔ ماتیسر حاضر ہے۔ اگر نامناسب ہوتی ہے تکلف حذف کر دیں۔ بشری غلطیوں کی اصلاح بھی ہوسکتی ہے۔

مضمون میں ایک نقشہ جغرافی بھی ہے۔ معلوم نہیں اس کا عربی نسخہ وہاں تیار ہوسکیگا یا نہیں۔ میرے نقشہ ساز کا انتقال ہو چکا ہے۔ اسی نے ملک کو مرکز نقشہ بنایا تھا۔ مگر اسے عربی نہیں آتی تھی۔ مفتی ما مضیٰ۔

antiporede کا ترجمہ سمت القدم نہ معلوم کس حد تک درست ہے۔Zenith کے سمت الراس سے اسے اخذ کرنے کی بسارت کی ہے خدا کرو ہاں سب خیر و عافیت ہو۔اقرباء او احباب کو سلام اس وقت کتب خانے مُس ہوں اور گروتیوس کی کتاب مہنگائی ہے۔آپ کی فرمائش کو پوری کرنے کی اسلبع منا والاتمام میں اللہ

س کا فرنسی ترجمہ ہوا ہے۔انگریزی بھی۔

دیکھ کر ٹوٹ لئے لیکن حسب توقع اس میں

اسلام سے متاثر ہونے کا کوئی اعتراف نہیں

اس کی فہرست مضامیں نوٹ کی ہے۔

اب اس کے پینز وُوں آیالا۔

بیلو ہر کام کرونگا واللہ اعستعال

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۳۰

محترم زادمجدکم

سلام مسنوں۔خیر و عافیت کا طالب۔ چیز ہی دں ہوے آپ کا کرن نامہ ملا۔ممنوں ہوا۔

آپ سے ایک مودبانہ التھاد التماس ہے۔آپ کی تالیف، داومین اسلام کے حالات کے متعلق، ظاہر ہے کہ آپ کو پوری آزادی ہے کہ اس چھاپیں۔لیکن التجاد التماس یہ ہے کہ اس میں میرا نام اور میرا پتہ ہرگز نہ چھاپیں۔ اس میں مجھ پناہ گزین کے لئے جانی اور مالی دونوں خطرے ہیں مکاں میں اور بھائی صاح کو سلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۳۱:

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کل کرم نامہ ملا۔ممنوں ہوا۔ انگریزی ترجمہ عید اللہ یوسف علی مرحوم بھی، اور خط بھی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

میرے ذہن میں نئے تراجم کے لئے کوئی چیز نہیں۔شاید پولینڈ والوں کو ضرورت شدید ہے۔میرے پاس ایک مسلمان کا بہت پرانا ترجمہ ہے۔مرزا طارق بو چاز کی۔ میں ضرورت پر اس کی فوٹو کاپی آپ کو روانہ کرسکتا ہوں۔

۱۸۵۸ء کا مطبوعہ ہے۔ ممکن ہے آپ کے ہاں کوئی جدید اڈیشن ہو۔ افسوس ہے کہ زیادہ خدمت نہیں کرسکتا۔

الفقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۳۲:

مخدوم ومحترم زوامجد کم

سلام مسنوں ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا 2 اکتوبر کا کرم نامہ کافی دیر سے ابھی ابھی ملا ہے۔ شکر گزار ہوں۔ ایک اور نوازش نامہ جو رسالہ Farmce Islam کو بھیجا گیا تھا۔ وہ بھی جواب کے لئے میرے پاس ہی آیا ہے۔ شدید مصروفیت کے باعث آج مختصراً جواب دیتا ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آئندہ۔

کتاب الدء للواقدی کا نسخہ نجط مولف یا کوئی اور پرانا نسخہ نہ ملنے پر صبر کرتا ہوں ۔ واخدی کی دیگر ناپید تالیفوں کے برعکس کتاب الدوہ کا ایک نسخہ ہبر حال ملنے پر شکر کرتا ہوں۔ خدا بخش خان مرحوم نے توقع ہے کہ خود لکھ کر واقدی کی طرف منسوب نہیں کیا ہوگا۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان سے پوچھ سکتے کہ کہاں سے ملی ہے۔ میں بانکی پور سے خط وکتابت نہیں کرسکتا۔ آپ کے لئے ممکن ہو تو آپ ہی وہاں کے ذمہ دار لوگوں سے پوچھنے کہ آیا ان کو کئی تھوڑا بہت علم ہے کہ یہ نسخہ ان کے ہاں کیسے آیا؟

فرانس اسلام کو فارم B اور C آئے ہیں۔ کیا کوئی فارم A بھی ہے؟ ہم فقراء العلم کے ہاں ٹیلیکس، ٹیلی فاکس وغیرہ کہاں سے تائنگے ۔ میرے بھر میں تو ٹیلیفون بھی نہیں۔

آپ کو سوالوں فارم C-B کا جواب آسان نہیں ۔ فرانس میں کچھ نہیں تو تین سد اسلامی اجمین ہیں۔ ذرا خراغت ہوی تو آئندہ مشاید ان شاء اللہ کچھ جواب دے سکوں۔

بھائی صاحب کو سلام ۔ کتاب تعارف اسلام کی کلرر اشاعت میر سرفرازی ہے۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۳۳:

مخدوم ومحترم زادمجد کم

سلام مسنوں ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

یکم اپریل کا کرن نامہ ابھی ابھی ملا۔ ممنوں ہوں۔ ۲۵ کو یہاں سے چلنا ہے، ان شاء اللہ۔

سرکاری طور پر دس پندرہ عنوان دے کر مجھ سے سات کو چننے کی فرمائش ہوئی تھی۔ اس میں اسلای دستور کا

ارتقاء بھی تھا۔ اور میں نے اس کو منظور بھی کیا لیکن ترکی میں آٹھ دس سال درس دئے۔ ممکن ہے دو ڈھائی سو عربی صفحے ہوں۔ لکچر ممکن گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چلے اس میں خلاصہ ہی دے سکتا ہوں۔ میرے ترکی کے لکچروں کو ان شاء اللہ آئندہ فوئدے کے آپ کو بھیج سکونگا اس وقت وہ پاس نہیں ہیں اور نہ اس دفعہ کے سفر تک وہ واپس مل سکتے ہیں

میر کتاب کا ڈچ ترجمہ میرے سفر کے بیگ میں میں نے خود ہی رکھ دیا تھا۔ ان شاء اللہ ایک نسخہ آپ کو مل جائیگا۔ اس کی طباعت آپ فرما سکتے ہیں۔ لیکن اچھا ہوا اگر موجود ناشر (ایک انجمن کے سربراہ) سے بھی آپ مناسب سمجھیں تو پوچھ لیں: یہ پتہ ساتھ لاونگا (اس وقت مل نہیں رہا ہے۔ وہ بروسلیز ایلجم) بھی رہتے ہیں۔ اچھے آدمی ہیں خدا حافظ۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۳۴:

مخدوم ومحترم کثر اللہ حسینا اللہ لکم

سلام ممنوں۔ آپ لوگوں نے مجھے نوازا اور لامتناہی کرم فرمائی کہ۔ الحمد مند اب خیر و عافیت سے واپس بھر پہنچنے کی اطلاع گزرانتا ہوں۔

بچاری کتاب السرد والفرد پر اللہ رحم فرمائے۔ اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔

خدا کرے مکاں مُن سب خیر و عافیت ہو۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

:۱۳۵

مخدوم ومحترم زاد مجدکم وعم فیضکم

سلام مسنوں ورحمتہ اللہ براکاتہ۔ کچھ دن قبل عنایت نامہ مل گیا تھا۔ جواب کے لئے انتظار کی ضرورت تھی۔

قرآن مجید کے تین مطلوبہ تراجم کی ارسال کی آپ نے اطلاع دی تھی۔ وہ تا حال نہیں ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

Introduction to Islam کا ڈچ ترجمہ خود میری نظر آج تک نہیں گزرا۔ فرانسسی ترجمے کے نسخے آپ تحفہ دیں تو یہاں نومسلموں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ میری کتاب دستور اسلامی کی تاریخ کے ابواب آپ کے بھیجنے پر ان شاء اللہ توجہ کرونگا۔ آج کل بڑی مصروفیت ہے اور فرائض بھول جاتا ہوں۔

نیازمند الفقیر

محمد حمید اللہ

خط نمبر: ۱۳۶:　　　مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنوں ورحمتہ اللہ وبرا کاتہ۔ آپ کا کرن نامہ ملاممنوں ہوا۔ الحمدللہ آپ کا سفر خیر و عافیت سے ختم ہوا۔

میرے فرانسی ترجمہ قرآن کے اعلاط کی غالب آپ کو ایک فہرست بھیجی تھی۔ (غالبًا کیونکہ حافظہ کمزور ہو گیا ہے)۔ بدقسمتی سے دو اور فہرستیں چھاپنی روری ہیں کہ لاتعداد غلطیاں مطع نے کی ہیں۔ کیا آپ ان کو اپنے نسخے میں درست کر سکین گے؟

آپ کو دو کتابیں بھیجی ہیں۔ میر فرانسی سیرمت بہنوبہ کا بنا اڈیشن اور کتاب الدوہ طلواقدک، شاید وہاں ان کا تنقید چھپ سکی گی۔

آپ کی نئی فراسی کی بوں کی تجھ بز خدا پرواں چڑھائے۔ مین بڈھا ہو گیا ہوں۔ کوئی کام بروقت نہیں ہونے پاتا۔

مسئلکہ عربی مضمون بھای غزالی صاحب کو ایدیں نوممنوں ہونگا۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

حواشی وتعلیقات

۱۔ عمری، محمد یوسف کوکن، مولانا، خانوادہ قاضی بدرالدولہ، دارتصنیف مدراس، ۱۹۶۳، ج ۱/ص ۲۱-۲۲
یوف کوکن نے قاضی بدرالدولہ کے خاندان اور ان کے علمی کارناموں سے متعلق دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب ''خانوادہ قاضی بدرالدولہ'' کے نام سے لکھی ہے۔ وہ اپنی اس کتاب میں نائطی خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں:

>'' قاضی بدرالدولہ کا خاندان نائطی کہلاتا ہے۔ جو اپنے حسب ونسب ،عزوشرف، دینی ودینوی وجاہت اور خصوصی رسم ورواج کے لحاظ سے خاص کر جنوبی ہند میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ نوائط جمع ہے نائط کی اور یہ لفظ ''ط'' اور ''ت'' کے ساتھ دونوں طرح لکھا جاتا ہے۔ قدیم مورخین اور تذکرہ نگار ''ت'' سے ہی لکھا کرتے تھے''۔

۲۔ مومن، عبدالرحمٰن، پروفیسر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیرت، کمالات اور افادات، فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی، ۲۹ دسمبر ۲۰۰۶ء، ص ۴۰

۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے احوال و آثار اور علمی خدمات پر ششماہی معارف اسلامی، اسلام آباد اور سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد نے وقیع علمی تحقیقات پیش کیں ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے علمی کارناموں کی ایک جامع فہرست جناب راشد شیخ صاحب نے اپنی کتاب ،،ڈاکٹر محمد حمید اللہ،، میں بیان کی ہے ۔

۴۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، علم وعمل کا پیکر۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ در ششماہی معارف اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، جلد ۲ شمارہ ۲ ص ۳۹۵

۵۔ ایضا

الشيخ القاضي محمود أحمد غازي رحمه الله تعالى
حياته وآثاره العلمية

* د. عصمت الله

الحمد لله القائل في كتابه:﴿ أُوْلَـئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾[1]

قص علينا في كتابه قصص الأنبياء والدعاة والصالحين للتأسي بهم، ولتثبيت الأفئدة.

والصلاة والسلام على أفضل الأنبياء وسيد المرسلين.و على آله وأصحابه أجمعين.

أما بعد:

فهذه صفحات من سيرة علمٍ من أعلام الإسلام ،ننشرها تذكيرا وترغيبا لطلاب العلم وأهله ليتأسوا به، و لعلهم يرحمون فـــ"عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة" وللإكثار من ذكر نجل من أنجال الفاروق عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، الذي قال فيه عبد الله بن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُما: أكثروا ذكر عمر، فإن عمر إذا ذكر ذكر العدل، وإذا ذكر العدل ذكر الله".

وقد جعلتها على أربعة فصول، كل فصل موزع إلى مباحث.

---

* أستاذ مشارك ورئيس وحدة اللغات بكلية اللغة العربية في الجامعة الإسلامية العالمية بإسلام أباد

[1] – الأنعام : ٩٠.

الفصل الأول: اسمه، نسبه وأسرته، مولده ووفاته

فيه مبحثان:

المبحث الأول: اسمه، نسبه وأسرته

هو: محمود أحمد بن محمد أحمد بن ظريف أحمد بن عبد الله الفاروقي

وأمه: السيدة أمة الرب مازالت حية -أطال الله بقاءها في طاعته- يصل نسبها إلى سيدنا أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه.

أما الشيخ محمود أحمد غازي رحمه الله تعالى فيصل نسبه إلى أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه. فهو فاروقي من قبل أبيه و صديقي من قبل أمه، نجيب الطرفين، رحمه الله تعالى. ومازالت الأسرة تحتفظ بشجرة كاملة لنسبها موصولا إلى أميرالمؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه.

أسرته:

ينتمي الشيخ غازي لأسرة علمية معروفة بمدينة "تمانه بهون" بالهند. وهي أسرة تعتز وتفتخر ببعض تقاليدها وعاداتها، فمن عجيب التقاليد المعروفة لدى الأسرة كابرا عن كابر" تسلسل و استمرار" الاهتمام بتحفيظ القرآن الكريم، حيث لم يخل جيل -من أجيال الأسرة على مرالتاريخ المعلوم لها- عن حافظ من حفظة كلام الله تعالى.

ووالده الشيخ محمد أحمد، أحدالعلماء الخريجين بالمدرسة المعروفة بـــ"مظاهر العلوم"سهارنبور، بالهند،حفظ القرآن الكريم، وكان من تلامذة الشيخ المحدث محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله تعالى.

عاشت الأسرة في نيودلهي بعد تأسيس دولة باكستان الإسلامية سبع سنوات، وكان الشيخ محمد أحمد والد الشيخ غازي موظفا لدى السفارة، ثم هاجرت الأسرة إلى كراتشي، عام ١٩٥٤م واستقرت بكراتشي، إلى أن نقلت العاصمة من كراتشي إلى إسلام آباد في عهد الرئيس الراحل محمد أيوب خان سنة ١٩٦٤م فنقل الشيخ محمد أحمد إلى إسلام آباد فأقام هناك إلى أن تقاعد، وتوفاه الله تعالى عام ١٩٨٦م.

وكان الشيخ غازي رحمه الله يعيش مع والدته السيدة امة الرب حفظها الله تعالى- وهي الأخرى تنتمي إلى أسرة علمية معروفة، وأخيه الأصغر منه سنا، الدكتور محمد الغزالي (القاضي في المحكمة العليا الشرعية).

و لهما أخت وهي السيدة الفاضلة عذرا نسيم رحمها الله تعالى(نوفمبر ١٩٥٦م- ١٤أغسطس ٢٠٠٤م) وهي زوجة الشيخ الدكتور محمديوسف فاروقي حفظه الله أحد العلماء، عميدكلية الشريعةوالقانون الأسبق بالجامعة الإسلامية وأستاذ زائر بها حاليا، ومدير عام أكاديمية الشريعة بالجامعة، كانت عالمة ، ولها ولع كبيربالقرآن الكريم و تدريسه، ونشاط في الدعوة إلى الله تعالى في الأوساط النسائية وبخاصة حينما كانت تعيش مع زوجها في بريطانيا تأتيها النساء الإنجليز يسألنها عن الإسلام ويلقين عليها الأسئلة فتجيبهن عليها فتسلم منهن من وفقها الله تعالى للهداية.كتبت عدة رسائل في مسائل الدعوة إلى الله تعالى، ورسالة القرآن الكريم باللغة الأردية والإنجليزية (الرسائل بالإنجليزية) هي:

The Qur,an Speaks to Us, Purification Of Soul

وطبع أكثرها. ومن أعمالها الترجمة الإنجليزية لـــ"الأدب المفرد" للإمام البخاري رحمه الله تعالى و هي تنتظر الطباعة.

كما قامت بنقل رسالة الدكتوراه للدكتور محمدحميد الله ـــ رحمه الله تعالى ـــ إلى اللغة الأردية، وكانت الرسالة بعنوان: The Muslim Conduct of State وكان

المرحوم نال بها درجة الدكتوراه من جامعة باريس، فرنسا.

ومن أعمالها التي تشكر عليها، نقل كتاب «المجتمع المدني في عهد النبوة» إلى اللغة الأردوية باسم«مدنى معاشره(عهد رسالت ميں)» طبعه ونشره مجمع البحوث الإسلامية، بالجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد.

أولاده:

تزوج الشيخ محمود أحمد غازي يوم ١٥ أبريل ١٩٨٠م بالسيدة حامدة، وهي ابنة العالم الأديب الهندي المعروف صدر الدين عامر الأنصاري رحمه الله تعالى،

تولى إدارة المجلة العربية الشهيرة بـــ" ثقافة الهند"سنين طوالا إلى ان توفاه الله تعالى، في فبراير ١٩٨٠م بدلهي.

و رزق منها بخمس بنات هن:

السيدة نائلة غازي: تزوجها السيد محمد هشام، نائب رئيس مصرف إسلامي" بنك الميزان المحدود".

السيدة مارية غازي: تزوجها العميد أبوبكر الصديقي، وهو ضابط في الجيش الباكستاني.

السيدة رملة غازي: تزوجها الدكتور وقاص أمين فاروقي، طبيب مقيم في أستراليا.

السيدة حفصة غازي: طالبة جامعية، في السنة الثالثة بكلية أصول الدين، بالجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد.

السيدة هالة غازي: طالبة تدرس في السنة الأولى، في الكلية الحكومية للبنات، إسلام آباد.

كلهن مثقفات بالثقافة الشرعية و درسن العلوم العربية والإسلامية.

و له في ذلك شبه كبير بالنبيين لله تعالى: لوط وشعيب عليهما الصلاة والسلام حيث رزقا البنات دون الذكور من الأولاد.

المبحث الثاني: مولده ووفاته:

ولد صاحبنا يوم الإثنين، الثامن عشر من شهر سبتمبر عام ألف و تسعمائة و خمسين(١٨/٩/١٩٥٠م)الموافق السادس من شهر ذي الحجة عام ألف و ثلاثمائة و تسع و ستين من الهجرة النبوية.(٦/١٢/١٣٦٩هــ)

و ذلك في المنطقة السكنية الخاصة بسفارة جمهورية باكستان الإسلامية، بدلهي،

حيث كان والده موظفا بالسفارة منذ استقلال باكستان يوم ١٤ أغسطس ١٩٤٧م

وفاته:

توفي الشيخ محمود أحمد غازي، صباح يوم الأحد بعد صلاة الفجر مباشرة ، السادس والعشرين من شهر سبتمبر من عام ٢٠١٠م الموافق الثامن عشر(١٨ حسب الرؤية المحلية) من شهر شوال من عام ألف و أربعمائة و واحد وثلاثين من الهجرة النبوية، و ذلك نتيجة نوبة قلبية أصيب بها قبل ذلك بليلة، نقل إثرها إلى مستشفى (P.I.M.S) بإسلام آباد. ودفن بمقبرة المنطقة H-11 قرب المقر الرئيسي للجامعة الإسلامية العالمية.

الفصل الثاني: نشأته و شيوخه

فيه مبحثان:

المبحث الأول: نشأته و دراسته

المبحث الثاني: شيوخه

المبحث الأول: نشأته و دراسته

تلقى العلوم العربية والإسلامية على أيدي مشايخ عدة، منهم والده درس عنده اللغة الفارسية، وحفظ القرآن الكريم عند المقرئين الشيخ عبد العزيز والشيخ وقاء الله والشيخ نذير أحمد، ثم درس العلوم الدينية ابتداء في منزله على يدي والده الشيخ محمد أحمد التهانوي الذي كان خريجا لمظاهر العلوم(سهارنبور- الهند) وكان من أحب تلامذة الشيخ محمد زكريا الكاندهلوي رحمه الله تعالى.

أكمل حفظ القرآن الكريم سنة ١٩٥٨م

تخرج في العلوم الإسلامية(العالمية)١٩٦٦م

شهادة الماجستير في اللغة العربية.

شهادة الماجستير بكالوريوس الشـــرف في اللغة الفارسية مع التفوق والميدالية الذهبية.١٩٦٨م

شهادة الماجستير في اللغة العربية – جامعة بنجاب لاهور،١٩٧٢م

شهادة المرحلة الأخيرة لدورات اللغة الفرنسية ، مركز الثقافة الفرنسية، إسلام آباد.

شهادة الدكتوراة في الدراسات الإسلامية،كلية العلوم الشرقية ، جامعة بنجاب، لاهور(١٩٨٨م). والموضوع: الحركة السنوسية في شمال إفريقيا.

وكان رحمه الله تعالى يتقن من اللغات: العربية والإنجليزية والفارسية والفرنسية بالإضافة إلى اللغة الأردية، كما كان له إلمام باللغة الألمانية والهندية.

المبحث الثاني: شيوخه

نذكر فيما يلي بعض من عثرناعليه من أسماء شيوخ الشيخ محمود أحمد غازي رحمه الله تعالى، ولعل الله ييسرتسجيل معلومات أكثر عنهم في المستقبل:

والده الشيخ الحافظ محمد أحمد الفاروقي رحمه الله تعالى

المحفظ عبد العزيز (بكاندهله بالهند) رحمه الله تعالى

الشيخ عبد الجليل البستوي رحمه الله تعالى(بكاندهله بالهند)

الشيخ زين الدين البستوي رحمه الله تعالى(بكاندهله بالهند)

المقرئ المجود وقاء الله بن لقاء الله رحمه الله تعالى بكراتشي

المقرئ المجود نذير أحمد رحمه الله تعالى بكراتشي

الشيخ مولانا عبد الله كاكاخيل رحمه الله تعالى بكراتشي

الشيخ المحدث مولانا محمد يوسف البنوري رحمه الله تعالى، بكراتشي

الشيخ محمد حامد، بدار العلوم البنورية، درس عنده الأدب العربي و بخاصة المقامات للحريري

الشيخ محمد إدريس الميرتهي، جامعة العلوم الإسلامية، كراتشي

الشيخ عبد القيوم، جامعة العلوم الإسلامية، كراتشي

الشيخ محمد يوسف عطية،منتدب من الأزهر.

الشيخ المحدث مولاناالمفتي عبد الرشيد النعماني رحمه الله تعالى، بكراتشي

الشيخ المحدث مولانا ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالى صاحب إعلاء السنن، بمدينة تندو الله يار ،بالسند

الشيخ المحدث مولانا بدر عالم الميرتهي رحمه الله تعالى بمدينة تندو الله يار، بالسند.

الشيخ المحدث مولانا عبد الرحمن الكاملبوري رحمه الله تعالى(؟-سبتمبر ١٩٧٠م) بمدينة راولبندي

الشيخ المحدث مولانا عبد الشكور رحمه الله تعالى. هو شيخ والده و جده من قبل الأم.بمدينة راولبندي

الشيخ صاوي علي شعلان رحمه الله تعالى، و كان تلقيه عنه والاستفادة عندما توفرت له فرصة العمل معه، عام ١٩٦٧-١٩٦٨م في مشروع تقريب رسالة محمد إقبال الشعرية للناطقين باللغة العربية.

الفصل الثالث: تدريسه، تلامذته، وأنشطته العلمية الأخرى

علم المشايخ والعلماء ينشره تلامذهم ومن تلقى العلوم على أيديهم، ومعروف أن علماء شبه القارة الهندية يقصرون جهودهم العلمية على التعليم والتدريس ونشر العلم عن طريق تدريب التلامذة الذين يخلفوهم في نشر العلم والدعوة إلى الله تعالى في أقوامهم وشعوبهم وقبائلهم بعد أن رجعوا إليهم، أما تأليف الكتب وكتابة المقالات ونشر البحوث والدراسات فلا يهتمون بها.

وكان الشيخ غازي رحمه الله تعالى وحيد عصره من بين أقرانه، فقد جمع بين الحسنيين،حيث ألف الكتب وكتب البحوث والدراسات، و درس التلامذة ودرهم في الجامعات والمدارس.

التلامذة:

كان الشيخ غازي من مؤسسي الجامعة الإسلامية العالمية بفكره وجهوده، فكان من أوائل من قاموا بالتدريس في كلية الشريعة والقانون بالجامعة، وتخرج على يديه كثير من الطلاب من كثير من الدول الإسلامية ومن دول الأقليات، لا يحصى عددهم، ولكن يمكن أن نقول: إن معظم من يُدَرِّسُ الآن في كلية الشريعة بالجامعة هم من تلاميذه.

تدريسه:

وقبل ذلك قام بتدريس العلوم الإسلامية -ومن بينهاالفقه وأصوله- بالمدرسة الفرقانية براولبندي عام ١٩٦٧-١٩٦٨م.

ثم بالمدرسة الملية الإسلامية، براولبندي عام ١٩٦٨م. وكان مؤسسها الشيخ عبد الجبار غازي، أمير الجماعة الإسلامية باكستان بالنيابة (عند ما سجن أميرها السيد أبوالأعلى المودودي في الخمسينات).

وكان له ولع كبير باللغة العربية فكان يقوم بتدريس اللغة العربية وقواعدها بمجمع اللغة العربية، بدأه عام ١٩٦٩م واستمر حتى عام ١٩٨٠م.

كما درس مادة "العلوم السياسية وتطورهاالتاريخي" لطلاب القانون والعلاقات الدولية ، بجامعة القائد الأعظم بإسلام آباد. عام ١٩٧٤م.

ومعظم تدريسه كان بالجامعة الإسلامية العالمية، بإسلام آباد،فدرس طلاب البكالوريوس والماجستير بكلية الشريعة والقانون، بها المواد الآتية:

الفقه الدولي .

نظام الحكم والإدارة في الإسلام

المرافعات الشرعية

تطبيق الشريعة في العصر الحاضر، مشاكل وحلول.

دراسة قانونية لآيات وأحاديث الأحكام

الفقه الجنائي

الدعاوي والبينات (Claims and Plaints in Islamic law)

الشهادة ووسائل الإثبات

تقنين الشريعة

أصول الفقه دراسة نصية

الأحكام السلطانية والفقه الدستوري في الإسلام

القواعد الفقهية

فقه الحقوق والواجبات

وكان قيامه بالتدريس منذ تأسيس الجامعة الإسلامية عام ١٩٨١م إلى أن تقاعد.

الإشراف على الرسائل العلمية:

اشرف الشيخ غازي على طلاب الدراسات العليا، في مرحلة الماجستير و الدكتوراة بالجامعة الإسلامية العالمية نفسها، وجامعة العلامة إقبال المفتوحة بإسلام آباد، وجامعة بنجاب بلاهور، وعدة جامعات أخرى.

وناقش الشيخ رسائل الماجستير والدكتوراة بعدد كبير جدا، وكان أسلوبه أسلوبا تعليمياغير معقد ولا معوق لمسيرة الطلاب العلمية بل يحاول أن يساعدهم في مواصلة الدراسة، و يمهلهم لاستدراك الأخطاء وتصويبها.

ولعل الله يوفق بعض الطلاب لإحصاء الرسائل العلمية التي أشرف عليها والتي ناقشها.

الخطابة:

الخطابة موهبة إلهية، وأداة مهمة في سبيل الدعوة إلى الله تعالى. وقد رزق الله الشيخ غازي رحمه الله تعالى منها الحظ الأوفر، حيث بدأ يلقي خطب الجمعة

بجامع الملك فيصل عندما افتتح سنة،(١٩٨٧-١٩٩٤م) فكان يرتجل الخطب وفيها علم و بصيرة وإرشاد للجمهور، وهو أول خطيب رسمي لجامع الملك فيصل رحمه الله تعالى. فمازال يمارس عمله الوظيفي والدعوي بإلقاء الخطب يوم الجمعة أمام الجمهور، الذين فيهم الأكاديميون الجامعيون، و المثقفون، والدبلوماسيون، وعامة الناس الذين يفدون من كل حدب وصوب يوم الجمعة لأداء صلاة الجمعة بجامع الملك فيصل رحمه الله تعالى.

عضويته للهيئات والمجالس العلمية

عضو المجمع العلمي العربي، دمشق.

عضو الاتحاد العالمي للعلماء المسلمين برياسة الدكتور يوسف القرضاوي.

عضوهيئة الاستشارات العلمية، لمعهد البحوث الاستراتيجية(I.P.S.) ٢٠٠٢م- إلى آخر حياته.

عضو مجلس الأمناء للمدارس والمعاهد التعليمية النموذجية ، التي أسستها باكستان.(١٩٩١-١٩٩٤م)

عضو مجلس اكاديمية الدعوة،بالجامعة الإسلامية العالمية. إسلام اباد

عضو مجلس أكاديمية الشريعة، بالجامعة الإسلامية العالمية. إسلام آباد

عضو المجلس التنفيذي لمجمع البحوث الإسلامية. بالجامعة الإسلامية العالمية. إسلام آباد.

عضو لجنة التعليم القانوني،برعاية لجنة التعليم والمنح الجامعية. (١٩٩١-١٩٩٢م)

عضو لجنة المناهج القانونية،برعاية مجمع البحوث الإسلامية، لوضع المناهج الشرعية والقانونية لكلية الشريعة والقانون بالجامعة (١٩٧٨-١٩٧٩م)

توليه المناصب والمسؤوليات الإدارية

تولى الشيخ رحمه الله تعالى مناصب عديدة ومسئوليات كبيرة، فكان قويا أمينا أدى حق هذه المناصب والمسئوليات.

يقول شقيقه الشيخ محمد الغزالي:قلت له مرة: يتشوف الناس للمناصب وبخاصة الوزارة و يستهدفون إما المال، أو الجاه.و أنت مارست الوزارة زاهدا فيها مستغنيا عنها، وقد جردتها من جميع المغريات المال والجاه والامتيازات والتشريفات.

ولقد شاهده كاتب هذه السطوروهو وزيريتجول في أحد الأسواق الأسبوعية التي أقامتها أمانة العاصمة لعامة الناس. رأيته يشتري بعض حاجات أسرته وكأنه يريد أن يتعرف و يراقب الأسعار وغلاءها، و ليس معه أية مراسم التشريف والحراسة الرسمية. وكان تجول وزير من الوزراء بدون حراسة أو مراسم تشريف خرق للمعهود والعادة في البلد، فكدت أن أطير من الإعجاب وأعلن عن ذلك كاشفا لسره، ولكني أحجمت عنه مؤثرا ما يراه أولى وأفضل.

كان الشيخ رحمه الله يرى أن الاتصال بالحكام والمسئولين لاستخدامهم لدين الله و أحكام الشريعة، ولمصلحة الناس ليس أمرا مباحا فقط بل هو واجب في ظل الظروف الراهنة حيث برز واشتد حرص غير المستأهلين على طلب المناصب و استغلالها لمآربهم الشخصية، أو مصالحهم الغير المشروعة.

و لذلك نراه يقبل إمامة صلاة الجنازة على الرئيس الراحل ضياء الحق اعترضت عليه بينظير بوتو مرة في غيابه: هذا الذي صلى على الدكتاتور ضياء" كأنما كرهها. فرد الشيخ على كراهتها : دعيت لإمامة الصلاة عليه فاستجبت، وكان واجبا، فلو عجل الله وقضى عليها الموت قبلي، ودعيت إلى

إمامة الصلاة عليها لأستجيب لذلك".

و من هذا المنطلق نرى الشيخ كان على اتصال وعلاقة شخصية بالعديد من رجال الدولة والقضاء والإدارة.وكانوا يجلونه ويكرمونه فكان أن أسند إليه عدة مناصب ومسئوليات، منها مثلا:

رئيس الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد(٢٠٠٤-٢٠٠٦م)

نائب الرئيس للشئون الأكاديمية،للجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد (١٩٩٤-٢٠٠٤م)

وزير الأوقاف والشئون الدينية،لحكومة باكستان(٢٠٠٠-٢٠٠٢م)

عضو مجلس الأمن القومي لحكومة باكستان(١٩٩٩-٢٠٠٠م)

القاضي الشرعي بالمحكمة العليا، فرع الاستئناف والمرافعة الشرعية (١٩٩٨م-١٩٩٩م)

عضو مجلس الفكر الإسلامي، (١٩٩٠-١٩٩٣م ثم ١٩٩٧-٢٠٠٠م)

المدير العام لأكاديمية الشريعة، الجامعة الإسلامية العالمية، (١٩٩١-٢٠٠٠م)

المدير العام لأكاديمية الدعوة، الجامعة الإسلامية العالمية، (١٩٨٨-١٩٩٤م)

الخطيب بجامع الملك فيصل،إسلام آباد،(١٩٨٧-١٩٩٤م)

رئيس تحرير مجلة" الدراسات الإسلامية" الفصلية العربية المحكمة، مجمع البحوث الإسلامية، بالجامعة الإسلامية العالمية. (١٩٨١-١٩٨٧م ثم ١٩٩١-١٩٩٣م)

رئيس تحرير مجلة "فكرونظر" الفصلية الأردية المحكمة،مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية العالمية (١٩٩٤-١٩٨٧م)

رئيس هيئة الرقابة الشرعية، مصرف باكستان الرسمي،

رئيس هيئة الاستشارات المصرفية الشرعية، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد.

رئيس لجنة الرقابة الشرعية، لشركة التكافل،باكستان كراتشي،(٢٠٠٥-٢٠٠٨م)

وكيل كلية المعارف الإسلامية، الدوحة، قطر.

القاضي بالمحكمة الشرعية الفيدرالية، إسلام آباد إلى أن توفاه الله تعالى.

الفصل الرابع: أنشطته وآثاره العلمية وثناء العلماء عليه

ذكرنا فيما سبق التدريس و الإشراف على الرسائل العلمية،والخطابة، وعضوية الهيئات والمؤسسات الاكاديمية،وهذه كلها من الأنشطة العلمية.

والشيخ غازي رحمه الله تعالى – في رأيي- أحد العلماء الأفذاذ الذين خدموا الشريعة على عدة مستويات: الخطابة، الدعوة، تقنين الشريعة، الإعلام، الوزارة، القضاء، والمؤتمرات والندوات. وإليكم بعض التفصيل:

المؤتمرات والندوات وحلقات النقاش والورش العلمية:

شارك الشيخ رحمه الله تعالى ما يبلغ حوالي مائة ما بين مؤتمر وندوة علمية وحلقة نقاش وورش عمل، إما بحضورها فقط ، أو بكلمة رئاسية، أو مقال مكتوب، أو بحث علمي محكم، أو نقاش المقالات. و ذلك على الصعيدين المحلي والدولي، الرسمي و غير الرسمي.

رحلاته وأسفاره:

أما أسفاره ورحلاته ، فكان رحمه الله تعالى كثير الأسفار والرحلات، وجلها رحلات علمية، وأسفار بحثية. وكان يسافر داخل باكستان ومعظم أسفاره إلى الجامعات والمدارس الدينية أو المكتبات و دور الكتب.

و كذلك له رحلات وأسفار عديدة بل كثيرة خارج باكستان،و بخاصة خلال توليه المناصب الدعوية والتعليمية بالجامعة الإسلامية العالمية إسلام آباد.

فسافر وزارمرة واحدة، كلا من: الكويت،قطر، الإمارات العربية المتحدة، قرغيزستان، وبرونئي دار السلام، وجزر الفجي، الدنمارك، هولنده، إيطاليا، كينيا، أستراليا، West Indies ، الصين، هونج كونج، هنغاريا.

وزار أكثر من مرة، كلا من : المملكة العربية السعودية، سوريا، ليبيا،جمهوية مصر العربية، تركيا، فرنسا، المملكة المتحدة بريطانيا، الهند، جنوب إفريقيا، الاتحاد السوفيتي، ماليزيا، المغرب، الولايات المتحدة الأمريكية، قزاقستان، أزبكستان،تاجكستان، سنغافوره، إيران، إسبانيا، ألمانيا، بنجلا ديش، وتايلندة.

المحاضرات:

كان الشيخ يحاضر، وهذا أسلوبه المفضل، حتى كتبه المطبوعة أو معظمها هي ثمرة محاضرات ألقاها الشيخ، ثم طورها وحسنها، ووثقها، فصارت كتبا علمية نافعة. ومحاضراته تستوعب مجالات كثيرة، دينية وعظية، علمية، سياسية وغير ذلك. و محاضراته تبلغ المئات في مواضيع شتى.

الكتب:

وهو صاحب المؤلفات العلمية النافعة(حوالي ما يقارب ثلاثين كتابا مطبوعا)، في عدة لغات منها اللغة الإنجليزية، والأردية، والعربية.

نذكر منها البعض المطبوع- في حياته وبعد موته.

أما المخطوط فلا بد وأن يكون منه ما ينفع أهل العلم وطلابه فإنه كان ينوي تأليف "موسوعة الفقه الدولي الإسلامي مقارنا بالقانون الدولي الوضعي" في ستة مجلدات على غرار"التشريع الجنائي الإسلامي مقارنا بالقانون الوضعي" للمستشار الشهيد عبد القادره عودة رحمه الله تعالى، و لكنه لم يكمله.

وكان رحمه الله تعالى ينوي تعريب كتاب الشاعر الإسلامي" محمد إقبال" الشهير بالإنجليزية: (.Reconstruction of Religious Thought in Islam)

كتبه ومؤلفاته العلمية

أولا: اللغة الإنجليزية

1- The Hijrah: Its Philosophy and Message for the Modern Man.

2- An Analytical study of the Sannusiyyah Movement of North Africa

3-Renaissance and Revivalism in Muslim India: 1707-1867
4-The Shorter Book on Muslim International Law
5-State and Legislation in Islam
6-Prophet of Islam: His Life and Works(Translated from French)
7- Qadianism

ثانيا: اللغة الأردية:

أدب القاضي (ط . مجمع البحوث الإسلامية، عام ١٩٨٣م)

مسوده قانون قصاص وديت(مشروع قانون القصاص والدية) شارك في إعداد المشروع و ترجمته إلى اللغة الإنجليزية، عام ١٩٨٦م

أحكام بلوغت(أحكام البلوغة على ضوء المذاهب الفقهية الأربعة والمذهب الجعفري) ط. مجمع البحوث الإسلامية عام ١٩٨٧م

إسلام كاقانون بين المالك(مجموعة ١٢محاضرة حول فقه العلاقات الدولية في الإسلام)ط ١ بهاولبور عام ١٩٩٧م وط ٢ إسلام آباد عام ٢٠٠٧م.

محاضرات قرآن (مجموعة ١٢محاضرة حول القرآن وعلومه) ط. مكتبة الفيصل، لاهور عام ٢٠٠٤م

قرآن: ايك تعارف(القرآن الكريم: تعريف موجز) ط. عام ٢٠٠٣م إسلام آباد.

محكماتِ عالمِ قرآني(دراسة حول أفكارالشاعر الإسلامي محمد إقبال حول القرآن الكريم)

محاضرات حديث(مجموعة ١٢ محاضرة حول الحديث وعلومه) ط. مكتبة الفيصل، لاهور عام ٢٠٠٤م

محاضرات فقه(مجموعة ١٢ محاضرة حول الفقه الإسلامي، ومصادره) ط. مكتبة الفيصل، لاهور عام ٢٠٠٥م

محاضرات سيرت(مجموعة ١٢ محاضرة حول السيرة النبوية)

محاضرات شريعت وتجارت(مجموعة محاضرات ألقاها الشيخ حول الاقتصاد، والتجارة والشريعة)

الشريعة الإسلامية و العصر الحديث

أمر بالمعروف اورنهي عن المنكر. ط. عام ١٩٩٢م إسلام آباد.

أصولِ فقه(الجزء الأول والثاني) ط. عام ٢٠٠٤م إسلام آباد

قواعد فقهيه: تاريخي ارتقاء،منتخب قواعد كا مطالعه(الجزء الأول والثاني) ط. عام ٢٠٠٤م إسلام آباد.

تقنين شريعت . ط. عام ٢٠٠٥م إسلام آباد.

الإسلام والغرب: العلاقة ونوعها

المناهج التعليمية العصرية والدينية للمسلمين

المصرفية الإسلامية: تعريف و تحليل

واجب الدعوة والتبليغ

إسلام اورمغرب

ثالثا: اللغة العربية

السير الصغير للإمام محمد بن الحسن الشيباني(تحقيق و تعليق و ترجمة باللغة الإنجليزية) ط. مجمع البحوث الإسلامية. إسلام آباد، عام ١٩٩٨م

القرآن الكريم، المعجزة العالمية الكبرى. ط. عام ١٩٩٤م إسلام آباد.

يا أمم الشرق(تعريب وشرح الشعر الفارسي للشاعر الإسلامي الكبير محمد إقبال بالاشتراك مع شاعر مصري)ط. دمشق، عام ١٩٨٦م

تاريخ الحركة المجددية (دراسة تاريخية تحليلية لحياة الإمام المجدد أحمد السرهندي) دار الكتب العلمية، (١٥/٠٦/٢٠٠٩)

مبادئ الفقه الدولي الإنساني في الشريعة الإسلامية، دار البشائر الإسلامية، بيروت(٢١/١٠/٢٠١٠م)

العولمة أكبر التحديات الحضارية للأمة الإسلامية في الحاضر والمستقبل، دار البصائر للطباعة والنشروالتوزيع (٢٧/٠١/ ٢٠٠٨م)

المدخل الوجيز إلى دراسة الإعجاز في الكتاب العزيز،اعتناء وتخريج الأحاديث:محمد رحمة الله حافظ الندوي، دار البشائر الإسلامية ، بيروت، (ط.١ ١٤٣١هـ)

المقالات:

وله مقالات عديدة باللغة الأردية والعربية والإنجليزية، تزيد على مائة مقال، حول الفقه الإسلامي،والصحوة الإسلامية، والتعليم الإسلامي،والسيرة النبوية، والتاريخ الإسلامي والاقتصاد الإسلامي،نذكر منها:

أهمية الحوار بين الحضارات في تحقيق السلام العالمي (في المؤتمر الإسلامي العالمي للحوار ١٤٢٩هـ = ٢٠٠٨م.

الأستاذ محمود أحمد غازي وملامح أسلوبه وفكره في ضوء مؤلفاته العربية

* الدكتور فضل الله

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه المتقين وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أما بعد!

فمن المعلوم أن منطقة شبه القارة الهندية قدأ أنجبت رجالاً كباراً في ميادين مختلفة من العلوم الاجتماعية لاسيما في مجال الدراسات الإسلامية، فعلى سبيل المثال الشاه ولي الله الدهلوي، ومجدد الألف الثاني الشيخ أحمد السرهندي وعبد الحي اللكهنوي وصديق حسن خان القنوجي، والسيد أبو الحسن علي الندوي، والأستاذ الدكتور محمد حميد الله. والأستاذ محمود أحمد غازي كان حلقة من هذه السلسلة المباركة، ووفاته خسارة كبرى لمسلمي شبه القارة الهندية عامة وأهل باكستان خاصة؛ لأن الأستاذ كان مرشداً ومربياً ومفكراً ومدبراً. وكانت شخصية الأستاذ تجمع بين العلم والمعرفة، والذكاء والحكمة، والتعليم والإدارة، وهو كان موضع احترام وتقدير عند جميع الاتجاهات الدينية والعلمية.

والاعتراف الكامل والتقدير البالغ لمثل هذه الشخصيات الجليلة أمانة في أعناق مراكز العلوم الإسلامية وطلابها ومسئولية المهتمين بالثقافة الإسلامية، فلذا أردت تسليط الأضواء على ملامح أسلوبه وفكره بأمر الأستاذ الدكتور علي أصغر جشتي، عميد كلية اللغة العربية والدراسات الإسلامية، جامعة العلامة إقبال المفتوحة ومدير مجلة معارف إسلامي الذي يود أن يصدر عدداً خاصاً عن حياة الأستاذ

---

* الأستاذ المشارك في كلية اللغة العربية، الجامعة الإسلامية العالمية، إسلام آباد.

الدكتور محمود أحمد غازي وفاءً لخدماته وجهوده في مجال الدراسات الإسلامية والحضارة الإسلامية وثقافتها، فجزاه الله خير الجزاء.

أدعو الله سبحانه وتعالى أن يوفقنا أن نسلك سبيل الأستاذ غازي والاستمرار في دربه آمين.

1- حياته في سطور:

ولد الأستاذ محمود أحمد غازي في ١٨ سبتمبر ١٩٥٠م في منطقة كاندهله (الهند) في أسرة علمية. حفظ القرآن الكريم في ١٩٥٨م، ودرس اللغة الفارسية من والده الحافظ محمد أحمد فاروقي ودخل في المدرسة الابتدائية، وانتقل مع والده من الهند إلى كراتشي وبدأ يدرس في جامعة بنوري تاون، وتعلّم مبادئ علوم اللغة العربية، من هنا انتقل والده إلى إسلام آباد في ١٩٦٤م؛ لأن والده كان موظفا حكوميا. استمر في حصول العلم حتى تخرّج من مدرسة تعليم القرآن براولبندي في ١٩٦٦م وحصل الأستاذ على درجة الماجستير في اللغة العربية من جامعة بنجاب في ١٩٧٢م والدكتوراه في الدراسات الإسلامية من نفس الجامعة في ١٩٨٨م.

وكان الأستاذ غازي- رحمه الله- شغوفا بالعلم والقراءة، ولذا يزور مكتبة مجمع البحوث الإسلامية حينا بعد حين. وهناك التقى الأستاذ بالشيخ صاوي علي شعلان[(١)] ومكث معه حوالي سنة كاملة، وكان الأستاذ غازي يترجم شعر إقبال باللغة العربية نثرا ليحوله الشيخ الصاوي إلى الشعر.

وبعد هذا عُيّن في مجمع البحوث الإسلامية موظفا في ١٩٦٩م واستمر في المجمع حتى عُيّن مديرا لمجلة الدراسات الإسلامية (اللغة العربية) من ١٩٨١م إلى ١٩٨٧م ومن ١٩٩١م إلى ١٩٩٣م، ومديرا لمجلة "فكر ونظر"(اللغة الأردية) من ١٩٨٤م إلى ١٩٨٧م، وعُين خطيبا في مسجد الفيصل في ١٩٨٧م ومديرا لأكاديمية الشريعة في ١٩٨٨م ومديرا لأكاديمية الدعوة ١٩٩١م كما عين نائب رئيس الجامعة الإسلامية العالمية في ١٩٩٤م ورئيسا من ٢٠٠٤م إلى ٢٠٠٦م. ثم سافر إلى دوحة،

---

(١) الشاعر المصري المعروف الذي ترجم كلام إقبال من الأردية إلى العربية.

قطر كأستاذ في كلية المعارف الإسلامية. ورجع من قطر بعد سنة فعُيّن قاضياً في المحكمة الشرعية العليا واستمر في هذا حتى توفي في ٢٧ سبتمبر ٢٠١٠م.... إنا لله وإنا إليه راجعون.

2- مؤلفاته المشهورة:

ألف الأستاذ كتبا عديدة ومقالات متنوعة في موضوعات شتى، وفيما يلي نذكر أشهرها لاسيما كتبه ومقالاته باللغة العربية:

١- يا أمم الشرق (ترجمة كلام إقبال) ١٩٨٦م.

٢- القرآن الكريم المعجزة العالمية الكبرى ١٩٩٤م.

٣- تحقيق وتعليق السيرة الصغيرة للإمام محمد بن حسن الشيباني ١٩٩٨م.

٤- العولمة ٢٠٠٨م (القاهرة).

٥- تاريخ الحركة المجددية ٢٠٠٩م بيروت.

وأما مقالاته العلمية المكتوبة باللغة العربية فهي كثيرة منها:

١- الحقوق الأساسية التي جاء بها الرسول الأكرم ١٩٧٦م.

٢- لمحة خاطفة على الاتجاهات العلمية والفكرية في شبه القارة ١٩٨١م.

٣- آفاق التربية الإسلامية ١٩٨١م.

٤- صراع هام بين الإسلام والقوى الإلحادية ١٩٨٢م.

٥- كتاب مسلم الغد عرض وتحليل ١٩٨٣م.

٦- حركة توجيه العلوم الإنسانية وجهة إسلامية في باكستان ١٩٨٦م.

٧- عقائد أهل السنة والجماعة للإمام المجدد أحمد بن عبد الأحد السرهندي ٢٠٠٢م.

٨- القرآن جامع لأحكام الشريعة للإمام المجدد أحمد بن عبد الأحد السرهندي ٢٠٠٤م.

وهناك كتب ومقالات كثيرة باللغة الإنجليزية والأردية والفرنسية، تصل عددها أكثر من مائة ومن أشهر كتبه في اللغة الأردية سلسلة من المحاضرات باسم محاضرات قرآن، محاضرات حديث محاضرات سيرت، محاضرات فقه، محاضرات شريعت وعلاقة الإسلام بالغرب، والشريعة الإسلامية والعصر الحديث.

اشترك الأستاذ حوالي ١٠٠ من المؤتمرات العلمية ويصل عدد كتبه المطبوعة حوالي ٢٤.

3- خلقه وأوصافه:

كان الأستاذ محمود أحمد غازي عالماً ربانياً، وفقيهاً ماهراً، ومفكراً حازقاً، ومربياً عطوفاً، ومحققاً دقيقاً، وفيلسوفاً متعمقاً، ومدبراً جريئاً، وخطيباً مفوهاً، وكاتباً بارعاً، ومترجماً عظيماً. كانت عنده صفات عديدة ومتنوعة وكان خلقه وأطواره وسلوكه مُصَبَّغة بصبغة الله تعالى كما قال الله تعالى﴿**صبغة الله ومن أحسن صبغة...**﴾[١]

وكان يكره التصنع والتكلف في حياته، رغم تبحره العلمي وسعة أفقه كان متواضعاً، ودائماً يقول من تواضع لله رفعه الله تعالى ....[٢]

كانت حياة المرحوم حياة مليئة بالجهود وهو يعرف قيمة الوقت معرفة تامة، وهو من القليلين المحظوظين الذين استفادوا من الحياة حق الاستفادة.

قد منحه الله تعالى ذكاءً نادراً وفطانة عجيبة، وكان يجيب على الأسئلة ارتجالا ويدرك مشاكل الوقت وتحدياته في ميدان الفكر والفلسفة وعلم الاجتماع والقانون، وكان يحلل هذه التحديات والمشاكل بكل دقة ثم يُقدِّم حلولاً مناسبة،

---

(١) سورة البقرة، الآية: ١٣٨.

(٢) صحيح مسلم.

وكان يقول إن التحديات كثيرة فينبغي على المسلمين مواجهتها بعقل يقظ ووعي تام، كما فعل أسلافنا والتاريخ خير شاهد على هذا.

ومن خصائله الكريمة الزهد والتقوى من المنافع الدنيوية، كان رحمه الله تعالى لا يأخذ من الجامعة بدل السكن وغيرها من المنافع الرسمية المسموحة له من قبل الحكومة وكذلك لا يستخدم شيئاً من الجامعة والحكومة لمنفعته الشخصية.

ومن أبرز خصائصه الحميدة علاقته الوطيدة بالقرآن الكريم، كان رحمه الله تعالى كثير التلاوة، وقيل إنه كان يقرأ كل يوم مترلاً من القرآن. وكثيراً ما يحزن عندما يرى ضعف علاقة المسلمين بالقرآن والسنة ويدعوهم إلى التدبر والتعمق في كتاب الله تعالى والسنة، وكذلك كان يحب الرسول صلى الله عليه وسلم حباً جماً، سئل يوماً عن عنوان بريده الإليكتروني فقال: mahmoodghazi23@yahoo.com ووضح أن عدد ٢٣ إشارة إلى مدة نبوة سيد المرسلين عليه الصلاة والسلام، وهذا إن دل على شيء فإنما يدل على حبه الشديد وعلاقته برسول الله صلى الله عليه وسلم.

ومن صفاته الحسنة الجمع بين الكتابة الجيدة والكلام الفصيح البليغ، وهذه الظاهرة قلما نجدها عند العلماء ولكن الله تعالى أعطاه قلماً حاداً ولساناً حازقاً، وذلك فضل الله يعطي من يشاء .

ومن عاداته النبيلة حب الكتب والمكتبات، والكتاب خير صديق وجليس له في الحضر والسفر، ولذا كلما يسافر إلى خارج البلد يزور المكتبات العريقة ويشتري كتباً ويقول لزملائه وهذا شغلي المحبّب إليّ في السفر. ولا يترك القراءة والبحث رغم أشغاله المزدحمة ومسئولياته الهامة. وكان ميدان القراءة عنده واسعاً وكان رجلاً موسوعياً يحيط جميع أطراف العلوم الإسلامية بدءًا من علوم القرآن وعلوم الحديث ومروراً بالفقه وأصوله والاقتصاد وانتهاءً بالفلسفة ومقارنة الأديان والأدب. هذه بعض صفاته، وهي غيض من فيض، أما الإحاطة بجميع أوصافه فهذا أمرٌ مستحيل في مثل هذه العجالة.

4- ملامح أسلوبه:

كما ذكرنا سابقاً أن الله تعالى منح الأستاذ محمود أحمد غازي - رحمه الله تعالى - كفاءة فائقة في الكتابة، وهذه القدرة الفائقة واضحة وساطعة في جميع كتاباته باللغات الثلاث (أي الأردية، والعربية والإنجليزية). وفيما يلي نقدم بعض ملامح أسلوبه.

١- اللغة الراقية :

كان أسلوبه راقياً خالياً من الخلل والتعقيد اللفظي والمعنوي، ومزيناً بالتشبيهات النادرة والاستعارات الجميلة وبضروب الأمثال والكنايات اللطيفة. وفيما يلي نورد مثالين ليكونا نموذجاً ما قلناه:

"يقول الأستاذ غازي في كلمة العدد لمجلة "الدراسات الإسلامية" ... وقد أكثر بعض إخواننا من الأخذ والقبول من أهل المغرب بدون أي نقد وتمحيص. ولم يدر هؤلاء أن المكثار دائماً كحاطب ليل، لا يستطيع أن يفرق بين الغث والثمين أو يميز بين الخبيث والطيب، وأخذوا من مفكريهم بكل رحابة الصدر وسعة الباع، وتكلموا بكل ما هجست به خواطر أهل الغرب من الآراء الخام والنظريات الزائفة والأفكار الهدامة، فكثر عندهم الرطب واليابس والجيد والردئ، والحسن والقبيح، وهم لا يدركون إلى أي داهية يقودون قومهم وما يكون مصير أمتهم، وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعاً.

ولقد بلغ السيل الزبى والسيف العظم، فترى إخواننا أنهم تركوا التفكير الجاد، وذهبت عنهم عادة التبصر والتأمل، وضاعت عنهم تقاليد التفكر والتدبر، فلا يرون الأشياء بمنظورها الحقيقي، ولا يأخذون الأمور بعد امتحانها على محك الشريعة والعقل والمنطق، بل يكفي لهم قبولاً لأمر وإجلالاً لشيء وإكبارا لعادة وتعظيماً لنظام

أنه مستورد من الغرب"... [١]

انظر مثالاً آخر للغة الراقية "إن العبودية الفكرية التي سلطها الغرب على عقول المسلمين وأذهانهم قد غيرت عقلياتهم وذهنياتهم تغييراً جذرياً زعزع كيانهم الفكري وأوشك أن يقضي على وجودهم الحضاري، والمؤسف أن المسلمين - أو على الأقل أغلبيتهم الغالبة - لم يدركوا مدى خطورة هذه العبودية، اللهم الا شرذمة قليلة من الناس الذين رأوا حقائق الأشياء كما هي ونظروا إلى الأمور في منظورها الحقيقي، وأنذروا قومهم من الخطر الذي أحدق بهم.

وأما الأغلبية الغالبة من إخواننا المسلمين فقد تجاهلوا هذا الاستيلاء الفكري ورحبوا بالتغلغل الحضاري الذي ترك آثاراً كثيرة في تفكير المسلمين وأنتج نتائج كبيرة هددت حياتهم الثقافية وأحدث تغييرات جبارة أثرت عيشتهم الحضارية. وهذه الآثار والنتائج لم يعرفها التاريخ الإسلامي، ولم تأنسها الحضارة الإسلامية. وقد راجت بسبب ذلك بين المسلمين آراء لم يكن الرعيل الأول من المسلمين يعرفها، وقد انتشرت أفكار لم يكن للسلف الصالحين عهد بها. [٢]

وهذان المثالان من مئات الأمثلة في مؤلفات الأستاذ غازي خير دليل على امتلاكه ناصية اللغة العربية وقدرته البارعة على استعمالها، وفوق هذا أنه ترجم الكتب المختلفة من الأردية إلى العربية، ولا نجد فيها تعقيداً ولا ركاكة، وخير مثال على هذا كتابه "تاريخ الحركة المجددية للشيخ السرهندي وكتاب إقبال باسم "أمم الشرق" والكتابان كلاهما في قمة الفصاحة والبلاغة.

٢- رعاية مقتضى الحال:

من المعلوم أن رعاية مقتضى الحال أثناء الكلام تعد من صميم البلاغة، بل هي البلاغة. والمقصود من رعاية مقتضى الحال هو تقديم الكلام حسب مقتضى المقام

---

(١) ينظر: مجلة الدراسات الإسلامية الصادرة عن مجمع البحوث الإسلامية، ع: ٥، ١٤٠٣هـ / ١٩٨٣م.

(٢) مجلة الدراسات الإسلامية، ع: ٤، جـ ٢١ ١٩٨٦م، ص: ٥١.

وضرورة المخاطب ومستواه العقلي والعلمي.

والأستاذ غازي خير من كان يراعي مقتضى الحال ويقدم كلامه حسب أحوال المخاطب وضرورته ومستواه العلمي والعقلي. وكانت عنده مهارة عجيبة في تسهيل الموضوعات الصعبة وتقديمها في صورة ملائمة بالمقام، وكان يعرف المقولة البلاغية "لكل مقام مقال" حق المعرفة. وكان يستخدم الكلمات والتراكيب والصور والأفكار حسب المخاطب، وكانت عنده قوة الإقناع، وكثيرا ما يستعين بالأمثلة الواقعية لتفهيم المشاكل وترسيخ المسائل في أذهان المخاطبين، وأسلوبه يتسم بالجمال والنضارة.

وقد وضح هذا بنفسه أثناء كلامه عن تدريس القرآن قائلاً "علينا أن ننظر أثناء التدريس والتعليم المخاطبين؛ لأن مستواهم يختلف باختلاف الزمان والمكان والأشخاص، والكلام المناسب والأسلوب الجيد لمخاطب أو لفئة قد لا يكون مناسباً للآخرين. وهكذا، فعلى المعلم أن ينظر المخاطب وثقافتهم وضرورتهم وخلفيتهم. [١]

٣- التأثر بالقرآن الكريم والأحاديث النبوية:

بما أن الأستاذ غازي يواصل الليل بالنهار في قراءة القرآن الكريم والأحاديث النبوية والتدبر فيهما، ولذا يوجد أثر القرآن الكريم واضحاً، لأن الإنسان كلما كرر الشيء في لسانه قرر في ذهنه. وكثيراً ما يجمّل الأستاذ جمله وكلامه بأساليب القرآن وهناك أمثلة كثيرة في هذا، نكتفي بتقديم مثال من كلامه...

أن الفلسفات الوهمية والأنظمة الوضعية مهما نجحت في توفير الأموال وجمع القناطير المقنطرة من الذهب والفضة وكسب اللذات ولكنها لم تضمن للإنسانية الاطمئنان الروحي والسكون النفسي والنجاح الأخروي. فإن الله سبحانه وتعالى لم يكتب الفلاح والنجاح إلا للذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر.

(١) ينظر محاضرات قرآن، ص: ٢٩.

وأشهد الله تبارك وتعالى التاريخ كله - العصر - على صدق هذه الحقيقة، فأقسم سبحانه وتعالى بالدهر لما فيه من أحداث لمن رأى ونظر، ولما فيه من بصائر لمن تبصر، وعبر لمن اعتبر، ففيه السراء والضراء، والصحة والسقم، والغنى والفقر، والراحة والتعب، والحزن والفرح، والبؤس والرخاء، وكل هذا إن دل على شيء فإنما يدل على أنها كلها آيات الله، ومن آياته الليل والنهار والشمس والقمر. (١)

هذه العبارة تدل على أن الأستاذ غازي يُكثر الاقتباس من القرآن الكريم وأن أسلوبه مصبغ بالصبغة القرآنية.

وكذلك نجد في كتابات الأستاذ غازي التأثر الواضح والاقتباسات الجميلة من الأحاديث النبوية صلوات الله ومسلامه عليه والمثال الآتي نقدمها للقراء ليلاحظوا بأنفسهم هذا التأثر بالمصدر الثاني من مصادر الشريعة، يقول الأستاذ غازي.

"أن أكبر برهان وأسطعه، وأفضل دليل وأقطعه على نبوة محمد صلى الله عليه وسلم، وعلى علو الرسالة التي جاء بها، وعلى سمو شريعته السمحة السهلة البيضاء التي ليلها كنهارها، هو القرآن العظيم الذي لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد. فيشرع للناس حراسة دينهم وسياسة دنياهم، ويضمن لهم سعادة الكونين، وتتضمن أوراقه الهداية الربانية الكاملة لكل من اهتدى بهديه وتنور بنوره. فهو مأدبة الله لخلقه، وحبله المتين، ونوره المبين، وهو الشفاء النافع، وعصمة لمن تمسك به، ونجاة لمن اتبعه، لا يزيغ فيستتعب، ولا يعوج فيقوم، ولا تنقضي عجائبه، ولا يخلق على كثرة الرد. (٢)

٤- التكرار:

ولا يخفى على من له إلمام بالبلاغة والأدب أن أسلوب التكرار من المباحث البلاغية ومظهر من مظاهر الأدب، فقد كرر القرآن الكريم بعض الكلمات والتراكيب والآيات والقصص أكثر من مرة لغرض من الأغراض البلاغية والتشريعية

---

(١) ينظر مجلة الدراسات الإسلامية ع : ٤، جـ ١٨، ١٤٠٣هـ/ ١٩٨٣م.

(٢) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٤، جـ٢١، ١٤٠٧هـ/ ١٩٨٦م.

وغيرها من المقاصد السامية. ولذا ليس التكرار معيباً عند البلاغيين والأدباء إذا كان له سراً بلاغياً أو مغزى معنوياً.

يوجد في أسلوب الأستاذ محمود أحمد غازي أسلوب التكرار كثيراً ولكنه يختار الكلمات والتراكيب المختنفة لتفهيم غرض واحد وترسيخ مقصد نبيل فمثلاً يقول الأستاذ في كلمة العدد لمجلة "الدرسات الإسلامية".

"إن الذين درسوا التاريخ البشرى دراسة متعمقة، وسبروا غوره، وعرفوا ظاهره من باطنه وجليه من خفيه، ووقفوا على جلائله ودقائقه يعرفون أن لكل عهد من عهود التاريخ مسائل مختلفة، ومشاكل مختلفة، وأحوال خاصة، وظروف خاصة، وأوضاع خاصة، ولكن على الرغم من هذا الاختلاف وهذه الفروق نجد أن هناك روحاً أساسية تصل حاضر القوم بغابرهم، وتنبئهم في حالهم عن مستقبلهم.

مثل التاريخ في ذلك كمثل الكائن الحي الذي تمر عليه أدوار مختلفة، وعهود متغيرة، ومراحل متطورة. فيمر بالصغر والمراهقة، ثم يدخل في عهد الشباب، ويتمتع بريعانه ويفتخر برونقه وغضارته، ثم تنتابه الكهولة والشيخوخة، ثم يرد إلى أرذل العمر لكيلا يعلم من بعد علم شيئاً. وتختلف مسائله ومشاكله، وتتغير ضروراته وحاجاته، وتتجدد آراءه ونظرياته، وتتبدل عاداته وخصائله في كل عهد من هذه العهود، وفي كل دور من هذه الأدوار. (١)

نجد في الفقرة السابقة التراكيب المختلفة لغرض واحد فمثلاً "عرفوا ظاهره من باطنه، وجليه من خفيه ووقفوا على حلائله ودقائقه وكذلك تكرار كلمة "مختلفة"، و"خاصة" الخ، ولكن هذا التكرار لم يكن مملاً ولا بدون فائدة بل كان وراءه فوائد بلاغية جليلة.

وكذلك من ملامح أسلوبه أنه كان يستشهد بالتاريخ والأشعار حسب الضرورة، وهذه الظاهرة كثيرة وواضحة في مؤلفات الأستاذ غازي.

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٢، جـ ١٧، ١٤٠٢هـ/ ١٩٨٢م.

٥- أفكاره:

بما أن الأستاذ غازي كان مفكراً كبيراً من المفكرين الإسلاميين في العصر الحديث، وله آراء قيّمة وسديدة في القضايا الإسلامية المعاصرة، وقد أسهم الأستاذ في المؤتمرات العلمية والعالمية، وكتب الكتب والمقالات، وقدم آراءه بكل أمانة علمية ودقة. واستيعاب جميع أفكاره لا يمكن لقلة بضاعة كاتب السطور وضيق الوقت، ولذا يكتفي الباحث بتقديم بعض أفكاره الهامة عن الأمة وقضاياها المعاصرة وتحدياتها، لعلها تكون نبراساً للذين يسلكون مسلك الحق وسبيل الرشاد.

١- الجمع بين الأصالة والمعاصرة:

كان الأستاذ غازي من الثلة القليلة الذين عندهم معرفة تامة بالتراث الجليل والعلوم العصرية، وكان يحب التراث حباً كثيراً، ويشتكي من الجيل الحديث بالجهل عن أسلافه لأن المدارس، والمعاهد الدينية والجامعات الحديثة لا تثمن ولا تغني من جوع، وهي لا تؤدي دورها الإيجابي تجاه التربية دوراً مناسباً ولا يقدمون للجيل القادم مادة مناسبة عن التراث وجهود الأسلاف، ولذا هم لا يعرفون عن الأعلام الكبار والمسائل المشهورة، وكان الأستاذ يدعو الأمة الإسلامية إلى التمسك بالتراث؛ "لأن الشعوب الغيورة ذات المروءة والحيوية لا تطلب سبباً أو دليلاً للتمسك بتقاليدها المعروفة وتراثها التليد، بل تعتبر تقاليدها القديمة وتراثها التليد وماضيها المجيد امتداداً لحياتها الاجتماعية، اللهم إلا إذا كانت بعض التقاليد قابلة للترك من أجل معارضتها لدينها ونظام حياتها أو لمصلحتها الاجتماعية. وأما إذا ضاعت الغيرة وفاتت واضمحلت الحيوية فيصبح الأمر كما قالت العرب قديماً: إذا فاتك الحياء فافعل ما شئت".(١)

هذا في جانب وفي جانب آخر كان يدعو الأمة الإسلامية وعلماءها إلى الاستفادة من العلوم العصرية؛ لأنه كان يؤمن أن معرفة العصر الحديث وتحدياته أمر لابد منه لمواجهة التحديات ولتقديم الحلول المناسبة لها، وكان يرد على هؤلاء الذين

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٤، جـ ١٨، ١٤٠٣هـ/ ١٩٨٣م.

يكتفون بإصدار فتوى ويصرّح أنه لا يكفي الفتوى؛ لأنه لا يغير الواقع، ولذا نجد الضلال ينتشر يوماً فيوماً رغم كثرة الفتوى وتنوعه؛ وأن الغرب قد استولى على أذهان المسلمين وأدخل فيهم أسئلة معينة، وهذه الأسئلة تكرر في الشرق والغرب على السواء، فعلى المسلمين أن يواجهوا هذا الواقع المؤلم بحلول مناسبة، وأن لا يستسلموا أمام الغرب وعلومه وحضارته بل عليهم أن يستفيدوا ما هو أنفع وأنسب لهم ويتركوا ما هو مضر بقاعدة "خذا ما صفا ودع ما كدر" ويوضح بكل صراحة أثناء كلامه عن تأسيس الجامعة الإسلامية العالمية قائلاً: "... إن الجامعة سوف تعمل لتطوير نظام تعليمي إسلامي يجمع بين الأصالة الإسلامية الحقيقية وبين مقتضيات العصر الحديث ليؤدي حاجات الأمة الإسلامية الاقتصادية والاجتماعية والسياسية والفنية والطبيعية والفكرية والجمالية في ضوء تعاليم الإسلام الحقة وأحكام الشريعة الغراء. وسوف تعمل هذه الجامعة لتجديد بناء الفكر البشري بكل أنواعه على أسس إسلامية صحيحة." (١)

وكان الأستاذ يوجه طلابه أن يعرفوا مشاكل العصر ليمكن لهم التفكير عن التحديات الموجودة فيه ويمكن لهم تقديم الحلول المناسبة لها؛ لأن العالم الذي لا يعرف مشاكل عصره ولغة أهله فهو لا يستطيع أن يفهم المسائل فهماً صحيحاً وبالتالي لا يمكن له تقديم الحل. ولذا قال الإمام أبو يوسف - رحمه الله تعالى - من لم يعرف أهل زمانه فهو جاهل" وقال الله تعالى **﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾**.(٢)

٢- الاعتدال:

كان الأستاذ عالماً معتدلاً ويعطي كل شيء حقه بدون إفراط وتفريط، وهذا ما صرّح حينما سئل عن سر سيد أحمد خان وجهوده" وقال من المؤسف جداً أننا ننكر إسهامه وخدماته للإسلام والمسلمين لأجل بعض آرائه، علينا أن نأخذ ونقبل ما

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ١، جـ ١٧، ١٤٠٣هـ/ ١٩٨٣م.

(٢) سورة إبراهيم، الآية: ٤.

هو جيد ومقبول ونرفض ما هو مخالف عن النصوص الثابتة ونعطي الرجل حقه".[١]

كان لا يتعصب لمذهب ولا لفئة معينة، بل يرحب آراء العلماء والفقهاء، وفوق هذا أنه دعا إلى تأسيس الفقه العولمي (Cospmopliton Fiqh أو Globlized Fiqh)؛ لأن العالم صار كقرية واحدة (Global Village)، ولا يمكن مواجهة التحديات والمسائل إلا بجهود اجتماعية ولذا لا حرج في قبول رأي أي فقيه حسب الضرورة، وأن توضع مصلحة الأمة أمام الأعين أثناء العمل وأن لا نصد طرق الاجتهاد وأبوابه.[٢]

وكذلك اعتدال الأستاذ غازي كان واضحاً في قضية المستشرقين وقبول آرائهم أو رفضها، فنجد أنه يعطي كل صاحب حق حقه ونورد هنا رأيه ونظرته تجاه هذه القضية:

"لازال المسلمون في قضية المستشرقين بين طائفتين. طائفة يبالغون في تعظيم قدر المستشرقين، ويغلون في إجلال شأنهم وإعلاء مكانتهم، ويعتبرونهم أعلام الفكر وائمة الهدى. وأغلبية هذه الطائفة تحتوي على تلاميذ المستشرقين الذين يحذون حذوهم ويقتدون بقدوتهم ويستنون بسنتهم، ويمكن أن نسمي هؤلاء التلاميذ الأبرار لأساتذتهم والأوفياء لكبارهم مستغربين، فإنهم قوم ارتضعوا من ثدي أمهاتهم الفكرية ويأنسون بآبائهم في العلم، فإن الثكلي تحب الثكلي. ومن هذه الطائفة أمة لا يعرفون كثيراً عن الاستشراق وتاريخه وأهدافه، بل كلما راقتهم مقالة لأحد المستشرقين، أو وقعت منهم موقعاً حسناً، أو وجدوا في قراءة شيء لهم لذة وبهجة حكموا عليهم جميعاً بالحسن والقبول. وليس من عادة العاقل الحكيم الحذر أن يصدر حكماً عاماً بالحسن والقبول على علم أو مؤلف لم يستوعبه بالبحث والدراسة لمجرد أنه قرأ منه شيئاً ساحر النفوس وخلاب الأسلوب بغض النظر عما لم يقرأه و لم يعرفه.

وطائفة أخرى ليست بأقل بعدا من العدل والانصاف من الطائفة السابقة.

---

(١) ينظر محاضرات سيرت، ص ٦٣٢، ٦٣٩، ٦٤٠.

(٢) ينظر محاضرات فقه، ص: ٥١٠.

وهم الذين لا يعترفون لذي فضل فضله، ويرون أن كل من درس العلوم الإسلامية العربية في البلاد الغربية فمن أجل عدائه للإسلام وبغضائه للمسلمين. وإن تعجب فعجب قولهم أن كل من قرأ كتب المستشرقين، أو راقه شيء منهم، أو اتخذ أسلوبهم في البحث والتأليف، أو اعترف بفضل أولي الفضل منهم، فقد خرج من ربقة الإسلام، أو يخشى أن يتطرق إلى دينه الفساد، ويتسرب إلى فكره الزيغ والضلال.

فكانت الحاجة ماسة إلى أن يجتمع رجال من أهل العلم والفكر في العالم الإسلامي ويدرسوا قضية المستشرقين، وما قاموا به من أعمال علمية، ومزاياها وجوانب الضعف والنقص فيها، لتتبلور وجهة نظر العالم الإسلامي الصحيحة نحو حركة الاستشراق، وليكون الناس على بصيرة من الأمر، وليصل المسلمون إلى موقف متزن بين تطرفين ووسط بين نهايتين، وليتراءى لهم الرأي القائم على ميزان العدل والانصاف والتقدير، ولا وكس فيه ولا شطط. (١)

٣- أسلمة العلوم العصرية وتطوير المناهج:

قد أدى الأستاذ محمود أحمد غازي دوراً بارزاً في أسلمة العلوم (Islamization of Knowledge) وتطوير المناهج؛ لأن العلوم العصرية وكذلك العلوم الإسلامية تحتاج إلى تغيير جذري حسب حاجات العالم الإسلامي والعصر الحديث. وإن موضوع التربية والتعليم في البلاد الإسلامية موضوع خطير ذو أهمية قصوى ولا ينكر أهميته لإنجاح أية حركة تهدف إلى النهوض بالمسلمين وبعثهم من جديد على أسس إسلامية خالصة. وقدم الأستاذ مقالاً مفصلاً في الملتقي الرابع للفكر الإسلامي المنعقد في الجزائر في ٣١ أغسطس إلى ٧ سبتمبر ١٩٨٠م، وصرّح فيه أهمية التربية والتعليم وقدّم فيه حلاً مناسباً حسب ظروف العصر ومقتضيات الزمن وقال: "فالقضية عندنا ليست قضية بعث نظام قديم ولا استعارة نظام من النظم الأجنبية، بل القضية هي على العكس من ذلك تماماً: هي قضية تأسيس نظام تعليمي ثقافي إسلامي جديد على أسس إسلامية خالصة وفق روح العصر ومتطلبات العالم

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٢، جـ ١٧، ١٤٠٢هـ/ ١٩٨٢م.

الإسلامي ومقتضياته في القرن الخامس عشر الهجري. فالقضية قضية هدم ما عندنا من النظم القديمة أو الحديثة (هدما تاما أو جزئياً في مراحل متطورة وفق ظروف كل شعب من الشعوب الإسلامية) ثم تمييز الصحيح من السقيم والسليم من الفاسد بين انقاضها وحطامها ثم تجديد البناء من هذه الأجزاء الصحيحة السليمة الصالحة لهذا العصر على خطوط إسلامية خالصة وأصيلة، ونبذ ما بقي من الأجزاء السقيمة الفاسدة.

ولكن يجب للبداية في هذا العمل الجبار أن نثور قبل كل شيء على إمامة أوربا (وليست أمريكا إلا امتداد واستمرار فكري وسياسي وثقافي وحضاري لأوربا) الفكرية والثقافية ونرفض الاستسلام أمام زحفها الحضاري والفكري كما قمنا بثورة بطولية على إمامتها السياسية والعسكرية ورفضنا الاستسلام أمام قواها المادية واستعمارها التوسعي. وإني الآن من حسن الحظ والتوفيق في منطقة إسلامية سجلت أروع آيات البطولة والتضحيات على هام التاريخ لأنها رفضت أن تستسلم أمام زعامة أوربا السياسية وتفوقها العسكري. أفليس من الطبيعي أن نتوقع أن تقوم هذه المنطقة بين مناطقنا الإسلامية في ثورتها على زعامة الغرب الفكرية والثقافية؟

وتأتي بعد هذا الرفض مرحلة الهدم البناء. ونعني بمرحلة الهدم رفض العلوم والثقافة الغربية كلها كما هي كأساس لنظام التربية والتعليم عندنا واعتبارها كالمواد الخام على حد قول الأستاذ أبي الحسن الندوي، نأخذ منها ماصفا وندع منها ما كدر. ويمكن أن نسمي هذه العملية عملية نقد العلوم الغربية ثم تأتي مرحلة تجديدها على أسس صحيحة صالحة توافق فكرنا الإسلامي وفلسفتنا الإسلامية ونظام حياتنا الإسلامي وعلومنا الإسلامية. وإليكم تفاصيل موجزة لهذه العملية الجبارة." (١)

ووضح خطورة القضية قائلاً: "وهذا النظام التعليمي الذي طبقه الاستعمار في العالم الإسلامي والذي لم نرثه منه فحسب بل ننفق الملايين والمليارات هو نظام استعماري بحت، وطبقه الاستعمار لمجرد أهدافه الاستعمارية وهذا ما صرّح المفكر

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٤، جـ ١٦، ١٤٠٢هـ / ١٩٨١م.

التعليمي الانكليزي الشهير اللورد ميكالي في تقريره الذي قدّمه إلى الحكومة البريطانية في ١٨٣٥م، "يجب أن ننشئ جماعة تكون ترجماناً بيننا وبين ملايين من رعيتنا، وستكون هذه الجماعة هندية في اللون والدم وانجليزية في الذوق والرأي والتفكير."(١)

وما أصدق هذا الطاغوت التعليمي الاستعماري ألسنا نحن اليوم متفرنجين أو متفرنسين أو متمركنين في الذوق والرأي واللغة والتفكير؟ ألسنا وخاصة الطبقة المثقفة "المتنورة" منا بقينا مسلمين في اللون والدم والاختتان فقط؟(٢)

ولذا يجب علينا أن نهتم؛ لأن هذا العمل يحتاج إلى حركة علمية فكرية واسعة المدى متواصلة العمل، وتطوير العلوم وتطهيرها عملية متواصلة لا تنتهي ولا تكتمل في يوم من الأيام بل يستمر مع مر الدهور وكر العصور، ولذا وضّح العلامة محمد إقبال أهمية القضية حيث قال:

"إن واجبنا هو أن نراقب تطور الفكر البشري بكل يقظة وانتباه ونحتفظ بوجهة نظر حرة انتقادية تجاه هذا التطور." (٣)

ثم أشار الأستاذ إلى العلوم العصرية التي تحتاج إلى التطوير والتطهير قائلاً:

وأما العلوم التي ينبغي أن نعطيها الأولوية في عملية النقد والتطهير والتجديد فهي في رأيي المتواضع كما يلي:

١- الفلسفة الغربية الحديثة مع جميع فروعها.

٢- العلم الطبيعي مع جميع فروعه.

٣- فلسفة التعليم والتربية.

---

(١) تاريخ التعليم لسيجر باسو، ص: ٨٠، نقلاً عن أبي الحسن علي الندوي، نحو التربية الإسلامية، طبع بيروت ١٩٦٩م، ص: ٣٣.

(٢) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٤، جـ ١٦، ١٤٠٢هـ / ١٩٨١م، ص: ٧٨.

(٣) محمد إقبال، تجديد الفكر الديني في الإسلام (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) طبع لاهور، في آخر المقدمة.

٤- الفكر السياسي.

٥- القانون والدستور .

٦- علم النفس.

٧- علم الاجتماع.

٨- الاقتصاد وما إليه.

٩- علم الإنسان (الانثر وبولوجيا).

١٠- فلسفة الآداب والنقد الأدبي.[١]

لم يكتف الأستاذ بأسلمة العلوم العصرية وتطويرها وتطهيرها بل أظهر رأيه عن العلوم الإسلامية الكلاسيكية وضرورة تدوينها على أسلوب عصري حديث يوافق مقتضياتنا اليوم. قائلاً: "وختاماً أريد أن أنوّه إلى مرحلة حاسمة لا تقل أهمية عن التي ذكرتها في المقالة وهي مرحلة تدوين العلوم القديمة تدوينا جديداً على أسلوب عصري حديث يوافق مقتضياتنا اليوم ويلبي حاجاتنا والعلوم التي تحتاج إلى تدوينها تدوينا جديداً وتجديدها وفق الحاجات العصرية في رأي المتواضع كما يلي:

١- التفسير وعلوم القرآن

٢- الحديث وعلومه والسيرة النبوية.

٣- علم الكلام والفلسفة الإسلامية.

٤- الفقه الإسلامي وأصوله وفلسفة التشريع.

٥- الاقتصاد الإسلامي وعلم الأموال.

٦- السياسة الشرعية بما فيها الأحكام السلطانية والسير.

٧- التاريخ الإسلامي وفلسفة التاريخ.

ولكن لا يمكن هذا مع الجمود والصلابة وإنما يمكن بالروح الانتقادية النقدية

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٤، جـ ١٦، ١٤٠٢هـ / ١٩٨١م.

التي يمكن أن نسميها الروح القرآنية الخالصة. فإن روح القرآن ليست الجمود والصلوبة والركون والتقليد الأعمى بل هي التقدم العلمي والفهم والعقل والتفكر والاجتهاد.(١)

٤- الرد على الحضارة الغربية وفلسفتها:

كما ذكرنا سالفاً أن الأستاذ غازي يعرف الحضارة الغربية وفلسفتها معرفة تامة، وكثيراً ما يوجه نقداً عليها بكل صراحة بأدلة قامعة دامغة. وقد ذكر فشل الأنظمة الغربية والاشتراكية في العالم وأخطارها على العالم الإسلامي وصرحها قائلاً:

"لا يخفى على كل من كان له قلب أو القى السمع وهو شهيد وله أدنى بصيرة في شئون العالم المعاصر الفكرية والثقافية أن المدنية الحديثة التي هي في الحقيقة امتداد للحضارة الأوربية المسيحية الإلحادية قد باءت بالفشل فشلا كاملاً في إقرار السلام السياسي والاطمينان النفسي والروحي في هذا العالم المضطرب الحائر على مفترق الطرق. فلا زال الصراع الفكري بين الأمم والشعوب يزداد كل يوم شدة وتهديداً للكيان البشري في هذا الكوكب الأرضي.

فالفلسفات الشيوعية والاشتراكية التي ظهرت على وجه الأرض بدعاوى عالية وبصرخات كبيرة لصالح الإنسانية وفلاح البشرية جاءت بأكثر بكثير مما جاءت بها الرأسمالية المادية من مصائب ومتاعب وكوارث.

وهذا، ولا شك، يجعل الإنسان المفكر المعاصر يميل عن جميع هذه الفلسفات الضالة والأنظمة الفاسدة والنظريات الفاشلة وبدأ يلفت نظره إلى فلسفة جديدة ونظام حي ونظرية شاملة للحياة تحميه من نتائج ما اعتنقه من قبل من دين ونظام وفلسفة، وتقيه من أن يقع في هاوية الهلاك وتحفظ مباني المدنية وجدران الحضارة وأسس الإنسانية من أن تنقض.

ومنذ أن استولى الغرب على العالم الإسلامي فكراً وسياسة وحضارة تسلل

---

(١) المرجع نفسه.

الفكر الغربي اللاديني في الكيان العقلي والثقافي الإسلامي. وأصبح المبادئ الإسلامية الثابتة عرضة - بل أضحية - لما يسمى بالاستعراض النقدي أو الانتقاد العلمي. وكان من نتيجة هذا الواقع المر أن بدأت الفوضى الفكرية التي ذاقها الغرب واجتازها طوال القرون تتسرب إلى البلاد الإسلامية تسربا هائلاً. ومن المعلوم أن الفوضى الفكرية التي أتى بها الغرب وأوردها في العالم الإسلامي تتبعها ردة فكرية واختلال النظام الفكري والثقافي.

ولا يخفى على كل من له علم وبصيرة في تاريخ العلوم وتطور الثقافة في أوربا أن الحضارة الغربية بجميع نواحيها وبجميع ما فيها من العلوم والفنون والنهضة العلمية مطبعة بطابع علماني خالص ومتشربة بروح المادية البحتة." (١)

وجعل العصر الحديث عصر الطواغيت في كلمته حيث يقول:

"إن هذا العصر الذي نعيش فيه هو عصر الطواغيت، كثرت فيه أنواع الكفر والطغيان، وتنوعت فيه أقسام الشرك والعدوان. وزادت خطورة هذه الأقسام ومفاسد تلك الأنواع عن خطورة أخواتها التي تواجدت فيما مضى، وتضاعفت مفاسدها عن مفاسد أمثالها ونظائرها في فائت الزمان وغابره". كانت طواغيت العصور الفائتة قزما بالنسبة لطواغيت العصر الحاضر. فكانت تجول وتصول في نطاق واحد أو نطاقين اثنين، وكانت سيئاتها منحصرة في دائرة نشاطاتها المحدودة ... أما طواغيت هذا العصر فليست جولاتها وصولاتها منحصرة في دوائر محدودة أو معلومة بل انتشرها فسادها في الآفاق كلها ....". (٢)

ومن هنا يتضح أن الأستاذ لم يكن أستاذاً ضيّق الأفق بل إنما كان مفكراً وفيلسوفاً وصاحب نظرة صائبة عن العالم وما فيه من الحركات والمؤسسات.

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٦، جـ ١٧، ١٤٠٣هـ / ١٩٨٢م.

(٢) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٥، جـ ١٧، ١٤٠٢هـ / ١٩٨٢م.

ولذا نجد أنه حينما تكلّم عن حركة الاستشراق وضح بصراحة ووضوح الخلفية التاريخية لهذه الحركة وقال:

"كانت حركة الاستشراق حركة سلبية من أول يومها، ولم يكن أساسها على هدف إيجابي بنّاء. بل كانت تهدف إلى الدفاع عن عقيدتهم الدينية التي وضع لهم القديس بولس، وكانت تقصد إلى تشويش أذهان المسلمين وإفساد عقليتهم. ومع أن أهدافهم لازالت متحدة متماثلة عبر تاريخهم. ولكن المراحل المختلفة التي مرت بها هذه الحركة أعطت كل واحدة منها طابعاً خاصاً ولونا خاصاً لهذه الأهداف.

فنرى أن حركة الاستشراق في القرنين السادس عشر والسابع عشر كانت تهدف إلى تنصير المسلمين وتمسيحهم إذا جاز التعبير. ونرى مظاهر هذه الأهداف في كتابات كثير من الآباء المسيحيين والمبشرين النصارى الذين ظهروا في زي العلماء والمستشرقين. ولكن بعد جهود دامت قرنين أو أكثر وصلوا إلى نتيجة أن تنصير المسلمين وتمسيحهم ليس بالأمر السهل الهين. فغيروا استراتيجيتهم، وركزوا جهودهم على الإشادة بالحضارة الغربية وإبراز مزاياها المزعومة والإعلان بفضلها على الحضارة الإسلامية والنيل من الثقافة الإسلامية والانتقاد على الحضارة الإسلامية والنيل من الثقافة الإسلامية والانتقاد على الحضارة الإسلامية وإبراز ما زعموا أنه من جوانب النقص فيها والتأكيد على أن الحضارة الإسلامية حضارة محلية وليست عالمية ولا يمكن لها أن تضمن للبشرية النجاح الثقافي والفوز الحضاري.

وكان بين هؤلاء المستشرقين جمع غير قليل كانوا يعملون من أجل توفير المعلومات والإحصاءات عن الإسلام والمسلمين والبلاد الإسلامية المختلفة لمصالح المخابرات وهيئات التحقيق وبعثات الاستطلاع، وحتى ولوزارات الخارجية والدفاع، وأصبحوا بذلك طليعة الاستعمار ووسيلة استعباد الشعوب، وما أسوأ هذا الاستعمال المؤسف للعلم والأدب! فمن ذا الذي لا يعرف كتابات أولف كيرو وأمثاله عن المسلمين الأفغان؟ ومن ذا الذي لم يقرأ رحلات الرحالين الأوربيين والأمريكان الذين تجولوا في البلاد الإسلامية في نهاية القرن التاسع عشر الميلادي؟ ومن ذا الذي يجهل

دور داؤتي وفلبى وأمثالهم في الحياة السياسية في الجزيرة العربية؟[1]

اتضح من التفصيل السابق أن الأستاذ لم يكن مكتفيا بالمعلومات السطحية وقشور الأشياء، بل كان يتعمق في الأفكار، ويحللها تحليلاً علمياً دقيقاً، وهذا كان دأبه.

الخلاصة:

في الحقيقة أن استيعاب جميع أفكار الأستاذ محمود أحمد غازي أمر في غاية الصعوبة لكثرتها وتنوعها؛ لأنّ الأستاذ قام بجهود مضنية في مجالات مختلفة وفي كل مجال له رأي خاص. وإحاطة كل هذه الجوانب أمر يحتاج إلى تأليف كتاب ضخم ولا يمكن في مثل هذه العجالة. ولكن مع هذا أحاول أن أقدم ملخص آرائه وفكره في العلوم والثقافة والحضارة.

لا يخفى على كل من نظر نظرة فاحصة في مؤلفات الأستاذ وخطبه أنه كان:

١- آية من آيات الله في الذكاء والفطنة واليقظة.
٢- صاحب إيمان وعقيدة قوية.
٣- متكلماً وفيلسوفاً بارعاً في العلوم الإسلامية والثقافة والحضارة.
٤- يملك قوة الاجتهاد والاستنباط.
٥- واسع الأفق.
٦- معتدلاً في الأسلوب والفكر.
٧- ملمّاً بالموضوعات الجديدة مثل العولمة وفكرة الفقه العولمي.
٨- مدركاً أخطار المراكز التبشيرية والاستشراقية المالية والصناعية.
٩- صاحب نظرة متكاملة.
١٠- مهتماً بأمور المسلمين ومشاكلهم وتحدياتهم.

---

(١) مجلة الدراسات الإسلامية ع: ٢، جـ: ١٧، ١٤٠٢هـ / ١٩٨٢م.

١١- عارفاً أسس الحضارة الإسلامية وأحوال الأمة الإسلامية ومسئولية المسلمين تجاه أحوالهم وحضارتهم.

١٢- عالماً واقعياً، يدرس الواقع ويحدد المشاكل فيقدّم الحلول المناسبة لها بكل أمانة وجدية.

١٣- غزير العلم وعميق الفكر.

١٤- ناقداً بارعاً على الحضارة الغربية وثقافتها.

في الحقيقة أن موت الأستاذ محمود أحمد غازي لم يكن خسارة لأهله وأقربائه فقط بل كانت خسارة كبرى لعلماء الدراسات الإسلامية والعلوم الاجتماعية ومسلمي باكستان أولاً والعالم الإسلامي ثانياً؛ لأن من النادر في العالم الإسلامي أن يوجد شخص يجمع مثل هذه الصفات المتنوعة والكفاءات المختلفة من الفطانة والذكاء الحازق والعلم الغزير والفهم العميق والحكمة البالغة. وهذا معنى قول الرسول صلى الله عليه وسلم:

"إن الله لا ينـــزع العلم من الناس انتزاعاً ولكن يقبض العلماء فيرفع العلم معهم ويُبقي في الناس رؤوسًا(رؤساء) جهالاً يفتوهم بغير علم فيضلون ويُضلون".[١]

اللّهم اغفره وارحمه – آمين.

---

(١) صحيح مسلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن حديث رقم (٤٨٢٩).

جهود الدكتور محمود أحمد غازي العلمية
دراسة من خلال كتابه
"القانون الدولي الإسلامي"

د. محمد علي غوري *

عرفت الجامعات والهيئات العلمية والمراكز الثقافية في شبه القارة الهندية سلاسل من المحاضرات في العلوم والفنون النادرة والهامة ألقاها كبار علماء شبه القارة، ومن ذلك سلسلة المحاضرات التي ألقاها العلامة الفيلسوف محمد إقبال في أحد المراكز العلمية في مدينة مدراس جنوب الهند، وكانت سبع محاضرات، وكان موضوعها هو الفكر الإسلامي،[1] وألقى الشيخ سليمان الندوي في نفس المركز ثماني محاضرات في موضوع السيرة، وتذكر سلسلة محاضرات الأستاذ محمد مارماديوك في مدينة بكتهال التي ألقاها في العقدين؛ الثالث والرابع من القرن العشرين.[2]

تبنت جامعة بهاولفور في مدينة ملتان الباكستانية هذا التقليد العلمي، فألقى الدكتور محمد حميد الله فيها أول سلسلة من المحاضرات، وكانت في موضوع السيرة، وذلك في عام ١٩٨٠م، بدعوة من رئيس جامعتها الدكتور عبد القيوم قريشي، فألقى فيها اثنتي عشرة خطبة،[3] تناول فيها أغلب جوانب سيرة المصطفى صلى الله عليه

---

* أستاذ مشارك ورئيس وحدة اللغات بكلية اللغة العربية في الجامعة الإسلامية العالمية بإسلام أباد

[1] - طبعت ونشرت في بريطانيا عام ١٩٣٠م.

[2] - "إسلام كا قانون بين الممالك" أي القانون الدولي الإسلامي، (خطبات بهاولفور — ٢)، د. محمود أحمد غازي، شريعة أكاديمي، بين الأقوامي إسلامي يونيورسيتي، إشاعت أول، ٢٠٠٧م.

[3] - جمعت في كتاب أصدره مجمع البحوث الإسلامية بالجامعة الإسلامية العالمية تحت عنوان "خطبات بهاولبور" الباء الثانية فارسية، وخطبات في اللغة الأردية جمع خطبة، وكان علماء شبه القارة الهندية يستخدمون هذه الكلمة بمعنى محاضرة.

وسلم، وبعد انقطاع دام خمس عشرة سنة القى الدكتور محمود احمد غازي السلسلة الثانية من المحاضرات، وكانت حول القانون الدولي الإسلامي، استعرض فيها بكل جوانب هذا الموضوع، ومما يميز هذهِ المحاضرات قيام صاحبها بمقارنة القوانين الإسلامية بالقوانين الوضعية.

ولد الدكتور محمود أحمد غازي بن الحافظ محمد أحمد فاروقي في الثامن عشر من شهر سبتمبر عام ١٩٥٠م في مدينة دلهي في الهند[١]، وأكمل حفظ القرآن الكريم وهو في الثامنة من عمره، ودرس في المدارس الدينية، وتعلم العربية والفارسية، ثم حصل على شهادة الماجستير في اللغة العربية من جامعة البنجاب، ثم على الدكتوراه في الدراسات الإسلامية من نفس الجامعة وذلك في عام ١٩٨٨م.[٢]

وسلسلة المحاضرات التي نحن بصدد الحديث عنها ليست السلسلة الوحيدة التي ألقاها الدكتور غازي، فهناك سلسلة القرآن الكريم وسلسلة الحديث وسلسلة الفقه الإسلامي وسلسلة السيرة وسلسلة الشريعة الإسلامية وسلسلة الاقتصاد والتجارة،[٣] قامت دار الفيصل بنشر هذه السلاسل من المحاضرات بين عامي ٢٠٠٤م و٢٠٠٩م.[٤]

ألف الدكتور محمود أحمد غازي أكثر من ثلاثين كتاباً باللغات العربية والإنجليزية والأردية في المجالات المختلفة وخاصة في مجال الفقه والقانون، فقد فاض قلمه ودبج هذه الكتب، وكانت حول القضايا الفكرية والتشريعية والسياسية والاقتصاد الإسلامي والتعليم والتربية والتاريخ والسير، وقد نشرت له دار البشائر الإسلامية في بيروت كتابين بعد وفاته، هما "مبادئ الفقه الدولي الإنساني في الشريعة

---

[١] – ذكر الدكتور غازي نفسه ذلك في مقابلة لم تطبع في حياته أجراها الأستاذ عرفان أحمد، نشرتها مجلة الشريعة في عددها الخاص بالدكتور غازي، رقمي ١ و ٢، المجلد ٢٢، يناير وفبراير من عام ٢٠١١م، الصادرة من مدينة جوجرانوالة (من مدن إقليم البنجاب في باكستان)، ص٢٢.

[٢] – المرجع السابق، ١١.

[٣] – مقال للدكتور علي أصغر شاهد منشور في المرجع السابق، ص٣٦٣-٣٦٤.

[٤] – المرجع السابق، ص١١.

الإسلامية" و"المدخل الوجيز إلى دراسة الإعجاز في الكتاب العزيز"[1] وقد تولى مناصب هامة مثل وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية وكان مديراً عاماً لكثير من أقسام الجامعة الإسلامية العالمية في إسلام أباد، مثل أكاديمية الدعوة وكلية الشريعة والقانون، كما كان نائباً لرئيس الجامعة، ثم رئيساً لها، كما تولى أعلى المناصب القضائية، ولم ينقطع عن التدريس منذ أن وضع قدمه في الجامعة الإسلامية العالمية بإسلام أباد عام١٩٨١م، وإلى جانب ذلك لم ينقطع عن إلقاء المحاضرات القيمة في أكبر المراكز العلمية والثقافية في شتى بقاع العالم.

جمع هذا الحبر بين علم الفقه وعلم القانون الأمر الذي لا يتفق لكثيرين وخاصة في شبه القارة الهندية، كما أن الخوض في هذه المباحث يتطلب جرأة كبيرة، وكان الدكتور غازي يملك هذه الجرأة، كما كان يملك سلاح العلم في هذا المجال بشكل خاص، ومن ذلك رحلته العلمية إلى إيران، حيث زار جامعة دار العلوم في زاهدان عام ١٤٣٠هـ، وبقي فيها أسبوعاً كاملاً، ألقى خلالها محاضرات قيمة في مختلف الموضوعات الفكرية والثقافية. وقد عقدت هذه الجامعة حفل تأبين للمرحوم تحدث فيه ثلة من العلماء الأفاضل أمثال المفتي محمد قاسم القاسمي والشيخ عبد الحميد إمام وخطيب مسجد أهل السنة والجماعة قال في كلمته إن رحيل الدكتور غازي خسارة كبيرة للعالم الإسلامي، فقد كان شخصية المرحوم شخصية عالمية، وفيه وفي أمثاله قيل المثل التالي: موت العالِم موت العالَم.

والكتاب الذي بين أيدينا عبارة عن سلسلة المحاضرات التي ألقاها في عام ١٩٩٥م في جامعة بهاولفور كانت بعنوان القانون الدولي الإسلامي، ولم تدون في كتاب إلا في عام ٢٠٠٧م حين قامت أكاديمية الشريعة في الجامعة الإسلامية العالمية بجمعها وطبعها، وفي هذا الصدد لا بد من ذكر جهود كل من الدكتور شير محمد زمان مدير أكاديمية الشريعة وقت نشر الكتاب، والدكتور محمد يوسف فاروقي اللذان كان لهما دور كبير في جمع هذه المحاضرات ونشرها في شكل كتاب.

---

[1] - دار البشائر، ط١، ١٤٣١هـ، بيروت. وقد صدر الكتابان بتاريخ ٢١ من أكتوبر ٢٠١٠م، أي بعد وفاته بشهر تقريباً.

قبل محاضرات الدكتور غازي في جامعة بهاولفور لم تكن "خطبات بهاولفور" تعني إلا محاضرات الدكتور محمد حميد الله، أما بعد عام ١٩٨٠م فقد أخذ اسم الدكتور محمود أحمد غازي ينافس الدكتور محمد حميد الله في هذا المسمى، فبدأنا نعرف خطبات بهاولفور (١) وخطبات بهاولفور (٢)، وليس ذلك إلا لأهمية المحاضرات التي ألقاها الدكتور غازي رحمه الله، وإنها لا تقل شأناً عن خطبات بهاولفور الأولى.[1]

وفيما يلي موضوعات خطبات بهاولفور (٢) أو محاضرات الدكتور غازي في بهاولفور:

- الخطبة الأولى: تعريف عام بالقانون الإسلامي.
- الخطبة الثانية: تعريف بالقانون الدولي الإسلامي.
- الخطبة الثالثة: القانون الدولي الإسلامي، دراسة مقارنة.
- الخطبة الرابعة: القانون الدولي الإسلامي، دراسة تاريخية.
- الخطبة الخامسة: التصور الإسلامي للحكومة من المنظور الدولي.
- الخطبة السادسة: الهجرة وفلسفتها في ضوء العلاقات الدولية.
- الخطبة السابعة: الحكومة الإسلامية وعلاقتها بغير المسلمين.
- الخطبة الثامنة: قانون الحرب وموقف الإسلام منها.
- الخطبة التاسعة: تصور الحياد في الإسلام.
- الخطبة العاشرة: القانون الدولي الخاص في الإسلام.
- الخطبة الحادية عشرة: أهمية القانون الدولي في العصر الحديث.

---

[1] - سماها الدكتور غازي محاضرات، ولكنها حين نشرتها أكاديمية الشريعة بالجامعة الإسلامية العالمية في كتاب اتخذت اسم خطبات على عادة علماء شبه القارة الهندية. انظر "خطبات بهاولفور (٢) اسلام كا قانون بين الممالك" للدكتور محمود أحمد غازي.

الخطبة الثانية عشرة: الأقليات المسلمة في الدول العلمانية الحديثة.

بدأ الدكتور غازي خطبته الأولى[1] وهي بعنوان "تعريف عام بالقانون الإسلامي" بالتنبيه إلى أهمية القانون الإسلامي أو الفقه الإسلامي في زمن يزخر بالقوانين الوضعية المختلفة، التي عجزت عن حل كثير من المشاكل التي تعاني منها البشرية اليوم، وقد نبه العلامة إقبال مبكراً إلى هذا الأمر، وذلك حين ربط بين بذل الجهود لتخليص الأمة الإسلامية من براثن الاستعمار الغاشم، والعمل على إعادة إحياء القانون الإسلامي، وعودته إلى واقع حياة الأمة الإسلامية من جديد.

وأضاف قائلاً إن الغرب يدرك معنى عودة القانون الإسلامي إلى واقع الأمة الإسلامية أو تطبيق الشريعة الإسلامية في البلاد الإسلامية. فالقانون الإسلامي هو البديل الذي يمكن أن يسحب البساط من تحت القوانين الوضعية، ويحرر البلاد الإسلامية من قبضة القوى العالمية التي تحاول السيطرة عليها. إن القانون الإسلامي هو الذي يمكن أن يمنح المسلمين الشخصية المستقلة، التي تميزهم عن غيرهم، وبالتالي يحررهم من أسر الثقافات الغربية والشرقية. وحتى لا يعود هذا القانون إلى حياة المسلمين نراهم يضعون العراقيل أمامه، ويثيرون الشبهات حوله وحول صلاحيته لهذا الزمان.

على المسلمين اليوم أن يبذلوا قصارى جهدهم من أجل إعادة القوانين الإسلامية إلى واقع المسلمين، وخاصة القانون الدولي الإسلامي الذي ينظم علاقات الدولة الإسلامية بغيرها من الدول والهيئات والمنظمات ليعرف العالم أن الإسلام صالح لكل زمان ومكان، ومما لا شك فيه أن القوانين الإسلامية قوانين شاملة، تشمل جميع جوانب الحياة الفردية والجماعية، كما تنظم حياة الأفراد والجماعات والدول.

[1] - "إسلام كا قانون بين الممالك"، د. محمود أحمد غازي، من ص٣ إلى ص٤٧. نستطيع أن ندرك مدى التفصيل الذي تحدث به المؤلف في هذه الموضوعات من عدد الصفحات التي دونت فيها هذه المحاضرات.

وحتى تحقق ذلك علينا ان نعيد صياغة هذه القوانين الإسلامية لتنسجم مع متطلبات العصر الحديث، وأن نقدمها بلغة العصر التي يفهمها.

وقال الدكتور غازي: كلنا نؤمن بصلاحية الإسلام وقوانينه لكل زمان ومكان، وأن فيه حلولاً لجميع مشاكل العالم، ولكن من منا حاول أن يثبت ذلك عملياً؟

لم يعد للقوانين الإسلامية وجود في عالمنا اليوم، فقد أصبحت هذه القوانين أجنبية حتى في البلاد الإسلامية، بتأثير الأفكار الغربية والنظم الغربية التي انتشرت في كافة مجالات الحياة فيها. على سبيل المثال حين صدر قانون الحدود والقصاص الإسلامي في عام ١٩٧٩م في باكستان اعترض عليه كثير ممن يتسمون بأسماء إسلامية في البلاد، وهذا الأمر الذي لا يمكن تصور صدوره من مسلم يؤمن بالله ورسوله، وسبب جرأة هؤلاء أنهم ألفوا القوانين الغربية واستمرؤوا الحياة في ظلها، و لم يعودوا يستسيغون القوانين الإسلامية. قبل صدور هذا القانون الإسلامي لم يكن الزنا جريمة يعاقب عليها القانون إذا تم برضا الطرفين! كما اعترض هؤلاء المتغربون على قطع يد السارق، ووصفوا القانون الإسلامي الذي ينص على ذلك بالهمجية والرجعية والدموية، وهكذا اعترضوا على قانون الشهادة الإسلامي الذي صدر عام ١٩٨٤م اعتراضاً أشد من اعتراض غير المسلمين، كما رفعوا أصواتهم ضد قانون القصاص والدية الإسلامي الذي صدر عام ١٩٩٠م، وضد القانون الذي يعاقب من يتطاول على ذات النبي صلى الله عليه وسلم.

قد يكون ثمة مبرر لاعتراض غير المسلمين، ولكن لا يمكن قبول اعتراض المسلمين على هذه القوانين الإسلامية على الإطلاق، ومن الجدير بالملاحظة أن أسباب اعتراض المسلمين على هذه القوانين لا تختلف عن أسباب اعتراض غير المسلمين. أتواصوا به بل هم قوم طاغون.

من أسباب غربة القوانين الإسلامية في بلادنا –كما يرى الدكتور غازي– أن المشتغلين في مجال القانون عندنا يجهلون أحكام الشريعة الإسلامية والفقه

الإسلامي، إلا من رحم ربي، فاكثر هؤلاء درسوا القوانين الغربية وخاصة القوانين الإنجليزية، لأن النظام القانوني المطبق في بلادنا هو النظام الإنجلوسكسوني، والقوانين المطبقة عندنا منذ احتلال بريطانيا للقارة الهندية عام ١٨٥٧م وحتى الآن هي القوانين الإنجليزية، رغم استقلال باكستان عن بريطانيا عام ١٩٤٧م.

ولا يمكن حل هذا الإشكال وتغيير النظام باستخدام القوة أو بمجرد إصدار فتوى تحرمه، فالأمر يحتاج إلى جهود فكرية جبارة لإعادة صياغة القوانين الإسلامية بلغة العصر ووفقاً لمقتضيات هذا الزمن ومتطلباته، وشرح هذه القوانين وتوضيحها، وبيان أهدافها ومميزاتها والفلسفة الكامنة خلف كل حكم أو قاعدة فيها، وإثبات صلاحيتها لكل زمان ومكان، بالأدلة العقلية قبل النقلية، وعدم الاكتفاء بالحماس الديني.

وقال الدكتور غازي إننا نعيش في عصر تصطرع فيه الأفكار والنظريات والمذاهب والثقافات، والغرب قد شمر عن ساعديه ينشر أفكاره ونظرياته وأفكاره بكل ما أوتي من قوة، حتى يضمن تبعية العالم له، مدعياً الحياد وعدم الانحياز، ورغم ادعاء الغرب أن أفكاره التي يدعو إليها لا علاقة لها بالدين، فإننا نجده يحاربه بشتى الطرق والوسائل، ويحاول نشر الأفكار الإلحادية اللادينية. وإذا قبل الدين فإنه يحصره في حياة الأفراد، ولا يتصور له وجوداً اجتماعياً.

والإسلام كما هو مجموعة من العقائد والعبادات هو في نفس الوقت نظام اجتماعي وسياسي واقتصادي أيضاً، فيه قوانين تنظم جميع شئون المسلمين، ينطلق من تصور خاص لا تنفصل فيه الحياة الفردية عن الحياة الجماعية. فهناك آيات قرآنية وأحاديث نبوية لا يمكن تصورها، ولا يمكن العمل بها إلا من خلال دولة، مثل الاهتمام بإقامة الصلاة جماعة، ومثل الزكاة والحج والجهاد، وأحكام المعاملات كلها اجتماعية، فالإسلام ليس كغيره من الأديان، فهو دين ودولة، وشريعة وحياة. ولكن هذا لا يعني أن الإسلام لا يهتم بالفرد أو بالتربية الفردية، فالإسلام المتمثل في قوانينه يهتم بالفرد كما يهتم بالجماعة سواء بسواء، لذلك نجد في الإسلام جميع أنواع القوانين؛ المدنية والجنائية والدستورية، والقانون الدولي العام والخاص، ولتطبيق هذه

القوانين وخاصة القانون الدولي العام لا بد من وجود دولة إسلامية تحكم بالشريعة الإسلامية أو ما يمكن أن نطلق عليه الحكومة الإسلامية.

وبين الدكتور غازي معاني مصطلحات كثيرة بالتفصيل مثل مصطلح الشريعة ومصطلح الفقه مستنداً في شرحه على القرآن الكريم وأحاديث النبي صلى الله عليه وسلم ومعاجم اللغة العربية، ضارباً الأمثلة المختلفة ليسهل فهمها على الناس. وحين قارن بين الشريعة والفقه قال: عدد آيات القرآن الكريم أكثر من ستة آلاف آية، وآيات الأحكام من بينها لا تتجاوز المئات، وكذلك لدينا عدد هائل من الأحاديث، يتراوح بين أربعين ألف إلى خمسين ألف حديث، وأحاديث الأحكام من بينها يتراوح عددها بين ألفين وخمس مئة إلى خمسة آلاف حديث، وآيات الأحكام وأحاديث الأحكام هذه تمثل الشريعة، ولتفهمهما نحتاج إلى الفقه، والفقه يتمثل في الجهود التي بذلها المجتهدون من العلماء عبر القرون لمحاولة فهم تلك الآيات والأحاديث، واختار الدكتور غازي بين تعريفات الفقه التعريف الذي ذكره الدكتور عبد الكريم زيدان، وهو: العلم بالأحكام الشرعية العملية عن طريق أدلتها التفصيلية. والفقه مجاله واسع جداً، فهو يبحث في شئون الإنسان قبل ولادته حتى بعد وفاته. وقد قسم العلماء –قديماً– الفقه إلى عبادات ومعاملات، وفي العصر الحديث يميل العلماء إلى تقسيم أكثر اتساعاً، متأثرين بالتقسيمات الحديثة للقوانين، ومن الجدير بالذكر أن هذه التقسيمات الحديثة قد تبدو جديدة في عناوينها ولكنها –في الحقيقة– قديمة في مضامينها. وقد استفاد أستاذنا الدكتور غازي من كتب الدكتور مصطفى الزرقا والدكتور عبد الكريم زيدان وفقهاء معاصرين آخرين فيما يتعلق بتقسيمات الفقه الإسلامي، فذكر العبادات وأحكام الأسرة أو الأحوال الشخصية والمعاملات، وذكر تحت المعاملات الفقه المالي والاقتصادي والتجاري والعقود والإسقاط والإبراء والذمة والالتزامات، ثم ذكر فقه التعامل الاجتماعي والأحكام السلطانية وفقه الجنايات وفقه المرافعات أو أدب القاضي، وأخيراً ذكر الفقه الدولي أو السِّيَر.

وعن الفقه الدولي قال الدكتور غازي إن العلماء قديماً استخدموا له مصطلح السير، وذلك منذ القرن الهجري الثاني، والمسلمون هم أول من وضع قواعد شاملة

لهذا النوع من القانون، كما سبقوا الاخرين في وضع قواعد قانون المرافعات او ادب القاضي، وهذا الأمر يعترف به الغربيون أنفسهم، فأقدم ما ألف في هذا الموضوع هو "السير الصغير" و"السير الكبير" للإمام محمد بن الحسن الشيباني المتوفى سنة ١٨٩هـ.[1] قد نجد بعض الأحكام التي ترتقي إلى أن تسمى بأحكام القانون الدولي منثورة في كتب مثل الويد -كتاب الهندوس المقدس- والتوراة والإنجيل وفي قانون حمورابي وجستنيان، ولكنها لا تعطينا صورة كاملة عن القانون الدولي.

قال الدكتور غازي -متحدثاً عن خصائص الفقه الإسلامي- إن الفقه الإسلامي نظم كل جوانب الحياة، فليست ثمة شعبة من شعب الحياة أغفلها الفقه الإسلامي، ثم إن الفقه الإسلامي أو القانون الإسلامي قانون مترابط، فلا يمكن فصل جانب منه عن الجوانب الأخرى، أو جزء واحد منه عن الأجزاء الأخرى، فالقانون الإسلامي كالجسد الذي تسرى فيه روح واحدة، وفوق هذا وذاك هو قانون رباني، وضعه رب العباد، العالم بهم وبما يصلح لهم، ألا يعلم ما خلق وهو اللطيف الخبير.

والمسلم يعبد ربه بتطبيق شرعه وقانونه، وفي هذا دافع قوي له بالالتزام به، لا يمكن تصوره في أي قانون وضعي. وفي ظل القانون الإسلامي ترتبط الدولة بالدين ارتباطاً لا ينفك، وهذا ما عبر عنه سيدنا عثمان بن عفان رضي الله عنه حين قال: "الإسلام أساس، والسلطان حارس". وأي شيء لا أساس له يسقط وينهار، وإذا لم يكن له حارس يحرسه سُلب ونُهب. فالإسلام يقيم التوازن بين الدين والدنيا، الأمر الذي لا يفهمه كثير من الناس.

والخصيصة الرابعة للقانون الإسلامي -كما يرى الدكتور غازي- أنه نشأ في أوساط العلماء بعيداً عن السلطة، وذلك منذ اليوم الأول.كان العلماء يقومون بدورهم في بيان حكم الله سبحانه وتعالى في كل القضايا منطلقين من واجبهم تجاه الأمة ببيان ما نزّل الله عليهم وتوضيحه لهم، وتأثماً حتى لا يحاسبهم الله سبحانه

---

[1] - قام الدكتور غازي بتحقيق كتاب "السير الصغير"، وعلق عليه، وقد أصدر مجمع البحوث الإسلامية في الجامعة الإسلامية العالمية هذا الكتاب عام ١٩٩٨م.

وتعالى على كتمان العلم، وكانوا يعلمون جيدا إن الساكت عن الحق شيطان اخرس، فلم ينتظروا الإذن من الحكام أو السلاطين ليقوموا بواجبهم، فبحثوا في القضايا المختلفة، وأبدوا فيها آراءهم دون خوف من أحد إلا الله، وهكذا نشأ الفقه أو القانون الإسلامي.[١]

كان القانون الإسلامي منذ البداية ولمدة اثني عشر قرناً واجباً قومياً يقوم به من يملك شروط الاجتهاد من العلماء. وقد ظهرت عبر التاريخ الإسلامي هيئات ومجالس مثل أهل الحل والعقد ومجلس الشورى، ولم يكن لأي منها الحق في تشكيل القوانين وفرضها على الناس، ومن الخطأ تشبيه هذه الهيئات بمجالس البرلمان اليوم، المناط به مهمة تشريع القوانين.

وقال الدكتور غازي إن الإمام مالكاً رفض اقتراح الخليفة العباسي في أن يجعل من الموطأ قانوناً عاماً يطبق في كل أرجاء العالم الإسلامي آنذاك، وأضاف قائلاً: إن مثل هذا الكلام ربما لا يتقبله اليوم الذين اعتادوا أن تفرض عليهم القوانين فرضاً من قبل هيئات مثل البرلمان أو السلطة التنفيذية. وهناك أحكام فقهية كثيرة نطبقها في حياتنا دون تدخل من الحكومات، مثل العبادات والمعاملات الخاصة بين الأفراد، ومثل قضايا الزواج والطلاق التي نلجأ فيها إلى من نثق بهم من الشيوخ والعلماء.

١- ربما بالغ أستاذنا في هذا الأمر، فنفى أي أثر للحكومات الإسلامية في تشكيل القوانين الإسلامية. إن الحكام كانوا دائماً يلجأون إلى العلماء يجمعونهم فيما يسمى مجلس الشورى، ويضعون أمامهم القضايا المختلفة ليقولوا فيها رأيهم، ثم يختارون من تلك الآراء ما يناسب الأمة في حينها، فيقررونه، كما حدث أيام الخلفاء الراشدين في قضية جمع القرآن وحروب الردة وتقسيم أرض السواد وغيرها من القضايا، وكذلك ما حدث أيام الدولة الأموية والدولة العباسية ومن جاء بعدهم، وإلا ما معنى تعيين الإمام أبي يوسف قاضياً للقضاة في الدولة العباسية، وما معنى أهل الحل والعقد، ومجلة الأحكام العدلية خير شاهد على ما أقول. ولكن هذا لا يعني أن العلماء كانوا دائماً في خدمة الحكام والأمراء، فهناك علماء تجنبوا الحكام مثل الإمام أبي حنيفة النعمان والإمام مالك والإمام أحمد بن حنبل، وقد أشار أستاذنا الدكتور غازي إلى هؤلاء.

نقل المسلمون إلى اللغة العربية كتبا كثيرة وفي مجالات مختلفة مثل الفلسفة والمنطق والطب والأدب، ولكنهم لم ينقلوا إلى العربية أي كتاب في القانون، لأنهم كانوا على يقين من أن القوانين التي لديهم أفضل من أي قانون في الأرض.

في كل الدنيا نشأت الدول أولاً ثم ظهرت فيها القوانين، ولكن الأمر معكوس في الإسلام، فقد ظهر القانون الإسلامي أولاً ثم نشأت الدولة الإسلامية، أي أن الدولة الإسلامية قامت على أسس من القانون الإسلامي، وكان الهدف من الدولة الإسلامية هو تطبيق تلك القوانين، ويعني أيضاً أن الدولة في الإسلام تستمد شرعيتها من القانون الإسلامي. مشكلتنا اليوم تكمن في غياب القوانين الإسلامية رغم وجود دول إسلامية كثيرة. أزمتنا أننا في بلادنا الإسلامية نطبق قوانين غير إسلامية.

وفي المحاضرة الثانية[1] قال الدكتور غازي إن الفقهاء استخدموا مصطلح "السير" للتعبير عن القانون الدولي، والسير جمع سيرة، والمقصود به طريقة المسلمين في التعامل مع غير المسلمين في الحرب والسلم، وعلاقات الدولة الإسلامية بغيرها من الدول والهيئات الدولية، ثم تطور هذا النوع من القانون عند المسلمين بمرور الزمن، وقد تتبع الدكتور غازي نشأة هذا القانون وتطوره في هذه المحاضرة، وقال إن علم السير ظهر منذ القرن الهجري الأول، واستقر في شكل قانون له أصوله وضوابطه قبل منتصف القرن الهجري الثاني. وقد تناول الدكتور غازي في هذه المحاضرة بالتفصيل موضوعات علم السير، ومصادر هذا العلم، والخصائص التي ميزته عن غيره، وأهدافه ومقاصده.

وفي المحاضرة الثالثة قارن الدكتور غازي بين القانون الدولي الإسلامي بغيره من القوانين الدولية من حيث الأحكام والتصورات عبر التاريخ الإنساني، وخرج من هذه المقارنات بحقيقة تفوق القانون الدولي الإسلامي على غيره. بدأ بتصور أرسطوطاليس الذي وضع كتابه "السياسيات" على أساس تفوق اليونانيين على غيرهم، وأن غير اليونانيين خلقوا ليكونوا عبيداً لليونانيين، وتساءل أين هذا من

---

[1] – "إسلام كا قانون بين الممالك"، د. محمود أحمد غازي، من ص٥٩ إلى ص١٠٣.

القاعدة التي رسخها عمر بن الخطاب رضي الله عنه –الذي رباه النبي صلى الله عليه وسلم– حين قال لعمرو بن العاص: متى استعبدتم الناس وقد ولدهم أمهاتهم أحراراً. ونعرف أن كثيراً من أفكار أرسطو تمثل الأساس الذي قام عليه الفكر الغربي الحديث.

وفي المحاضرة الرابعة[1] تتبع الدكتور غازي بالتفصيل نشأة علم السير أو القانون الدولي الإسلامي، وكيف انفصل عن القوانين الإسلامية الأخرى وأصبح قانوناً قائماً بذاته، والمراحل التي مر بها، كما تحدث عن جهود علماء المسلمين في هذا المجال.

وفي المحاضرة الخامسة[2] تحدث الدكتور غازي عن هدف الإسلام من إقامة الحكومة الإسلامية، وهو المحافظة على كيان الأمة الإسلامية، فالحكومة الإسلامية وسيلة لازمة لبقاء الأمة الإسلامية، والقرآن الكريم بدءاً من السورة الأولى دعا إلى تشكيل هذه الأمة. وأضاف أن الهدف من تشكيل الحكومة الإسلامية يختلف عن تشكيل الحكومات الأخرى في عدة أمور، فالحكومات الأخرى قامت على أساس تقديس الأشخاص أو الطبقات أو الأغلبية، بينما الإسلام يقيم الحكومة الإسلامية على أساس الحق والعدل والمساواة.

وفي المحاضرة السادسة[3] بين الدكتور غازي أن الهجرة لم تكن حادثة تاريخية عادية وقعت في زمن النبي صلى الله عليه وسلم ضمن تسلسل أحداث السيرة النبوية، وإنما كانت نقطة الانطلاق نحو تشكيل الحكومة الإسلامية، لذلك لم يبدأ التاريخ الهجري بنزول القرآن الكريم ولا بوفاة النبي صلى الله عليه وسلم، وإنما بدأ بالهجرة، وما ذلك إلا لأهميتها التي تتجاوز كونها مجرد واقعة تاريخية، وقد توسع الدكتور غازي في معاني الهجرة وآثارها في حياة المسلمين رابطاً ذلك بالمحور الأساسي لمحاضراته وهو القانون الدولي العام.

---

[1]- المرجع السابق، من ص١٤٧ إلى ص١٨٣.

[2]- المرجع السابق، من ص١٨٧ إلى ص٢١٩.

[3]- المرجع السابق، من ص٢٣٥ – ص٢٦٢.

وفي المحاضرة السابعة[1] حاول الدكتور غازي أن يدحض المقولة التي يثيرها العلمانيون من أنه لا يمكن إقامة حكومة على أساس الدين، وأثبت –بالمنطق والواقع– أن الحكومة القائمة على أساس الدين الإسلامي هي أجدر الحكومات على حل المشاكل التي تعاني منها البشرية اليوم، وأقدر الحكومات على مواجهة تحديات العصر.

وقال الدكتور غازي في المحاضرة الثامنة[2] إن التاريخ البشري مليء بالحديث عن المعارك والحروب، ولكن حدة هذه المعارك والحروب كانت تخف حين تعلو عقيرة الدين، وخاصة الأديان السماوية، التي عملت على توحيد الناس على كلمة سواء، والقضاء على كثير من اختلافاتهم وتنازعاتهم. والقانون الدولي الإسلامي وضع أصولاً وضوابط للحروب من خلال القرآن الكريم والسنة النبوية الطاهرة وأقوال المجتهدين من الفقهاء، ولم يتركها لأهواء الناس ومصالحهم، وجعل الهدف منها هو إعلاء كلمة الله على أساس العدل والرحمة والتسامح.

وهكذا استمرت محاضراته اليومية في جامعة بهاولفور عام ١٩٨٠م حسب العناوين التي سبق بيانها تتبعها أسئلة المستمعين –وجلهم أساتذة في الجامعة– وإجاباته عليه إجابات وافية تدل على طول باعه في مجال القانون الدولي المقارن، وما يتعلق به، بأسلوب جذاب ومشحون بالأدلة من القرآن والسنة وأقوال الفقهاء.

في المحاضرات التسعة الأولى ركز الدكتور غازي على القانون الدولي العام، وفي المحاضرة العاشرة تكلم على القانون الدولي الخاص مبيناً أسسه وأحكامه في الإسلام مقارنة بالقوانين الوضعية المختلفة قديماً وحديثاً.

وموضوع المحاضرتين الأخيرتين –الحادية عشرة والثانية عشرة– اختلف عن موضوع المحاضرات السابقة كلها، فقد تحدث الدكتور غازي فيهما عن أهمية القانون الدولي الإسلامي العام والخاص في العصر الحديث.

---

[1]- المرجع السابق، من ص٢٧١ – ص٣٠٢.

[2]- المرجع السابق، من ص٣١٧ – ص٣٤٨.

يرى الدكتور غازي في كتابه "القانون الدولي الإسلامي" اننا جميعا مسئولون عما نحن فيه من انحطاط؛ حكاماً وشعوباً، جماعات وأفراداً، والحكام والأفراد مسئولون أيضاً عن الإصلاح والنهوض من جديد، انطلاقاً من قول المصطفى صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته.

ويرى أن ما عليه الأمة الإسلامية من انقسام إلى فرق ومذاهب وجماعات لا يمنع من تطبيق الشريعة الإسلامية، بل إن تطبيق القانون الإسلامي سوف يقلل من المسافات بين الناس، وسيعمل على توحيد الصف الإسلامي.

إن الكتاب الذي بين أيدينا وهو كتاب "خطبات بهاولفور (٢)" للدكتور المرحوم محمود أحمد غازي يشتمل على ٥٣٥ صفحة من القطع المتوسط، وهو كتاب مفيد جداً للجميع، وخاصة للمتخصصين في مجال القانون عموماً، وبشكل أخص للمشتغلين في مجال القانون الدولي المقارن؛ العام والخاص. وقد أُردف الكتاب بمجموعة من الفهارس زادت من قيمته مثل فهرس الرجال أو الأعلام، وفهرس الأماكن أو البلاد، وفهرس للقبائل، بالإضافة إلى فهرس الموضوعات الموجود في بداية الكتاب.

أرجو أن أكون قد وفقت في إلقاء بعض الضوء على جهود الدكتور محمود أحمد غازي العلمية من خلال كتابه القيم "القانون الدولي الإسلامي".

غادر الدكتور محمود أحمد غازي هذه الدنيا الفانية صباح يوم الأحد بتاريخ ١٧ من شوال ١٤٣١هـ إثر نوبة قلبية، تاركاً وراءه فراغاً كبيراً. رحمه الله رحمة واسعة، وتغمده فسيح جناته، اللهم آمين.

The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol.1 by Mahmood Ahmad Ghazi: A Reading

Dr. Muhammad Junaid Nadvi

"If a book is worth reading, it is worth buying." John Ruskin (1819-1900)

Introduction

Sirah or Life of the Prophet of Islam *(Sal'lallahu 'Alayhi Wa Sallam)* has been a subject of great significance for Muslim scholarship and common man as a normative source of guidance. Sirah has been a subject of endless series of writings and studies done by historians, traditionalists, jurists and scholars interested in the disciplines of social sciences.[1]

In the 1st century of Islam, Sirah became a vital source of developing the religious, socio-economic and political laws of Islam, interpretation of Holy Qur'an, of Islamic history and other areas of the activity. The first three centuries of Islam is a period of compilation and classification of the available

* *Assistant Professor, Department of Seerah & Islamic History, Faculty of Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad*

information about the life, conduct, personality and statements of the Prophet of Islam (peace on him). In the later period, the scholars focused on the interpretation of the collected data and the transformation of Sirah as a systematic discipline.[2]

The arrival of Western colonial powers to the Muslim World in the late 19th century opened a new era of studying Sirah. Because of the intense intellectual encounter between the Muslim orient and colonial occident, new aspects of studying Sirah were discovered and a new genre of literature emerged in response to the large quantity of work produced by the Western writers on Sirah.[3]

With this brief preamble of Sirah, we shall now present a *tour de force* on Sirah of the late 19th century. This will help the readers to understand the nature of this work.

Background of the Work

In 1959, Dr. Muhammad Hamidullah (1908-2002) produced a masterwork in French language on Sirah entitled: *Le Prophete del' Islam: Sa Vie et Son Oeuvre* (in two volumes). The work has gone through several editions in French and Turkish Languages. A Turkish scholar also translated the first edition of this work in English language. He updated this translation in the light of eighth edition, in which the author had incorporated his latest findings. This translation

was also incomplete at several places and needed improvement and completion because the translator had left the material un-translated in some chapters.[4]

In 1997, Dr. Mahmood Ahmad Ghazi (1950-2010) revised and edited this work with a fresh English translation entitled: *The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1.* The English translation was edited by Mehboob Ahmad (Lecturer of Economics in International Islamic University, Islamabad), who also assisted all through its publication process.[5]

In 1998, this work was published by *Islamic Research Institute*, P. O. Box No. 1035, Islamabad, Pakistan with a price of PKR350, US $30; ISBN: 969-8413-00-6.[6]

While discussing the above work, it would be appropriate and interesting for the readers to recall the academic contributions of the two prominent Muslim scholars of their time (Dr. Muhammad Hamidullah and Dr. Mahmood Ahmad Ghazi), who contributed their scholarship to the above work and other disciplines of Islamic social sciences.

Introduction of the Author of French-Work

The author of the book *"Le Prophete del' Islam: Sa Vie et Son Oeuvre"*, Dr. Muhammad Hamidullah[7] (February 19, 1908-December 17, 2002), was one of the most widely read and renowned Islamic scholar of the 19th and 20th century. He represented the unique combination of several academic and

intellectual traditions of the East and the West. He extensively wrote on different aspects of Islam but Sirah was his main area of interest. He introduced new avenues in the study of Sirah and produced a large volume of literature of the subject, characterized by the novelty of its approach, extensive nature of its treatment and the originality of its content. He kept engaged with Sirah for more than six decades and produced dozens of books, hundreds of studies and research papers on different aspects of Sirah. His field of interest included all the disciplines of Islamic Social Sciences. He authored more than one hundred sixty five books and over a thousand research articles in Arabic, Urdu, English, French and German languages.[8]

Introduction of the Translator/Author of English-Work

The book *"Le Prophete del' Islam: Sa Vie et Son Oeuvre"* was translated in English and published with the title *"The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1"*, by Dr. Mahmood Ahmad Ghazi (1950-2010). Dr. Ghazi was a globally renowned Islamic scholar of the late 20th and 21st centuries, acknowledged for his intellectual and academic contributions to *Islamic Social Sciences*, with special reference to the concept of cosmopolitan Islamic jurisprudence.[9]

Justice Dr. Mahmood Ahmad Ghazi was born on September 18, 1950 and died on September 25, 2010 (in Islamabad). He was serving as the Judge of the Federal Shari'at Court of Pakistan (from 26.03.2010 until he expired) and Professor of Shari'ah, Faculty of Shari'ah and Law, International Islamic University, Islamabad from 1987 till 2008.[10]

Professor Ghazi had thorough knowledge of Arabic, English, Persian, Urdu and French languages. During his lifespan, he held numerous academic and administrative positions, fellowships of several national and international scholastic bodies, and attended around 100 national and international conferences. For details, see the endnote.[11]

Dr. Ghazi was an extensively published scholar of English, Urdu and Arabic languages. He has produced more than thirty books in the areas of Islamic law, Muslim political thought, Islamic resurgence, Islamic economics and Islamic education. His major published, unpublished and incomplete works are cited in the endnote[12] of this article.

With this brief introduction of the two Islamic scholars, we shall now present a brief statement of the work and its contents.

Statement of the Work

The volume contains 522 pages; translator's note (p. i); preface to the 1st English edition (p. iii), preface to the 5th

French edition (p. v); preface to the 4th French edition (p. vi); preface to the 2nd French edition (p. vii); preface to the 1st French edition (p. ix); 5 parts; 51 chapters; name index (pp. 492-512); subject index (pp. 513-517), and a corrigendum (pp. 518-522).[13]

The book is divided into five main parts namely, *1-Introduction, 2-The Appearance, 3-The Mission, 4-The Hijrah or Immigration to Madinah and 5-The Politico-Religious Life.* These parts contain fifty-one chapters having different themes.

In the following segment, we shall provide a glimpse of the major themes of these chapters. While studying these chapters, we notice that the matter is brief, but has genuine references.

Themes of the Work

1-*The Prophet of Islam: Why to Study his Life?*, emphasizes that without studying and following the life of the Prophet, a Muslim cannot become a Muslim, and for a non-Muslim, an unbiased study of the life of Muhammad (peace on him) as a reformer is important to get awareness of the truth (pp. 3-5).

2-*Material and Primary Sources*, about Prophet Muhammad (peace on him) is abundant. The principal sources are Qur'an, Hadith or Sunnah. There are hundreds

of thousands of secondary sources for instance the narrations of Prophet's companions, inscriptions, dedications, biographies, poetry and historical records. However, the contemporary chronicles of the West unfortunately still lacks in having the complete record of Muhammad (peace on him). Therefore, classical and other material available in different languages has been used to produce this work (pp. 6-8).

3-*Environment and Circumstances,* highlights the religious, social, economic and political state of affairs of the neighbours of Arabs i.e. China, India, Turkestan, Mongolia, Byzantine empire, Iran and Abyssinia, before the advent of Islam. Wars, foolish prejudices of race, colour, language or religion, poverty and unequal distribution of wealth was common in that period. Humans had forgotten that all of them were the descendants of one couple: Adam and Eve (pp. 9-13).

4-*Choice of the Venue,* explains the geographical, sociological, psychological, linguistical reasons, and the wisdom and judgment of Allah *(Subhanahu Wa Ta'ala),* in choosing the venue for His last message to humanity (pp.15-19).

5-*Choice of Mecca as the Centre,* discusses the religious, socio-economic conditions and the customs and habits of the people of that period, and advocates that Makkah was the

central and suitable place for the emergence of Islam, in that period of history (pp. 20-22).

6-*Choice of Muhammad for the Supreme Divine Mission*, suggests the rationale and wisdom of Allah *(Subhanahu Wa Ta'ala)* in choosing Muhammad (peace on him) for the divine mission. On the eve of Islam, the City of Makkah was inhabited and ruled by the Arabs of the Quraysh tribes, and a number of residents amounted to about 10, 000. Instead of monarchy, oligarchy of ten principle families reigned over the City-State. Among these was *BanuUmayyah* who held the military power and *Banu Hashim* who seized the religious power, being the two most prominent but rival clans (pp. 23-25).

7-*The Prophet's Ancestors*, gives a brief historical account of the ancestors of Muhammad (peace on him) in the light of Islamic traditions. The description of this ancestry starts from Isma'il *(Alay Salam)*, Jurhamis, Adnanis, Qahtanis, Mudrs, Kinanis, Qurayshis, Qusay, Khuza'is, 'Abd al-Manaf, Hashimis, Abd al-Muttalib and ends to Abdallah (pp. 26-29).

8-*Birth of Muhammad*, is a description about Prophet's birth and the family incidents of demise, which took place till he reached the age of eight (pp. 33-37).

9-*The Orphan at his Uncles's House*, gives a brief account of the life of Muhammad (peace on him) as an orphan at his uncle Abu Talib's house. The event of meeting the monk

Bahira during the business trip to Basra (Syria) has also been reported, when the Prophet (peace on him) was nine years old (pp. 38-41).

10-*War of Profanation and the Order of Chivalry*, reports the incidents of Prophet's gallantry during the period of his youth hood (pp. 42-45)

11-*Life of Independence*, speaks about the economic activities of the Prophet (peace on him) before marriage with Khadija (Allah be pleased with her) (pp. 46- 48).

12-*Marriage and Family Life*, reports about the Prophet's marriage with Khadija (Allah be pleased with her) and their family life (pp.49-54).

13-*Awakening of Religious Conscience*, states the experience of the revelation during Prophet's private life and the beginning of public life (pp.55-62).

14-*Beginning of the Mission*, describes the beginning of the sacred mission of the Prophet (peace on him). Commentators of the Qur'an have noted that the messages attributed to Zoroaster, Buddha, Moses and Jesus have all mentioned of the coming of someone who will put the finishing touches to what they have not been able to accomplish (pp.65-69).

15-*Communication of the Divine Message*, gives a detail account of the spreading and acceptance of the divine message by the people like Rukanah,'Umar and Hamzah

(Allah be pleased with them). Miracle of the splitting of the Moon has also been reported (pp.70-86).

16-*Emigration to Abyssinia*, is an account of the persecution of the Muslims in Makkah, the worsening situation and difficulties faced by Muslims which compelled them to migrate from Makkah Abyssinia (pp.87-90).

17-*Social Boycott*, reports the hardships of the Prophet (peace on him) and his followers in the form of social and economic boycott in Makkah by the Quraysh (pp. 91-92).

18-*In Search of Asylum*, is an account of the persecution, worsening situation and difficulties faced by the Prophet (peace on him) in Makkah, which compelled him to take the option of asylum to Ta'if (pp. 93-95). (pp. 93-95).

19-*Mi'raj and Miracles*, gives an interesting detailed account of Isra', *Mi'raj* or the Ascension of the Holy Prophet (peace on him) towards God and a number of his other miracles. In this detailed account, the author has elaborated some interesting and thought provoking points in the light of Qur'an and Ahadith (pp. 96-114).

20-*Islamization of Madinah*, gives a detailed picture of the religious, social, economic and political measures taken by the Holy Prophet (peace on him) to form the Islamic State of Madinah al-Munawwarah (pp. 115-127).

21-*The Women's Role in Islam Before the Hijrah*, elaborates the contribution of Muslim women for Islam

before migration to Madinah. The women discussed under this topic are: Khadijah, Lubabah Bint al-Harith, Ghuzayyah, Umm Sharik, Fatimah bint al-Khattab, Shifa bint 'Abdallah, Sa'da bint Kurayz, Umm Habibah, Saudah; and the persecuted women, specially Sumayyah, 'Ammar ibn Yasir' mother, Zinnirah and Lubaynah (Allah be pleased with all of them) (pp. 128-132).

22-*First Measures Taken in Madinah*, describes the socio-economic steps taken by the Holy Prophet (peace on him) after *Hijrah* or immigration to Madinah in the Islamic State of Madinah. Important measures were rehabilitation of immigrants and forming the faith-based bond of fraternity between the Ansars of Madinah and Muhajirs of Makkah (pp. 135-140).

23-*Organizing the Community*, informs about the typology of the population; the internal affairs of Madinah; implementation of educational system; forming of constitutional law of the first Islamic state by the Holy Prophet Muhammad (peace on him) (pp. 141-153).

24-*Constitution of the State*, provides the translation of the entire text of the Constitution of the City-State of Madinah and a brief introduction of the New Muslim colonies formed in Madinah al-Munawwarah (pp. 154-164).

25-*Relations with the Quraish of Mecca*, is an account of the politico-religious life of the Prophet (peace on him) as the

head of Islamic State of Madinah with the people (Quraysh) of Makkah al-Mukarramah. This part reports the reasons and results of the battles of *Badr, Uhud, Khan'daq* (Trench); first Maritime-War between Muslims and Quraysh; Unification of Madinah and Makkah and their administrative organization; the last sermon the Holy Prophet (peace on him) at 'Arafat (pp.166-210).

26-*The Ahabish Tribes*, gives a detailed genealogical account of the Ahabish tribes of Makkah, their political affiliation with Quraysh and their religious beliefs (pp. 211-214).

27-*Relations with the Abyssinians*, highlights the relation of Makkans with Abyssinians (in Arabic *Habash*), before and after the Islamic period (pp. 215-230).

28-*The Original of the Letter of the Prophet to the Negus*, contains an analysis of the objections raised by the Orientalists on this letter of the Prophet (peace on him) (pp. 231-234).

29-*Realtions with Egypt*, and Makkah are discussed in the historical perspective which starts from Isma'il (Alayh Salam) this chapter (pp. 235-238).

30-*The original of the Letter to the Moqauqis*, offers contents of this letter written by the Prophet (peace on him) with an analysis on the objections of the Orientalists (pp.239-243).

31- *Relations with the Byzantine Empire*, provides a detail account of the relations of Christian-Muslim States of that era i.e. Ghassans of Syria and Byzantium (pp. 244-256).

32-*Original of the Letter to Heraclius*, offers contents of the letter of the Prophet (peace on him) with an analysis on the objections of the Orientalists and its evaluation (pp. 257-263).

33-*Relations with Iran*, provides a detail account of the important relations of Iranian empire with its Arab neighbours before and after the Islamic era. Contents of the letter written to the Emperor of Iran, is discussed (pp. 264-273).

34-*Original of the Prophet's Letter to Kisra*, reports about the discovery of this letter; peregrination of this document; analysis and comments on this document (pp. 274-280).

35-*Relations with the Iranian Colonies*, provides a detail account of the important relations of Iranian colonies with Arabs before and after the Islamic period (pp. 281-287).

36-*The Original of the Letter to Al-Mundhir*, offers contents of this letter written by the Holy Prophet (peace on him) to al-Mundhir ibn Sawi, Persian ruler of Bahrain with an analysis on the objections of the Orientalists and its evaluation (pp. 288-292).

37-*Other Persian Colonies in Arabia*, provides a geo-strategic, religious and political introduction of the non-

Arabs colonies, specifically the tribe of Tamim of Bahrain (modern al-Ahsa'); tribe of Bakr ibn Wa'il, neighbours of Bahrain (modern al-Ahsa'); tribe of Banu Taghlib, descendants of the brother of the tribe of Bakr ibn Wa'il, who were Christianized; tribe of 'Abd al-Qays, who lived south of Bahrain (modern al-Ahsa'); tribe of Banu Hanifah, who lived near Najd; tribe of Banu Mustakbir of 'Uman (Oman) on the extreme south of east coast of Arabia; tribe of Samawah, who lived on the extreme north of Arabia, on the Western bank of river Euphrates (pp.293-314).

38-*The Original of the Letter of the Prophet to the Co-sovereigns, Jaifar and 'Abd of 'Uman*, depicts the history of the discoveries (since 1854,) of the original letters written by the Holy Prophet (peace on him) to al-Muqauqis, al-Mundhir ibn Sawa, to Negus, to Kisra, to Heraclius. Translation of the particulars of these letters has also been cited (pp. 315-323).

39-*Arab Tribes of the peninsula*, firstly, provides a brief socio-economic and geo-political history of tribes Damrah, Mudlij, Juhainah and Muzainah situated in the Arabian peninsula, and secondly, informs about the conquests, pacts and reforms done by the Holy Prophet (peace on him) with these tribes (pp. 324-338).

40-*The Ambassador par Excellence, 'Amr ibn Umaiyah*, provides a brief biography, attributes and contributions of

‘Amr ibn Umayyah, for the propagation of Islam (pp.339-343).

41-*Other Arab Tribes*, provides a brief history of the tribes Banu Khuza‘ah and Banu Sulaim, and describes their important role in the early history of Islam (pp. 344-365).

42-*Hawazin Tribe and Town of Ta’if*, gives an introduction and the details of the treaty made by the Holy Prophet Muhammad (peace on him) with this tribe (pp. 366-383).

43-*Other Tribes*, describes the dialogue and military expeditions against the neighbours of Ta’ifi tribes of Azd, Jurash, Banu Ghatfan, Taiy (originated from Yemen), Banu Asad, Banu Quda‘ah, Banu Kalb, residents of Dumat al-Jandal, tribe of Judham and other tribes which were left aside (pp. 384-409).

44-*Denunciation of the Pacts of Aliance with the Pagans*, or disapproval through revelation is the subject of matter of this chapter, which portrays the condemnation of Allah *(Subhanahu wa Ta‘ala)* of the Pagans that they can stay in the Islamic State, but are not allowed to enter Makkah because of their polytheistic beliefs (pp. 410-412).

45-*Apostasy and Rebellion of Certain Tribes*, states that the act of apostasy and rebellion in an Islamic state is not allowed. The people involved in this act were punished by the Islamic government at times were: Musailimah from Najd, Al-Swad al-‘Ansi from Yemen, Dhu’t-Taj Laqit ibn Malik in

‘Uman, al-Ash‘ath al-Kindi in Yemen, Umm Zamil or Umm Ziml among the Ghatfan, and Tamimite Sajaai, who claimed prophesy, within her own tribe (pp.413-414).

46-*Relations with the Jews*, gives a detailed overview of the history and relations of Arabs and Israelites from the pre-Islamic and post-Islamic period (pp.415-443).

47-*Jews outside Madinah*, presents an account of the socio-economic state of affairs of the Jewish community of Khaybar, Wadi’l-Qura, Fadk, Taima, Maqna (Tabuk), Jarba’, Adhruh, Ta’if, Jews of South and the East of Arabia and their relations with the Muslims (pp. 444-464).

48-*Relations with the Christians*, have been explained in the historical perspective, who were very rare in Makkah; a large number of Christians of Balharith (abbreviation for Banu’l-Harith ibn Ka‘b), a subdivision of Madhhij, in Najran (Yemen); other branches of Balharith; and the Ruha, like Balharith, a branch of Madhhij. Dialogue, military expeditions and treaties are the subject matter of this in this chapter (pp. 465-475).

49-*Jesus Christ and Christianity according to the Qur’an*, mainly deals with two aspects; his human life and the special nature of his birth. Concerning his personal life, the Qur’an repeatedly endorsed that Jesus was a prophet and messenger sent to the people to guide them about the morals as defined by Allah *(Subhanahu wa Ta‘ala)*. Islam considers

miracles as the work of Allah *(Subhanahu wa Ta'ala)*. In a broader sense, they are natural phenomena which Allah *(Subhanahu wa Ta'ala)* sometimes causes to appear in order to prove the truthfulness of His messengers, thus convincing people of their time to stop persistency in denial of the teachings of these divine Messengers; that miracle is not a necessary requirement for prophets; that they cannot produce miracles on their own; that Allah alone does them (pp. 476-484).

50-*Other Religions*, apart from Christians and Jews in the pre-Islamic Arabia, among its inhabitants were Magians (Zoroastrians), Sabians, Materialists, Atheists, Idolaters, Fethichists (Sorcerers) and animists, who constituted the majority. A brief discussion on the presence of Buddhism and other religions of China, India and southeast Arabia, at the time of Holy Prophet Muhammad (peace on him) is, also discussed (pp. 485-488).

51-*The Frontiers and Administrative Divisions of the State*, gives an overview of the administrative structure of the Islamic state of Madinah which starts from the 1st year of *Hijrah* till the demise of Prophet Mu ammad (peace on him), in the 11th year of *Hijrah* (pp.489-491).

After understanding the major themes of this work, it would be appropriate at this point to have a brief view of the prominent features of this work.

Features of the Work

The Presentation of Sirah with authentic references, within the disciplines of contemporary Social Sciences, i.e. Anthropology, Sociology, Economics, Political Science, and History is a significant contribution of this treatise.

Overall, the work is well organized. It provides an insight to the subject matter of Sirah, and identifies new paradigms, which can coexist alongside older ones.

This volume offers excellent overview to understand Sirah and its classic texts. The wide-ranging and eclectic collection of sources is a particular strength of this volume. Examples from the Islamic history, reference of classical books, geographical names with explanation, relevance, references, footnotes, name index and subject index has made this volume extremely valuable for researchers.

Observations and suggestions are inspirational for Sirah-writing in the 21st century. Jargons of modern social sciences used in this treatise, is a unique quality. Those seeking an overview of Sirah terminologies, themes, and concepts as they emerged in this work will find much of value here, especially historians and Sirah-Writers.

Questions and answers in between the discussion of topics is a motivating source for exploring new vistas for the researchers of Sirah and a valuable contribution to the Institution of Sirah-writing.

Until now, we presented an abstract, introduction of the topic, background of the work, introduction of the author of French-work, introduction of the translator/author of English-work, statement of the work and contents, major themes of the work and prominent features of the work. The purpose of this attempt was to provide a complete view of the work under study to the readers. In the following segment, we shall now present the core thesis of this work.

Thesis of the Work

The work proposes that due to the intense intellectual encounter between the Muslim orient and colonial occident, new aspects of studying Sirah should be discovered, and a new genre of literature should emerge in response to the large quantity of work produced by the Western writers on Sirah.[14]

This academic discourse is an introduction of the Prophet of Islam, for the French-speaking community of the world, because a huge amount of material is already available in other languages. It is a strict chronological and pioneering

research study on Sirah.[15] This French-work has used all the available material on Sirah from the primary and secondary sources found in several languages.[16]

The Sirah or life of the Prophet should be studied to find the ultimate Truth. Before giving a judgment about Muhammad (peace on him), a person must do an unbiased study of his life.[17] Sirah should be understood in the light of primary and secondary sources found in several languages.[18]

Its seems that the Arabs must have given some information to Muhammad (peace on him) about the religious beliefs of the people of China, India, Turkestan, Mangolia, Byzantine, Iran, and Abyssinia.[19]

There are geographical, sociological, psychological, linguistical and practical, reasons behind the choice of venue (Makkah); his emergence as a Prophet in Arabian Peninsula[20]; and his choice for the supreme divine mission, by Allah (*Subhanahu Wa Ta 'ala*).[21]

There are lessons in the events of Prophet's birth, orphanage, chivalry, familial and social life and religious values.[22]

What was the message of the Prophet of Islam, and how he accomplished his mission?[23] What were the foundations, how were they placed, how were they administered, and what was the result of this politico-religious state of

Madinah[24], and how were the International relations of this Islamic State managed.[25]

In the light of the above thesis, we shall now present a reading of this work.

Reading of the Work

This works belongs to the genre of early Islamic history, Sirah, or what I term as the *Institution of Sirah.* This work should be considered, as a paradigm for Sirah-writing with a strict chronological and authentic approach to study Sirah from the primary and secondary sources found in several languages.

While reading this work, I have focused on the deep understanding of the author, especially as articulated in his encyclopedic synthesis of Sirah discourse, which seems to be inspired by the scholarship of the new emerging fields of Sirah in the disciplines of contemporary social sciences. This work introduces new methodological framework and uncovers new avenues, to place Sirah as an important discipline of *Islamic Social Sciences.*

This volume offers an excellent overview to understand Sirah as well as classic texts of Sirah. The wide-ranging and eclectic collection of sources is a particular strength of this volume. Examples from the Islamic history, reference of classical books, geographical names, explanation and

relevance to the subject is the quality of this volume. The observations and suggestions are inspirational for Sirah-writing in the 21st century in the jargon and methodology of contemporary social sciences.

This French-masterwork on Sirah of the late 19th century gives an essence of Sirah or the early history of Islam in a chronological order based on authentic classical references.

This academic discourse describes a stimulating observation and understanding about the biography, struggle and message of the Prophet of Islam (peace on him) from the religious, social, economic and political perspective, for the French-speaking community of the world.

This work has highlighted Sirah as a basic secured institution of Islam. The work shows that the Muhammad (peace on him) has created a nation on the basis of a philosophy, and preserved it by structuring the exemplary State of Madinah. This nation (Ummah), despite its frailty, continuously prevails to this day on its fundamentals and has remained attached to Sirah.

Lastly, Prophet Muhammad (peace on him) can become the role model for the humankind.

Critical Evaluation of the Work

In my humble view, this original French-work on Sirah is commendable and extremely useful for the French-speaking

community of the globe. However, the English translation of this work (which is still incomplete) perhaps, is not of much value for those who can understand languages, other than English. Because, there are hundreds of thousands of authentic books and articles written or found in the other languages, especially in Arabic, Persian, Turkish, Malay and Urdu, written by the scholars of high repute, some of which are the work of art on Sirah. However, this English translation will help the future researchers to access or reach the authentic classical and contemporary sources or references.

In this treatise, the author has given a brief account of all the significant events related to Sirah, but has perhaps, intentionally ignored the details or incident of demise of Muhammad (peace on him) and the battles (Ghazawat) of the Holy Prophet Muḥammad (peace on him), with a reason to present a soft picture of the Prophet (peace on him).

One problem with such kind of literary work is the amount of repetition, especially about the core concepts, principles and its history in practice. For the next edition of this work, we recommend re-editing, proofreading of spelling mistakes, irrelevant material, and repetition of paragraphs, words, sentences and incidents. For instance, the spelling of the word 'Mecca[26]' (chapter 5, 25, and other places) should be written as 'Makkah'.

Conclusion

This work deals with Sirah or the Early Islamic history. The original-work appeals to the French audience, that Sirah should be studied to find the ultimate Truth. Moreover, before giving a judgment about Muhammad (peace on him), a person must do an unbiased study of his life.

There was no such kind of Sirah-Book in French literature, which provided full references and much new information based on continuous research by the author. Another, purpose was to translate the authentic study of Sirah to other languages. Another reason of producing this work was to pay back the welcoming hosts (French People), the result of more than 30 years of study and continuous research in the field of Sirah; a study not only of the original sources but also of the works produced by other researchers on the subject in different languages.

Available material of primary and secondary sources on Sirah, found in several languages, has been used in this French-treatise. Authentic references and citations from classical and contemporary literature is a prominent feature of this work.

It also seems that this work is as an intellectual encounter or response to the Western attitude or an effort to harmonize the relations of the Muslims non-Muslims.

This work offers geographical, sociological, practical, psychological, linguistical reasons behind the emergence of Muhammad (peace on him) in the Arabian Peninsula.

In the study of Sirah new aspects should be discovered. New genre of literature should emerge in response to the Western attitude towards Sirah.

Sirah-writing should be used as an instrument for the propagation of peace and harmony.

Sirah should be portrayed as the fundamental secured institution of Islam, which is capable to offer social, economic and political solutions to the humankind.

State of Madinah created by Muhammad (peace on him) still stands as role model for the solution of today's global problems.

Notes & References

[1] Adapted from, Allama Shibli Nomani, *Seerat al-Nabi, vol. 1* (Islamabad: Services Book Club, 1985), pp. 1-7.

[2] Modified from, Mahmood Ahmad Ghazi, *Muhadrate-e-Seerat* (Lahore: Al-Faisal Nashran, 2008), pp. 136-180.

[3] Tailored from *Translator's Note*, Mahmood Ahmad Ghazi, *The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1* (Islamabad: Islamic Research Institute, 1998), pp. i-ii.

[4] Mahmood Ahmad Ghazi, *The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1* (Islamabad: Islamic Research Institute, 1998), p. ii.

[5] Ibid., p. ii.

[6] Mahmood Ahmad Ghazi, *The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1* (Islamabad: Islamic Research Institute, 1998), Cataloging page.

[7] For a detail account of Dr. Hamidullah's life and works, see, "Special-Issue: Dr. Muhammad Hamidullah," *Fikr-o-Nazr, IIUI, Islamabad,* vol.40-41, no.1-4 (2003); also see, "Special-Issue: Dr. Muhammad Hamidullah," *Ma'arif –e-Islami, AIOU, Islamabad,* vol. 2 & 3, no. 2 & 1 (July 2003- June 2004); also see, "Special-Issue: Dr. Muhammad Hamidullah," *Da'wah, IIUI, Islamabad,* vol.9, no.10 (March 2003); also see, *Bed[illegible]r✚,* Hyderabad, Pakistan, vol.7, no. 92 (November 2010), p.13

[8] Tailored from the articles of "Special-Issue: Dr. Muhammad Hamidullah," *Fikr-o-Nazr, IIUI, Islamabad,* vol.40-41, no.1-4 (2003); also, "Special-Issue: Dr. Muhammad Hamidullah," *Ma'arif –e-Islami, AIOU, Islamabad,* vol. 2 & 3, no. 2 & 1 (July 2003-June 2004); also "Special-Issue: Dr. Muhammad Hamidullah," *Da'wah, IIUI, Islamabad,* vol.9, no.10 (March 2003); also, *Bed[illegible]r✚,* Hyderabad, Pakistan, vol.7, no.92 (November 2010), p.13.

[9] Sunni Ulema Forum, at: http://www.sunniforum.com/forum/showthread.php?6353 (2010); Daily Times, at: < http://www.dailytimes.com.pk/default.asp?page=2010%5C09%5C27%5Cstory> [27-9-2010].

[10] *Da'wah,* International Islamic University, Islamabad, vol. 17, no. 4-5 (September-October 2010), pp. 165-173; See, <http://www.iiu.edu.pk/index.php>.

[11] **List of Dr.Ghazi's academic, administrative positions, fellowships and international conferences.**

Source: Federal Shari'at Court, <http://federalshariatcourt.gov.pk/AJ2.html> [retrieved: 01-01-2011].

- Professor/Associate Dean, Faculty of Islamic Studies, Qatar Foundation, Doha.
- Chairman Shari'ah Board, State Bank of Pakistan.

- Chairman Shari'ah Advisory Cell, International Islamic University, Islamabad.
- Chairman Shari'ah Supervisory Committee, Takaful Pakistan, Karachi (2005-2008).
- President, International Islamic University, Islamabad (2004-2006).
- V.P. (Academics), International Islamic University, Islamabad (Nov.1994-June 2004).
- Federal Minister for Religious Affairs (August 2000 to August 2002).
- Member, National Security Council, Government of Pakistan (1999-2000).
- Judge (Adhoc-Member), Shari'ah Appellate Bench, Supreme Court of Pakistan (1998-1999).
- Member, Council of Islamic Ideology (1990-1993 and 1997-2000).
- Director General, Shari'ah Academy, International Islamic University (1991-2000).
- Director General, Da'wah Academy, International Islamic University, (1988-1994).
- Khatib, Faisal Mosque/Director, Islamic Centre, Faysal Mosque (1987-1994).
- Editor, *al-Dirasat al-Islamiyyah,* Arabic journal of the IRI, Islamabad (1981-87, 1991-93).
- Editor, *Fikr-o-Nazar,* Urdu journal of the Islamic Research Institute, Islamabad (1984-87).
- Member of 'Constitution Commission' appointed by President, Islamic Republic of Pakistan(1983-85).
- Associate Professor, Islamic Research Institute, Islamabad (1981-87).
- Research Fellow/Assistant Professor, Islamic Research Institute, Islamabad (1979-81).
- Fellow/Lecturer, Islamic Research Institute (1973-79).

[12] List of Dr. Ghazi's published, unpublished, and uncompleted works in English, Urdu and Arabic languages.
Source: Federal Shari'at Court, <http://federalshariatcourt.gov.pk/AJ2.html> [Retrieved 01-01-2011].

- **Dr. Ghazi's Published Work in English Language**

1. The Hijrah: Its Philosophy and Message for the Modern Man, 1980, 1988, 1999.
2. An Analytical Study of the Sannusiyyah Movement of North Africa, IRI, Islamabad, 2001 (Based on Ph.D. Thesis).
3. Renaissance and Revivalism in Muslim India: 1707-1867, Islamabad, 1998.

4. The Shorter book on Muslim International Law (Edited and translated), Islamabad, 1998.
5. State and Legislation in Islam, Islamabad, 2006.
6. Prophet of Islam: His Life and Works (translated from French), IRI, Islamabad, 1998.
7. Qadianism: Lahore, 1992.

- **Dr. Ghazi's Published Work in Urdu Language**

1. Adab al-Q▣di (comprehensive work on Islamic Law of procedure), IRI, Islamabad, 1983.
2. Musawwadah Qanun-i-Qisas-wa-Diyat, (a book on Islamic law of crimes against human body), (Edited and partially translated), IRI, Islamabad, 1986.
3. Ahkam-e-Bulughat (the Islamic law of majority), IRI, Islamabad, 1987.
4. Islam Ka Qanun Bain al-Mamalik, (A comprehensive book on Muslim International Law), Bahawalpur, 1997, Islamabad, 2007.
5. Muhadarat-e-Qur'ãn, lectures on Ulum al-Quran, Al-Faisal Nashiran, Lahore, 2004.
6. Muhadarat-e-Hadith, lectures on Hadith, Al-Faisal Nashiran, Lahore, 2004.
7. Muhadarat-e-Fiqh, lectures on Islamic law, Al-Faisal Nashiran, Lahore, 2005.
8. Muhadarat-e-Sirat, lectures on the science of Sirah, Al-Faisal Nashiran,Lahore, 2007.
9. Muhadarat-e-Shari'at, lectures on Islamic Law, Al-Faisal Nashiran, Lahore, 2009.
10. Islami Shari'at Awr Asr-i-Hazir, a collection of 8 lectures on the understanding and application of Shari'ah in the modern world, IPS, Islamabad, 2009.
11. Quran: Ek Ta'aruf (An Introduction to the Qur'ãn), Da'wah Academy, IIUI, 2003.
12. Muhkamat-e-'Alam-e-Qur'ãni (Iqbal's concept of 'Quranic World') DA, IIUI, 2002.
13. Amr bil Ma'ruf wa'l-Nahy an-al-Munkar, Da'wah Academy, IIU, Islamabad, 1992.
14. Usul al-Fiqh-I (An Introduction), Shari'ah Academy, IIU, Islamabad, 2004.
15. Usul al-Fiqh-II (An Introduction), Shari'ah Academy, IIU, Islamabad, 2004.
16. Qawa'id Fiqhiyyah-I (A historical survey), Shari'ah Academy, Islamabad, 2004.
17. Qawa'id Fiqhiyyah-II (Study of Selected Qawa'id), Shari'ah Academy, Islamabad, 2005.
18. Taqnin al-Shariah, Islamabad, Shari'ah Academy, Islamabad, 2005.

- **Dr. Ghazi's Published Work in Arabic Language**

1. A Critical Editing of Al-Siyar al-Saghir, by Imam Muhammad ibn al-Hasan al-Shaibani, IRI, 1998.
2. Al-Quran al-Karim: Al-Mujizah al-Ilaliyyah al-Kubra, Islamabad, 1994.
3. Ya Umam al-Sharq (translation of a Diwan of Allama Iqbal, from Persian into Arabic with commentary in collaboration with an Egyptian poet), Damascus, 1986.
4. Tarikh al-Harakah al-Mujaddidiyyah, Beirut, 2009.
5. Al-Awlamah, Cairo, 2008.

- **Area of Dr. Ghazi's published work**: More than one hundred articles on Islamic Law; Muslim resurgence, Islamic education, S□ah, Islamic history, Islamic economics).

- **Dr. Ghazi's Unpublished Works:**

1. *Al-Wajiz fi Dirasat Ijaz al-Kitab al-Aziz* (An Introduction to the study of Ijaz al-Qur'ãn down the ages), approximately pp. 200.
2. A Selection of *Mujadid's Epistles*. (With Arabic translation), pp. 250.
3. *Mabadi' al-Qanun al-Duwali al-Insani fi'l-Shari'ah al-Islamiyyah* (An Introduction to the Shari'ah Principles of International Humanitarian Law).

- **Dr. Ghazi's Uncompleted Works**

1. Islamic Legal maxims, (Urdu).
2. A Text Book on Muslim International Law, (Arabic).
3. A fresh Arabic translation of Muhammad Iqbal's *Reconstruction of Religious Thought in Islam.*
4. A Textbook on the Philosophy of Islamic Law, (based on Maqasid al-Shari'ah).
5. Islamic Banking: An Introduction (Urdu), under print in Karachi.
6. *Muhadarat-e-Ma'ishat-o-Tijarat,* a collection of twelve presentations on Islamic principles of trade, commerce and economics, under print in Lahore.
7. *Islam Awr Maghrib,* lectures on relationship between Islam & West, under print in Karachi.
8. *A Brief Introduction to Maqasid al-Shari'ah,* (Urdu), under print in Karachi.
9. English translation of Dr. Hamidullah's *Le Prophete de l' Islam: Sa Vie et son Oeuvre, vol.2*.
10. English Translation of Ghazali's *Kitab Qawa'id al-'Aqa'id* with notes and Introduction.

[13] Mahmood Ahmad Ghazi, *The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1*(Islamabad: Islamic Research Institute, 1998), contents.

[14] ____________________, p. i.

[15] ____________________, p. ix.

[16] ____________________, pp.6-8.

[17] Adapted from: Mahmood Ahmad Ghazi, *The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1* (Islamabad: Islamic Research Institute, 1998), pp.3-5.

[18] ____________________, pp. 6-8.

[19] ____________________, pp. 9-13.

[20] ____________________, pp. 15-22.

[21] ____________________, pp. 23-25.

[22] ____________________, pp. 33-55.

[23] ____________________, pp. 65-115.

[24] ____________________, pp. 135-154.

[25] ____________________, pp. 167-489.

[26] In the old versions of English and American dictionaries, the meaning of the word 'Mecca' is a 'pub' or 'bar' which serves alcoholic drinks and food to the customers. In new versions, this meaning as been changed as, 'a place that is an important center for a particular activity or that is visited by a great many people'. Also see, Microsoft® Encarta® 2009. © 1993-2008 Microsoft Corporation.

Traditional Islamic Education and Its Relevance Today

By: Dr. Mahmood Ahmad Ghazi

* **Sumia Aziz**

(Following is a text of an esteemed talk by the late Dr. Mahmood Ahmed Ghazi on a very denoting topic of history and relevance of traditional Islamic education in the Sub continent)

Assalmo'alikum Warahmatullah: Bismillah Al Rahmaan Al Raheem. Nahmaduhu wa nussali al'a rasulihil kareem!

My drear brothers and sisters! First of all I must express my deep sense of gratitude to the organizers of this conference who have given me the honor of sharing some of my humble thoughts and ideas with them about the traditional Islamic education, imparted in, what is known now throughout the world as the *Madrasah* in the sub continent. *Madrasah* has become a subject of heated discussion throughout the Modern world, both in the East as well as in the West. It is discussed positively & negatively by the friend and the foe alike. The Western media is painting the *Madrasah in* a

---

* *Lecturer*, Department of Tafseer & Quranic Sciences, Faculty of Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad.

different way, which is different from the reality and the portrayal of the *Madrasah* in the western media and the press has almost ignored or painted black the positive contribution of the *Madrasah* throughout Muslim history.

Madrasah literally means "The place of education or the place of teaching". The institution had come into existence in the earliest centuries of Islam and represented the world wide Muslim contribution to the advancement of knowledge, to the advancement of Science and wisdom, in different parts of the world. The *Madrasah* upheld the unique idea of the unity of knowledge and the unity of education for the first time. For the first time in the history of human thought and knowledge, it was the Madrasah and those associated with the Madrasah who came forward with an integrated concept of knowledge, where reason and revelation were integrated together as a whole, where the traditional religious knowledge was dovetailed with the latest human discoveries as intellectual achievements, where the so-called rational sciences, inherited from the Greeks were phrased and coached in such a way that eventually at the end of the day, they turned out to be the servants of the fundamental and perennial principles of Islam. Men like Abu Nasr Al Faarabi, the second teacher, as he was hailed by the Muslims because of his contribution to logic and systematization of Muslim philosophical thought in the third

and fourth centuries of *Hijrah.* The men like him came out with the first serious intellectual effort, not merely in the history of Muslim thought but in the history of human thought in general, to integrate the revelation with reason and to come out with a consistent presentation and approach to knowledge as a whole, where the knowledge based on revelation and the knowledge based on human observation and intellectual activity were closely integrated in a systematized and consistent way. How far people like Al Faarabi and his contemporaries were successful in that effort may be debatable, but no one can deny the fact that to people like him goes the credit of laying the foundation of an effort whereby the Madrasah became the hallmark of an integrated knowledge and the unity of reality represented in Muslim academia and the Madrasah.

This tradition which was initiated, not by Al Faarabi and his contemporaries but much earlier by the companions, and the followers and the followers of the followers i.e *Taabieen* and *Atba'a al Tabieen,* continued for more than eleven hundred years. During that eleven hundred years, knowledge as advocated by Muslim scholars and it was said and promoted and imparted in the Madrasah, represented an unparallel unity of human thought and unity of knowledge. It was under one roof that the scientists got training, that renowned physician like Ibn Sina got his

education, which produced the Muhaddith , the Mufassir, the Faqeeh, the scholar, the philosopher and so on and so forth. The greatest religious genius produced by Muslim India, to quote Allamah Iqbal was the product of the Madrasah. Iqbal has declared Sheikh Ahmad sir Hindi to be the greatest Muslim genius produced by India. He and Sa'ad Ullah Khan, the Prime Minister of the most successful and leading Muslim empires, The Mughal Empire, that is comprised of today's Afghanistan, Pakistan, Kashmir, India, Nepal, Bangladesh, Burma and some parts of Sri Lanka. He was the Prime Minister of this vast area, and not for a very short time, but for several decades. Ustatadh Ahmad Me'amaar , the founder and the builder of one of the seven marvels *of the Earth, the Taj Mahal, these three gentlemen were the class fellows.s They were* trained and educated in one and the same Madrasah. To give the example of how the Islamic tradition of the unity of knowledge manifested itself in a variety of human achievements and intellectual perfection. The highest of the highest in the area of art and construction and architecture, the highest of the highest in India in the field of intellectual and religious thought and highest of the highest in the field of administration and management were the products of the Madrasah.

The educational tradition in Muslim India had passed through different stages and acquired different dimensions

in course of history. There was a time when the Muslim administration in the sub-continent was confined to what today is known as Pakistan, the Sindh valley, the Multan and the areas surrounding this valley. This was the Arab period in the Muslim history of the Sub continent where the traditions of the Muslims of India were derived from the Arab centers of knowledge. Kufa, Basra, Baghdad, Damascus, Mecca and Medinah were the centers of excellence where the scholars from the Sub continent received higher education and acquired higher standards in their respective specializations. There are a host of scholars produced by Sindh and Multan, whose contribution was acknowledged by the scholars of the Middle East, Iraq, Arabia and Syria in the fields of Fiqh, Seerah, Hadith, Arabic literature and so on and so forth. The best collection of selected Arabic poetry, the *Hamasah* includes passages and poems from the persons belonging to Sindh, Abul Ata'a Al Sindhi is one such poet whose verses have been recorded by Abu Tammam in this well known collection of the selected Arabic poetry, which shows that the level of Arabic understanding and the use of Arabic as the *Lingua franca* had reached such a degree that it could produce a poet of the stature of Abul Ata'a Al Sindhi.

Abu Ma'asher Najeeh Al Sindhi, another example of the perfection in terms of academic tradition of the Arab world,

who is known for his contribution to the science of Seerah and Hadith. The examples are too numerous to be quoted. That period in the history of education in the Sub continent continued for about four centuries. The people coming from Central Asia and Afghanistan inherited it and with the establishment of the Sultanat of Delhi in the seventh century of Hijrah at the hands of Qutub uddin Aibak, gave rise to a new era of Islamic education in the Sub continent. Now the academic links with the Arab world were weakend in the beginning and finally almost came to an end. Central Asia were established will up the relations. Now the traditions were imported from Central Asia and Afghanistan, where much emphasis was laid on Fiqh, Usul and Arabic Language and Grammar. This was the time when the traditional, precise and concise texts in different disciplines were imported in to India and became the subjects of study and instructions in the Madrasahs then established in Delhi and different parts of the world.

In terms of dissemination of knowledge and the expansion of academic activity, this was the golden period of Islamic education in the history of India. When Ibn Batuta visited India in the seventh century of Hijrah, he noticed that in Delhi alone there were more than one thousand Madrasahs were higher learning and education was imparted. He noticed scholars from different parts of the world. He met

Sheikh Abdul Aziz Ardh Baili coming from Syria at the invitation of Muhammad Tughlaq to establish a seminary of Islamic teaching and learning. There were almost in every town, in every village Madrassahs imparting education not merely to the Muslims but also to the Hindus.

The Madrasah education was not merely confined to the Muslims. It was extended to Hindus, the Buddhists and others. Up till now according to Hindu traditions knowledge was confined to two different groups. Acquisition of religious knowledge was the monopoly of a class and worldly knowledge was confined to another class. The rest of the classes in Hindu society were denied to any access to knowledge. There were some classes, the down trodden ones who are not only denied but it was considered to be an act of crime and offense if anybody belonging to that class had any access to knowledge even without intention. He was punished with boiling lead to be poured into ear which had committed the mistake and offense of hearing and listening to knowledge. That was the law given by their divine books.

The Madrasah for the first time opened its doors for the Hindus, the Muslims, the Sikhs (the Sikhs were not there), the Janis and the Buddhists. Later on to the Sikhs, it was for the first time in the history of India that Hindus belonging to all classes they got education. They became masters of Persian language, the language of the court and

culture and the market. The Buddhists became experts in Persian and Islamic law. There were many Hindu scholars and the Buddhist scholars and other scholars who left an impact in different areas of knowledge and sciences because of the contribution of Madrassah. But there was a negative aspect of the Madrasah education starting from this period and that was the lack of interest or the dearth of interest in expansion of knowledge and in independent research and study. The knowledge was now by and large confined to the study of the text produced elsewhere in the Central Asian countries or in the Arab world. Those texts in Fiqh and jurisprudence, law, logic, philosophy, were imported into India and were adopted as the text books. The contribution of Indian Muslim scholars, which was big in terms of quantity but it was confined to the commentaries , explanations, marginal notes on the texts imported from either Central Asia or from the Arab world. Their contribution was marginal notes on the marginal notes on the marginal notes. There are examples of the books, when you open the book you will be amazed and be confused perhaps to find out how the book is to be consulted? On one page you will find tens or perhaps more texts at the same time, intermingled with each other. The original text, the commentary, the commentary of the commentary, the commentary of the commentary of the commentary,

marginal notes on the first commentary, marginal notes on the second commentary, marginal notes on the third commentary, marginal note on the marginal note. So, this was the area where scholars excelled and focused. This was undoubtedly an academic exercise; it was undoubtedly reflective of the deep mind and perceptive minds of the authors, but it confined their attention on the verbal hairsplitting about the text of the book. It did little service to the expansion of knowledge itself. It created a tendency of lack of growth in different Islamic sciences and disciplines. Whatever was achieved up to fifth or sixth century by earlier Muslim scholars, little contribution was made to it.

But if we forget this negative aspect and see the tendency of preparing the text, we face very interesting and marvelous examples. I do not have the book with me now, but I came across a text where a scholar prepared a text, a running text on one subject and then he divided the verse of the running text into certain columns and if the text was divided in accordance with columns in horizontal way, it represented a different text in a different subject. If the passage was read in column wise, first column represented a different text, second another text, third another text, fourth another text. There were seven texts in one passage to be culled and drawn from those very words and not merely that, three different languages were accommodated into one text. The

running text was Arabic, If you read in column one -for example- it was Persian, If you read in column four –for example- it was Turkish and so on and so forth.

This kind of jugglery –I may say- it may be reflective of genius and the perceptive mind and the mastery over the language and the subject of the scholar concerned but it contributed little to the expansion of knowledge as a whole and to the development of the different disciplines as a whole. This continued to be the tradition up to the fall of the sultant period and the downfall of the Lodhis at the hands of Hindus and then the Mughals. When the Mughals came to India and established themselves after Humayun, another tradition was introduced into Sub continent, the tradition of philosophy, logic as conceived and developed in Iran. Now the academic links of the Sub continent and the Madrasahs were established with Iran. Scholars from Iran were invited in big numbers. Thousands and thousands of Iranian scholars and men of letters came to India. Poets, philosophers, experts in logic and other subjects, they came to India and they introduced Philosophy and what was known as Ma'aqula'at or the rational sciences into the curricula of the Madrasah. From now onwards the Madrasah became the center of two different traditions, the tradition coming from Central Asia and Afghanistan emphasizing the Fiqh and Usul through text and concise text and text on the

text, and the second tradition of philosophy and rational sciences as conceived by Iranian scholars. That was the basic feature of Madrasah education during the Mughal period. There were various traditions in different cities of India. Two of them deserve special mention; one tradition took place in the city of Lucknow through an institution which is known as *Frangi Mehal*. *Frangi Mehal* was a big building allotted by Jahangir to a group of British traders, who were allowed to trade and to do business in India. They used to perform their activities through that building and the office situated there. During the days of Aurangzeb Alamgir there were complaints that they were not abiding by the instructions given to them by Jahangir. Aurangzeb took administrative action against them and took this building away from them and they were expelled from that building. The building was thus given to a group of Muslim scholars who had established a Madrasah there. Since the building belonged to the *Frangis* , it was popularly known as the *Frangi Mehal* or the castles of the westerners. The Madrasah also came to be known as Madrassah e *Farangi Mehal* , the Madrasah established in the castle of Frangis or the Fort of Frangis. This Madrasah was established by Maulana Nizamuddin Sahalwi; A contemporary scholar of Aurangzeb Alamgir, who had also presided over the academy compiling the *Fatawa Alamgiri* at the behest of Aurangzeb Almgir. He

was a great jurist and a Faqih and headed the two hundred membered committee of scholars who had compiled the *Fatawa Alamgiri.* He was given the charge of the building at the Madrassah and he established a Madrasah which created a big impact on the academia of the Sub continent with special emphasis of Fiqh and Usul. Unfortunately the Fiqh education also, Fiqh is the vibrant and living law of the Muslim, it represented the vibrant tradition of Islamic shariah, which is a guidance for all times and climbs to come and the Shariah is that law and that system which has always provided active guidance to the Muslims and enabled them to face any challenge posed to them in any period of their history. But unfortunately the educational Shariah in this Madrasah was not that of a vibrant and living academic tradition. It was also confined to certain texts which were prepared somewhere outside India, either in Central Asia or in Arab world and the ideas of the authors of those respective texts was to show their mastery as to how brief they can write a text. The briefer, the more popular. The more difficult, the more popular. The more difficult, the more profound it was considered. These texts were taught in the Madrasah *Farangi Mehal* . Students were required to memories those texts and to concentrate on the verbosity of the author and on the verbosity of the commentator. The Grammar was taught in that way, Fiqh was taught in that

way, Usul al Fiqh was taught in that way. Instead of Usul al Fiqh being taught as a tool to develop Fiqh and to deduct new principles of law, it was taught as a jugglery of words, concentrated on the text of a given author. So, also the Fiqh .

Therefore, in my humble assessment despite the great contribution made by the Madrasah *Farangi Mehal,* the impact on Fiqh and Usul al Fiqh in general was very limited. No new book was written on Usul al Fiqh and even if there were new books, no new idea was propounded; no expansion in the area of or the expense of Usul al Fiqh was added. This continued to be the tradition till the downfall of the Mughal Empire as far as the *Farangi Mehal Madrasah* is concerned.

The second tradition was that of Jaun Pur which was in the South of India, in the South of UP. It was considered to be *Shiraz e Hind,* The Shiraz of India. The tradition in Shiraz was confined mostly to philosophy and what was known as Ma'aqula'at or rational sciences. Shiraz of India i.e Jaun Pur produced some very competent and good scholars but their interests lay in philosophy and in rational sciences as conceived by Iran and as developed by Iranian scholars. Mullah Mehmood Jaun Puri is considered to be the most prominent figure in the history of Jaun Pur. He, according to few scholars was equal to Shah Waliullah. According to some other scholars he was equal to Sheikh Ahmad Sir Hindi in terms of his intellectual competence and profundity of his

knowledge but, his greatness was confined to the writing of a philosophical text which was a condensation, a summarization of philosophical discussions and ideas which were prevalent and popular in Iran. That was the tradition of Jaun Pur.

When Shah Waliullah returned from Arabia, after some fifteen months stay there, he introduced some amendments or improvements in these educational systems. He deleted the excessive introduction of philosophy. He also dismissed the excessive use of texts and jugglery of words. He also dismissed the excessive use of the texts and commentaries and marginal notes of the books of Grammar. He developed a very simple and a new curriculam which was originally introduced by his father; Shah Abdul Rahim. Shah Waliullah has given the details of that curriculum in his own small autobiography known as *'Al juz al Latif fe tarjumat al abd al Dhae'ef'*, in which he has given the details of that syllabus which he had studied under the supervision of his father with his own comments on different aspects and texts included in that syllabus. Up till now, neither in the syllabus of *Farangi Mehal* nor in the syllabus of Jaun Pur , nor in the syllabus of many other institutions and Madrasahs, the Qur'an and Hadith was given any special significance. The education was to some extent general and included a large number of subjects. According to an estimation of a scholar

some fifty six subjects were taught under one roof and under one system. The idea was to introduce a student with the latest development of knowledge through brief texts which he was required to memorize so that he should get the key to the basic issues for different sciences and disciplines. It included Medicine, it included Mathematics, Geometry and similar other subjects which were represented by one or two brief texts as developed by scholars in Iran Central Asia or in the Arab world.

Shah Waliullah noticed that this syllabus was not fit to produce a competent and profound Islamic scholar of the caliber Shah Waliullah conceived. He emphasized the study of Qur'an, the Hadith and the philosophy of the Shariah as against the Greek philosophy introduced in other in institutes. Shah Waliullah wrote the several texts which were introduced into his syllabus. The translation of the Qur'an was made compulsory. The textual study of Hadith through Mua'taa Imam Malik and its commentaries were considered to be compulsory and the excessive emphasis on the text was reduced. This was the first introduction in the history of mankind, in the history of Sub continent, in the Northern part of India where a serious and concerted effort was made to re -structure the syllabus on the foundations of the Qur'an, the Sunnah and the Seerah of Prophet (SAWW).

Earlier, a similar exercise was made by Sheikh Abdul Haq Muhaddith al Dehlawi, where also some books of Seerah and Hadith were introduced but, soon after the demise of Sheikh Abdul Haq, the reforms introduced by Sheikh Abdul Haq were abandoned by the academia in the Sub continent. And soon the situation, which was earlier revived and people started following the same early traditions. This was the situation when the Mughal Empire collapsed. The tradition of *Farangi Mehal* continued to be the same. The tradition in the East of Sub continent continued to be on the pattern of Jaun Pur and some Madrasahs in Delhi, in Lukhnow, in Thatha and in some other cities of the Sub continent -numbering around six or seven- they tried to introduce and implement the syllabus developed by Shah Waliullah of Delhi with emphasis on the understanding of Qur'an and the study of the text the Ahadith.

When, by the middle of the eighteenth century, 1760's or 17 late 50's, the British east India Company occupied Bengal, Bihar and Orissa and a threat was felt by the Mughal Empire, Shah Alam –the second perhaps- that the rising time of East India Company would over run the entire Sub continent, he decided to take some action and then finally, instead of facing the tide by military power or force he decided to reconcile with the rising power and to acknowledge their authority to three provinces. A charter

was issued by the Mughal Emperor to East India Company granting them the authority and permission to revenue collection, to civil administration and to some other civil matters.

This was virtually the legal downfall of the Mughal Empire. They surrendered three major provinces of their empire -The richest provinces of those days- Bengal in those days, was the richest of resources province of Mughal Empire. All the expenses of the campaigns under taken by Aurangzeb were financed by the revenue of Bengal. The main stay of the Mughal Empire was on the revenue collected from Bengal. This province of rich resources was handed down to East India Company and the Mughal Empire abdicated the administration of these three provinces, Bengal, Bihar and Orissa in favor of the Britishers.

But in the agreement, which was signed at the time of abdication – They did not call it an abdication, but it was virtually an abdication – It was provided that as far as the Muslims were concerned, their matters would continue to be decided in terms of Islamic Shariah through courts manned by Muslim judges , *Qadhis* and *Muftis*. The British East India Company agreed to this provision and established courts in different parts of the three provinces. When the East India Company came forward and captured UP and other provinces surrounding Delhi and finally entered Delhi in

1806, the same agreement awarding the diwani to the company was extended to the other provinces and the East India Company was given the authority or formal permission to rule India on behalf of the Mughal Emperor. In those days, when a public announcement was made the legal position was retreated in these words:

"The creature belongs to the All Mighty, Creation belongs to the All Mighty, The kingdom belongs to the king, but the orders or the commandments belong to the *Bahadur* Company."

The company, in the beginning tried at least to show to the Muslims that it was sticking to the agreement and was establishing the Islamic courts. They did establish Muslim courts, did appoint Muslim *Qadhis*, judges and *Muftis* to these courts and in order to facilitate the appointment they decided that they would select the *Qadhis* from the graduates of either *Frangi Mehal* or those who have graduated under *Dars e Nizami*. Frankly speaking they had been very methodological people. They are still very methodological and whenever they do something good or bad they do it lawfully and methodologically. They decided the law first, they provide a seminary provisions, they developed a methodology and then they do things –whether good or bad- So, they also decided to do it under a law, under a methodology, the methodology required that the graduates of

Dars e Nizami should be appointed as *Qadhis* and *Muftis* . The books of Fiqh Hanafi would be the source material for judges. Hidayah was got translated into English. Fatawa Alamgiri was also summarized into English and some basic texts of Fiqh Hanafi were got translated into English by different British scholars. This was to facilitate the East India Company and its officers to know the legal positions on different issues according to the Hanafi Fiqh.

This made the Dars e Nizami popular throughout the India because it provided the job opportunities to the graduates; it offered higher salaries to the graduates. Those who were employed by others were paid little and less. The Company paid them higher prices and higher salary. That was the cause and the time when the Dars e Nizami became very popular and was known as Dare e Nizami as said in those days.

From now onwards, that is after 1761, Dars e Nizami became gradually more and more popular in parts of India. The Madrasahs started adopting Dars e Nizami as the curriculum for their instructions but, with the rise of British the number of Madrasahs started diminishing for a variety of reasons. There was a very significant Madrasah which was left and continued for a very longer time was known as the *Madrasah Ghaziuddin.* It was know later as "Delhi College". This Delhi College was taken over by the East India

Company after their capture of Delhi and they introduced a new curriculum in that college and appointed some of the leading Islamic scholars in that college. One such scholar was Maulana Mamluk Ali, who was father of Maulana Muhammad Yaqub Nanotvi , the first *Sadr Mudarris* or the Chief Professor in Darul Ulum of Deoband. He was also a teacher scholar like Maulana Muhammad Qasim Nanotvi and Maulana Rasheed Ahmad Gangohi. All these three gentlemen were the graduates of *Madrasah Ghaziuddin* or Delhi College as it was known later.

After the down fall of the Mughal Empire and the total collapse of Mughal throne in 1857, East India Company abolished all the Madrasahs, It abolished Auqaf and it also back tracked the agreement which was made with Shah Alam in 1765. Now there were no more Muslim courts, There was no more the implementation of Shariah, no more Qadhis, Muftis. Everything was wound up. The Madrasahs were deprived of the revenue of Auqaf as well as the revenue of grants being given by the Central government or the Provincial governments in different parts of India or the Muslim Principalities in the different areas and there was a crisis of running the Madrasahs and maintaining any remnant of Islamic education.

Under this situation, Maulana Qasin Nanotvi , Maulana Rasheed Gangohi, Haji Muhammad Abid Husain and some

other persons, they took the initiative and decided to establish a Madrassah in Deoband, to retain whatever could be retained of the Islamic education ad Islamic tradition in the wake of abolition of all Islamic institutions in India and the abolition of remnants of Islamic education. They were trained in a certain tradition. They adopted for Dars e Nizami so they also adopted Dars e Nizami as the curriculum of the Madrassah with two important modifications. In the beginning it was decided and it was on the insistence of Maulana Rasheed Ahmad Gagohi that no book of *Mantaq* or logic and philosophy should be taught. He was of the view that the challenge now or the question now is to retain whatever Islamic education could be retained, therefore according to him the emphasis should be on Qur'an, Hadith, Fiqh and Usul al Fiqh and Arabic language, it was needed to study these subjects. There was no need –according to him- to study philosophy, logic and other subjects. So in the beginning the modified Dars e Nizami as was adopted by Darul Ulum Deoband, did not include *Mantaq*, philosophy and other subjects.

The second important modification was the introduction of Hadith at the end of Dars e Nizami. One additional year was added with a concentrated study of Hadith which has also gone some changes and modifications. During the long history of almost ninety years of Darul Ulum Deoband upto

1947, a large number of changes were introduced. Later on some books of Philosophy were added, some books of logic were also added, and some books of Hadith were also added. Later on Al Tahavi was added, Mua'taa Imam Malik was added, Mishkaat was added and Mua'taa Imam Muhammad was added. Four, five, six books on Hadith were added. Much later the translation of the text of the Qur'an was added which started from class two or class three perhaps and continued till the end. This covered the entire Qur'an as subject. Some texts on the principles of interpretation were also added. Shah Waliullah's brief text on the philosophy of *tafsir* and the principles of the interpretation of the Qur'an , *Al fauz al kabeer* was also introduced.

These modifications were made later at different intervals. In the beginning of the twentieth century, perhaps in 1913 or 1912 the masterpiece of Shah Waliullah of Delhi, *Hujjat Allah al baligha* was also introduced as a complimentary text. It was taught to a group of selected scholars who had already graduated from Darul Ulum.

That is how the Dars e Nizami had come down to us. During the British days from 1867 when Darul Ulum Deoband was established up to 1947 when India became independent there were two main purposes of running the Darul Ulum and other similar institutions whose number was around

one hundred or more in different parts of India. The objectives were two:

1. To provide and produce Imams and Khateebs in different mosques.
2. To produce teachers and professors for Darul Ulum and similar other Madrasahs.

These two were the main objectives of the eastablishemt of Darul Ulum . After the independence, particularly in Pakistan and now in Bangladesh the objectives of Madaaris should have been reviewed and revised. Now as independent Muslim countries Pakistan and Bangladesh particularly and India to a large extent have some wider objectives to be fulfilled by the Madrasah and by the Dars. Whether it is Dras e Nizami in its original form or the form amended, we require Imams, we require teachers to teach different subjects and disciplines in the Madrasahas whose number is now in thousands as against around the one hundred in the beginning of twentieth century. Now the number odf Madrasahas in Pakistan, India and Bangladesh is around fifty thousand Madrasahs or might be more and the number of students is now in Millions. So the requirement is increasing undoubtedly. The provision of teachers in the Madrasahas is a very important requirement, but beyond these requirements we have three other requirements.

We require teachers to teach Islamic Studies in the main stream schools and colleges where in Pakistan Islamic Studies is a compulsory subject and we have around half a million secondary schools in Pakistan and tens of thousands of colleges and now hundreds of universities. In all these institutions Islamic Studies is a compulsory subject which is taught in every institution. Therefore every institution requires a teacher of Islamic Studies at various levels.

Then, we require senior scholars, professors and guides, renowned jurists to guide the nation in terms of general guidance about the challenges being faced by the Muslim Ummah. Then we require Fuqha , and experts in Islamic Economics to change Pakistan or to facilitate that change and shift over from the present system ito an Islamic compatible or shariah compatibles system that requires another category of scholars.

My humble opinion is that the present Madrasahas can cater for the needs as far as the first two objectives are concerned. The graduates of a Madrasah can serve to some extent as good Imams and khateebs and they can also serve as good teachers in different Madrasahs. Although, I personally feel that in order to become a good Imam some of the courses being taught to a graduate of the Madrassah are not needed for the Imam. An Imam leading prayers in Karachi, Islamabad, Lahore, Dhaka, Chat gang, Delhi or Mumbai

does not require Mabzi or Hidayatul hikmat or Sharah hidayatul hikmat. He does not require the verbal hairsplitting of the commentaries and the marginal notes of sharah Jami. We in the Sub continent, particularly in the province of NWFP (KPK), there is much emphasis on the commentaries of kaafiyah and the commentaries of the commentaries and the commentaries of the commentaries of the commentaries. A student reads Kaafiyah . Kaafiayh is a text of Arabic grammar. Those who read Kaafiyah they never know Arabic grammar. Take it from me. Many of them, ninety nine percent of them are unable to write a sentence of correct Arabic. They are not able to speak a sentence in correct Arabic. That is the level of their mastery of the grammar through Kaafiyah. The kaafiyah is read, the aafiyah studied in such a way that the first line of Kaafiyah is discussed for three weeks without any relevance to Arabic grammar. The poor author of Kaafiyah did not write in the beginning "Bismillah Al Rahmaan Al Raheem! Alhamdulillah .." The first question why the author did not write the Bismillah? Then the scholars come out with imaginations of his own and then the possibilities, the intellectual hairsplitting which has nothing to do with Arabic grammar and the poor student hardly knows anything about the grammar up to that stage. Then he starts Sharh Jami which is a commentary on Kaafiyah. Then there is a marginal note

on Sharh Jami which is known as Tahreer e Sumbhat , then Tahreer e Sumbhat has a marginal note know as Sawaleh kabuli. Then there is a marginal note on Saweleh Kabuli, known as Saweleh Basuli. All this is taught in the Madrassahs in the Frontier province and despite the fact that they spend tens of years on the study of these texts they are unable to write a single sentence in Arabic. What is the use of that? And even if there is a use, I do not deny that, but an Imam does not need that. The people offering their prayer with Imam they do not ask these questions. It is wastage of time for the Imam and for the Madrassah. It is the wastage of resources to teach a prospective Imam, a future Imam these subjects which he never needs. On the other hand he needs problems of day to day life. People ask him about Bank interest, People ask him about mortgage here in England, People ask him about leasing, and People ask him about sale and purchase of shares. The poor Imam does not know anything about these because he is never taught these things.

So what I feel that even for an Imam the Dars e Nizami is not sufficient. It requires some purging, some additions of new subjects. As far as the teachers of Dars e Nizami are concerned and for those who are going to teach these very books, they can teach (study) these books or at least some of them can teach these books, but for those who are going to

teach Islamic Studies to a young boy studying O' and A' Levels, the graduates of Madrassah are hardly suitable. They are hardly qualified to teach Islamic studies to a school where the boys are studying at O' or A' Levels. They require something additional.

Those who are called upon to examine –for example- in Pakistan there is a move now to have a Shariah compatible Banking. The state Bank of Pakistan has laid down a legal framework for the Banks in Pakistan who want to operate in Islamic Framework and to develop Shariah compatible moods. The State Bank of Pakistan requires that there should be a Shariah advisor in each Bank or non banking financial institution which desires to opt for Shariah compatible moods and instruments. They have established a Shariah board at the country level. That Shariah board lays down the principles and policies to be implemented and to be observed by other banks. This has the authority of the State Bank of Pakistan. This board has required all banks that every bank should appoint a Shariah advisor to assist the bank and to ensure that the instruments and the products developed by the Bank are Shariah compatible.

We, in the beginning decided that we should require that a Shariah advisor should be a graduate of Dars e Nizami and Darul Ulum and should have some knowledge of English and Banking. After three moths the Banks complained that they

did not find a single – and I can underline this statement – that the Banks complained after three months that they did not find a single, individual Islamic scholar with the degree of Dars e Nizami and with some knowledge of English and with some understanding of Banking problems and issues. They came to the board again to review and revise that criterion and now the board is revising the criteria, in order to accommodate such expertise which may be available in the country to be provided to the Banks. This shows that the graduates of the Dars e Nizami in their present makeup are not adequate. They do not have the adequate expertise to provide guidance to the institutions, to the governments, to the bodies engaged in the islamization of laws and institutions. In Bangladesh a big Islamic Bank is working and that Islamic bank is one of the most successful Islamic Banks in the modern world. If it requires a group of Islamic scholars and asks the Madrasahas, I do not think that the traditional Madrasahs would be able to provide the required expertise.

Then comes the higher level challenges being faced by the Muslim Ummah. Some ten years back Huntington had written a book 'The clash of civilizations'. Suppose an Islamic scholar is required or called upon to write a rejoinder to 'The clash of civilizations', how many graduates or is there a single graduate of Dars e Nizami in the Sub continent from

Karachi to Raskumari and from Khyber to Chat gang to come out with an answer to that book? I am afraid we do not have any. My submission is that the future of Islam and Muslims in the Sub continent requires that our Islamic education should be reviewed and restructured to accommodate the needs of these five categories.

First of all, we should have a course of two, three or four years after Matriculation for the production of a good Imam. If a person has a matriculation certificate from the mainstream institutions and is also a Hafiz and with Tajweed, he can be taught some Arabic in three years, the text of the Qur'an may be taught to him with translation , one or two commentaries, one in Udru or Bengla and one in Arabic, some selections of the Hadith books , for example, this Ma'arif al Hadith by Maulana Manzoor Nomani or Tarjuman al Sunnah by Maulana Badr e Alam and one Arabic collection like Mishkaat or some other collection and one or two books of Usul al Fiqh and two, three books on Fiqh, selected good books , one earlier books like Hidayah and one modern book like 'Al fiqh al hanafi wa adiilatahu' and some books on the modern expositions to Islam dealing with Economic legal and jurisprudential, constitutional matters & issues, dealing with International law and so on and so forth. So that an Imam is to some extent (becomes) competent to give answers to the questions post to him on

different issues . This kind of syllabus can be offered within a period of three years after matriculation. After these three year's elementary Islamic education which would be equal to intermediate or A' Level, there may be another course of two, three or four years for those who want to serve as teachers of Islamic Studies in schools or colleges with some additional subjects to these and some exposure to the issues which are confronted by the Muslim Ummah now. Then comes the traditional Dars e Nizami for those who want to teach in these Madrasahas, even for them Dars e Nizami is to be modified. Some unnecessary books which have been proved to be inadequate or ineffective, they may be replaced by the new books at least in the field of Grammar, *Surf* and *Nahav* , and instead of concentrating on the old rational Sciences Ma'aqulaat , some books on new philosophies and modern western thought will have to be added. There are books available in Arabic and Urdu on the good exposition of the modern western thought with some critical appreciation and understanding. These may be taught to the teachers of future Darul Ulums, so that they may have an idea of the world in which they are living and the idea of the challenges facing the Muslim Ummah.

Then, we would like to have a higher Islamic syllabus for those Islamic scholars who are required to guide the Ummah, to lead the Muslim Ummah in terms of their

international career, in terms of reintroducing of their institutions and law, in terms of rewriting the new systems and new institutions for the future of the Muslim Ummah.

This is, in my humble view, the future need of Islamic education. Fortunately there is an understanding and awareness in different parts of Muslim Ummah in the world about the present and future needs. A large number of institutions, run by both traditional ulema ad by those who combine the two streams and by modern Islamic scholars, are being established. In Bangladesh, I would mention two leading institutions, The International Islamic University established in Chittagong, which seeks to integrate the Islamic knowledge with the contemporary knowledge and to produce an Islamic scholar with a balanced approach with a deep and profound Islamic understanding and a rich exposure to modern knowledge.

There is another institution known as 'Dar al Ehsaan University', established by a very profound Islamic philosopher of twentieth century, Late Professor Syed Ali Ashraf. He had a very clear and perceptive idea of the needs of Muslim Ummah in future and it was under his ideas and messages that the university came in to being.

In addition to these two leading institutions, there are smaller institutions established by some Ulama. Last year, I had an opportunity to visit an institution in Dhaka, where

the graduates of Madrasahs are admitted for a course of three to four years and they are taught at a specialized level, Fiqh in comparison with modern law, Hadith in comparison with modern writings and so on and so forth. This was an acknowledgement by the Ulama themselves that a new approach is required and a new dimension is to be adopted for the future of Islamic scholarship.

In Pakistan also you might have heard about the International Islamic University, which is operating for similar objectives and which has been adopted by the International Islamic University in Chittagong and Dar al Ehsaan University in Dhaka. In Malaysia, in Egypt and in several other countries. Such institutions are coming up but the time is very short in our disposal and unfortunately the Ulama are taking a very long time unnecessarily to proceed in that direction. They should realize – I may submit – the urgency of this task and the colossal challenge being faced by the Muslim Ummah. If they delay in shifting over to the new paradigm, they will be relegated to the background with the passage of time.

The change and the challenge are very big. The enormity of the challenge and the danger ca not be over emphasized, it is known to everybody. I conclude with a line from a Persian poet , this is addressed to the Ulama – I am sorry if some of you do not follow the Persian- The poet says:

Raftum ke khaar az pa kashum

Mehmal nehan shud az nazar

Yek lehza ghafil ghashtum

Sad sala raahum door shud

He is explaining the situation where he is following the caravan of the beloved. The beloved is being carried away and the camel is back and the poor lover is on foot and he is running behind the camel barefooted. That is the situation. He says 'My foot has caught a thorn and I stopped for a moment to take out the thorn from my feet and with in that moment the caravan disappeared from my eyes. The absence was for a single moment but the distance created is that of hundred years.

So, if we have been victim of forgetfulness for one moment, the disappearance or the distance of the caravan would be of the distance of one hundred years,

Wassalalm Alikum Wa rahmatulla Wa barakatuh ..

My Brother

Mahmood Ahmad Ghazi

***Muhammd Al-Ghazali**

My brother, Dr. Mahmood A. Ghazi (May Allah reward him by His Infinite Grace) has been my role-model, teacher, mentor, benefactor and the most sincere friend. The memories of time spent with him are the most precious thing in my life. He memorized the Qur'an in early childhood, in this age, he greatly inspired by our paternal grandmother, who had a deep understanding of Islam, particularly its early history. She was an embodiment of love and affection, wisdom and a sincerity. The impact of our grandmother was very strong on his personality.

In 1960 he admitted to *Madrasa 'Arabiyya Islamiyya* established by Mawlana Muhammad Yusuf Binnouri until 1964. Being student of *Ustadh* Muhammad Yasuf 'Atiyya he acquired an exceptional proficiency in Arabic language which was the backbone of his academic life. After shifting to Islamabad, he completed courses in *Dars-i-Nizami* at *Dar al-'Ulum Ta'lim al- Qur'an* in 1967. Among leading contemporary figures of Islamic thought, he was greatly fascinated with the poetry of Iqbal and writings of Mawlana Maududi. He benefited tremendously from the company of Mawlana Abdul-Quddus Hashimi & Zafar Ahmad Ansari. My brother was chosen by Maulana Ansari for presenting the Islamic point of view with regard to the Qadiani problem before the South African Supreme Court in 1987. He was also associated with the national commission on the Islamization of the Constitution setup in the early 1980s. He developed unusual skills in comprehending and resolving

---

Professor, IRI, IIU, Islamabad

complex problems in the spheres of law, constitution and judiciary.

In his later life he was mostly influenced by several prominent personalities from Pakistan and outside included Dr. Muhammad Hamidullah, Dr. Ihsan Haqqi, Dr. Mustafa al-Zarqa', Mr. A.K. Brohi, Justice Shaikh Aftab Husain & Dr. S.M. Zaman.

He has been the Editor of *Fikr-o-Nazar* & *Al-Dirasat Islamiyyah.* He secured his Ph.D. Degree from Punjab University. Due to internal politics & rivalry, he has to submit two theses in the same university to obtain the degree. Rivalries, jealousies and conspiracies constantly came across him by hostile elements throughout his career & till the last hours of his earthly life but he always treated such individuals with kindness and courtesy. He earned honour and respect in the scholarly and learned Muslim community worldwide. He was invited to assume the highest offices & received several honours in this country and abroad; without any initiative or effort on his part. Challenging positions such as Federal Minister, Judge of the superior courts, Member of the National Security Council and President of the International Islamic University did not effect his academic activities & he kept rendering service to the cause of Islamic education and academia till the last breath of his life.

Dr. Mehmood Ahmad Ghazi and salient features of his style and thinking in the light of his publications in Arabic

*** Dr. Fazlullah,**

The article sheds light on the life of Dr. Mehmood Ahmad Ghazi in brief describing his birth, his academic and ideological life, in addition to the posts he worked on. The article then discussed his publications on different topics in different languages such as Arabic, Urdu and English. The article pointed d to the moral character of Dr. Mehmood as it pointed to his profound thought, excellent writing rhetoric style his efforts, piety and above all his steadfast relationship with the Holy Quran and his love with the Holy Prophet (P.M.U.H).

The article discussed the features of the style of Dr. Mehmood Ahmad Ghazi exploring that he had command over language. That is why his style was grand not having any type of complications embellished with similes, metaphors, proverbs and metonymies. He attached very much importance to the context of situation, taking care of the audience. Similarly, the impact of Quran and the Sunnah is very clear in his writings. Althogh repetition is found in his writings & speech there is rhetoric rationale behind it.

The article tried to discuss the thought of Dr. Ghazi briefly, because the topic is vast. So the most important of his preference have been discussed first. They are as follows:-

1. Combination between legacy and contemporariness.
2. Mildness
3. Islamization of Islamic sciences and improvement of the methodologies.

* Associate Professor, Faculty of Arabic, IIU, Islamabad

4. Refutation of the western civilization and its philosophy.

Encompassing all the thoughts of Dr. Ghazi is very difficult because he was a very genius person having intelligence and the sense of revival. He was a philosophers in both Islamic and social sciences, fulfilling the requirements of ijtihad. He also had knowledge of new topics such as globalization, apprehending the dangers of the Christian missionaries. He attached importance to the problem of Muslims and the challenges they face. He knew better the foundations of western civilization and the plight of Muslim community. He felt the need for Muslims to shoulder the responsibility in this critical time. His approach was objective. He studied the situation first and then suggested appropriate solutions. He was a critique of western civilization and culture.

The scholarly efforts of
Dr. Mahmood Ahmed Ghazi
Study through his book
"International Islamic Law"

*** Dr. Mohammad Ali Ghory**

It has been consistent practice in universities and cultural centers in the Indian sub-continent to arrange series of lectures on the various subjects, for example series of lectures delivered by the philosopher Muhammad Iqbal, Sheikh Suleiman Nadwi, Mohamed Marmadjok in Bacthal city and others.

Bahawalpure University adopted this tradition in the starting with lectures delivered by Dr. Muhammad Hamidullah in the subject of biography of the holy Prophet (pease be upon him), and after fifteen years Dr. Mahmood Ahmed Ghazi delivered the second series of lectures in the same university on the International Islamic law, in which he reviewed all aspects of this subject, comparing the Islamic law with other manmade laws and this is distinguishing feature of this series. Dr. Mahmood Ahmed Ghazi wrote more

---

Assistant Professor, Department of Arabic, International Islamic University, Islamabad.

than thirty books in Arabic, English and Urdu languages on intellectual and legislative, political and Islamic economical, educational, historical, biographical issues, especially in the field of jurisprudence and law, and his book "The International Islamic Law" is a series of lectures delivered in 1995 at the mentioned university, and published in 2007 by Sharia Academy, International Islamic University, Islamabad.

Topics of this book which is called "Khutbat Bahawalpure" are:

- First speech: General introduction of Islamic law.
- Second speech: Introduction of International Islamic law.
- Third speech: International Islamic Law: a Comparative study.
- Fourth speech: International Islamic Law: a Historical study.
- Fifth speech: Islamic concept of the government from the international perspective.
- Sixth speech: Migration and its philosophy in the light of international relations.
- Seventh speech: Islamic government and its relationship to non-Muslims.
- Eighth speech: The law of war and its position in Islam.
- Ninth speech: Concept of neutrality in Islam.

- Tenth speech: Private International Law in Islam.
- Eleventh speech: Importance of international law in the modern era.
- Twelfth speech: Muslim minorities in modern secular states.

In the first nine lectures, Dr. Ghazi focused on General international law, and in the tenth lecture he spoke about the private international law by pointing towards its basis in Islam comparing with the manmade laws in the past and present.

The subject of the last two lectures - the eleventh and twelfth – is different from previous lectures. In these two lectures Dr. Ghazi spoke about the importance of both General International Islamic Law and Private International Islamic Law in the modern era.

According to Dr Ghazi we are all responsible for what we are suffering from; rulers and subjects, groups and individuals, and he believes that the distribution of the Islamic nation into teams and groups does not prevent the implementation of Islamic law, on the contrary the implementation of Islamic law will reduces the distance between people, and will work for the unity the Islamic community.

Dr. Mahmood Ahmad Ghazi

* **Dr. Asmat ullah**

The article attempts to analyze the views and the works of Dr. Mahmood Ahmad Ghazi, one of the most influncal intellectual, scholar and the academican of Islamic world of recent times. Initially trained in the local traditional religious institutions (madrahs) Dr. Ghazi acquired the modern education in the social sciences and became a personality balancing the both Islamic and Western traditions.

This article begins with exploring the important personalites who had played an important role - either through teaching or training – for shaping the persoanlity of Dr. Ghazi.

Perhaps, the most important aspect of Dr. Ghazi's personality is his works on the Islamic Law and Jurisprudence. He has produced at least a baker's dozen books in the field ranging from International Islamic Law, legislation of Islamic Texts and the history of Islamic legal thought. His endeavor for the implementation of Islamic law is also admiring and impersive. As an academican he led the International Islamic University, Islamabad, as jurist he presented many works on the Islamic law legistlation, as judge he worked in the Federal Shariat Court, as a reseracher he prodcued a plethara of works covering Islamic law, Quran, Hadith and its sciences, Sirah, Economic, Political Science etc. He is truly a role model for those who faithfully want to promote Islam and its Sciences not only in the Muslim Societies but to the whole world.

* . Assistant Prof. Islami Research Institute I.I.U. Islamabad

Traditional Islamic Education and Its Relevance Today

* **Dr. Mahmood Ahmad Ghazi**

For a long period of time now, the dichotomy in the education of Muslims in Subcontinent has put them at an immense detriment. On one hand, the *Madaaris* teach traditional Islamic education, primarily focusing on the core values of classical Islam and, on the other hand the mainstream educational institutions underscoring modern education, largely lack in Islamic value based mode of knowledge, thereby depriving their students of competence and skills of Islam. The late Dr. Mahmood Ahmad Ghazi had a unique scholarly background where he tasted the both sides of the divide (traditional Islamic and contemporary modernized education). Being well acquainted with the motives and requirements of both, he always played a vital role in trying to establish a harmonious alliance between the two .The following lecture, delivered in United Kingdom is a momentous part of the same series where not only he divulged the illuminated history of the beacons of traditional Islamic education in Subcontinent but also put forward some very invaluable and exquisite recommendations for the improvement and upward mobility of *Madaaris* in Subcontinent.

---

* *Lecture* delivered by Dr. M.A. Ghazi and edits by Miss Samina Aziz, Lecturer in Quranic Sciences, Faculty of Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad.

The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol.1 by Mahmood Ahmad Ghazi: A Reading

* **Dr. Muhammad Junaid Nadvi**

This article is a reading of the book "The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1", translated in English language by Dr. Mahmood Ahmad Ghazi (1950-2010) in 1997. It was originally written in French language by Dr. Muhammad Hamidullah (1908-2002) under the title "Le Prophete del' Islam: Sa Vie et Son Oeuvre" in 1959. This magnum opus on Sirah, emerged in the French literature of the late 19th century, represents an epitome of the findings on Sirah or early Islamic history in chronological manner. This scholastic treatise portrays an inspiring observation and understanding about the life, labour and message of the Prophet of Islam (peace on him) from the religious, social, economic and political perspective, for the French-speaking world-community. This work endeavors to emphasize that Sirah is one of the fundamental secured institutions of Islam. Prophet Muhammad (peace on him) created and preserved a nation (Ummah) by forming the exemplary State of Madinah. Despite its frailty, this Ummah continuously prevails to this day on its basics; and throughout the entire history, Muslims have remained attached with Sirah.

Keywords: Islam, History, Sirah, Muhammad Hamidullah, Mahmood Ahmad Ghazi

---

* *Assistant Professor*, Department of Seerah & Islamic History, Faculty of Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad

My Brother

Mahmood Ahmad Ghazi

* **Muhammad al-Ghazali**

We lived so close to each other for half a century that I could never learn to live this life without him. When he suddenly left, it was quite difficult to cope with the challenge of surviving him in this world. I felt like a lone traveler left behind the caravan amidst shifting dunes of a wild desert.

But what Allah wills and destines is best for us. And despite the natural feeling of a huge loss, we should trust the Divine promise that my brother has been called to live in a higher sphere of existence far superior, infinitely more rewarding and fulfilling. Indeed it is our Creator, Sustainer, Dispenser of Mercy, The Loving Lord who gives us strength to face and surmount every difficulty and live in the hope of fulfillment of all His Promises. All moments of crises are traversed with Divine Support. Given faith, courage and ingenuity, these crises, with Allah's blessings, could easily be turned into veritable opportunities for achieving constructive ends. This level of unflinching faith, however, could be attained by the gifted few. This humble writer could not ever

---

* These personal impressions have been written by his younger brother, pupil and pal Muhammad al-Ghazali, who acknowledges his debt of gratitude to his revered teacher and guide Dr. S.M. Zaman for his kind help in improving the language of this essay on his request.

imagine himself to belong to this noble lot. Nevertheless, even for ordinary folk like myself, the burden of grief becomes lighter if faced with patience and solicitude. This inner strength is also provided by our Sustainer Lord and ere long, fleeting moments of sorrow are left behind.

It should also be remembered that the present is only a fine line between the past and the future. The present is constantly being turned into a bygone past. Therefore, we should keep our attention focused on the future. Because we could only improve our future, and have no control over our past. Therefore, we should be concerned with whatever is within our capacity and reach. This is the main lesson of life Islam has to teach. That is why our Religion discourages interest in futilities and pursuit of impossibilities. For this is not only wastage of time and opportunity but also brings loss of peace and tranquility. My brother seemed to have learnt this lesson well. I can easily visualize what would have been his counsel for me in this crisis. However, as I said, maintaining this persevering attitude requires constant effort as well as continuously relying on our Creator and Master. It is He Who puts us to tests and it is He who enables us to pass every test and carry on our voyage into eternity. Our faith in Him and reliance on His Help is the greatest source of our strength and fortitude in coping with all difficult challenges to our faith and servitude.

Now without celebrating what is past, let me say that my most precious treasure of life are the pleasant memories of the good times we spent together, doing many things together, sharing many good things of life and enjoying each other's company. And much more importantly, sharing our innermost thoughts and feelings and exchanging views and ideas freely. In all this interactive and intimate relationship that bound us the twain, almost like inseparable indistinguishable twins, I have been the main beneficiary. Though by his largesse, he always treated me as a friend, an equal, not like a younger brother dependant on him, as I actually was.

This trajectory of our shared existential enterprise is now like an attractive picture installed in the view, inscribed in the deepest recesses of soul and permanently decorates our domestic landscape. This is a picture that constantly inspires me toward all the good that my brother stood for and to emulate the example – for me a great ideal – that my brother set by every act and utterance I witnessed and heard during the last fifty years of our common, shared, intimate and gratifying life. But as I said, in this joint enterprise of shared living, however, I always remained at the receiving end. My brother showered his generosity upon me most lavishly and never asked for, nor ever expected any return. He was my role-model, teacher, mentor, benefactor and the most sincere friend and counselor in this human world after my parents and my dearest younger sister. May Allah reward him by His Infinite

Grace; a reward which – I am sure – he is already receiving in abundance.

We always remained so integral and attached to each other that many people who knew us from a distance thought that there lived only one individual. Such people – at times – took any of us for the other. When any such person met one of us, he would talk of things related to the other. And since there was hardly any secret between us, each of us would answer the query relating to the other with the same certainty and confidence. This was done only to save time. Because oftentimes it was difficult to convince such remote acquaintances of the actual duality instead of the assumed unity of the two brothers. On many occasions, Shakespeare's typical *Comedy of Errors* was enacted to our amusement.

Once such a comic situation occurred between this humble writer and the late President Ziaul-Haq. He had been well-acquainted with my brother. One afternoon, I was 'summoned' by him, to my surprise, since I had no familiarity with him. He did not even know my name. Nor was I particularly interested in that 'privilege'. The man who came to fetch me on his behalf suddenly walked into my office at the Council of Islamic Ideology where I then worked, and announced in a self-assured tone that the President had called for me. My spontaneous response was something like questioning his right to 'control' my freedom of movement even for a while. My brother could not be traced on

telephone to check whether I was being mistaken for him by the Protocol Officer resolutely waiting with the official limousine. In the end, I felt obliged to accompany the 'royal' emissary. When I was received by the President, he greeted me with warmth and a show of familiarity. He said: 'where had you been all this while? And he uttered such other phrases clearly indicating that he was mistaking me for my brother. At length, my true self was revealed to him. To overcome his embarrassment and to put my own fear of the unfamiliar at rest, he had a hearty laugh.

Likewise, often it was I who was met by his many friends, students and admirers, in Pakistan and abroad, whose ordinary questions I readily answered and later reported to my brother. Rarely did it happen the other way round.

This, however, does not mean that I always hid this duality for the sake of convenience or advantage. Whenever I was asked any academic question – meant actually for the elder brother – I hastened to reveal the 'duality', again for the sake of convenience. In fact, quite honestly I was never fit to be his substitute. I had often been seen – and rightly so, to my great pride – as an appendage to my brother. And I had been perfectly satisfied and happy with myself as a shadow of my tall brother, a sort of *buruzi* brother, as it were. That is why when the real spirit, the archetype that provided luster and meaning to this common existential pattern of a unique kind of living in unity yet in duality, namely, my brother was recalled to proceed to that stage of life which is

the real stage and hopefully admitted to Heaven, this surviving inferior mortal part felt the greatest pain that a human could possibly suffer. If I were to try an approximate description of this feeling, I could say that I felt like being cut into two uneven pieces, one of which (the real one) has been assigned to the blissful realm of the Hereafter while the other has been consigned to this tormenting *terra incognita*, – as it suddenly turned for him – to face all its melancholy music, its travails and troubles. I hope and pray that with Allah's Infinite Help, unending Support and superabundant Mercy, this phase will soon be traversed and I will be joined with the already liberated major part of the soul once again – *in sha Allah* in Paradise – thanks to sheer Divine Grace alone – and by no means – due to any justification.

I remember my brother faintly since the age of four. We went to the same *Maktab* together for learning the Qur'an when I was five and he was ten. He had, of course, started some five years earlier. By the time I was admitted to the *Maktab*, he had already memorized the Qur'an with late Hafiz Nazir Ahmad. This centre of Qur'an learning was at Karachi. I understand it still functions at a larger scale at the *Jami' Masjid* of Jacob Lines, in the vicinity of which we lived in modest government quarters from 1954 to 1964. When I was admitted to this Qur'anic school by my parents, I found my brother struggling hard with revising the Qur'an and rehearsing its recitation according to the grammar of *tajwid* under the supervision of a seasoned scholar of the Qur'an namely, Qari Waqa Allah 'Uthmni. I was assigned to a junior teacher, the late

Hafiz Muhammad Ilyas. This *maktab* had been established by the famous Mawlana Ihtisham ul-Haq Thanvi, reputed in those days as a popular public speaker in the religious circles of the country. The latter had been an old friend of our father since their early youth.

Early in the morning, we would to go to the *Maktab* together and returned by sunset. After a quick evening meal and a brief family get-together at home, our father-himself coming home after a long strenuous day of working in his office – would sit with us again for a kind of post-audit of that day's learning. This session was no less vigorous and awe-inspiring than the whole day's 'ordeal' at the *Maktab*. Those who have been exposed to the rough routine of a typical Qur'an school would well appreciate our situation. Our father-a highly organized and disciplined, methodical and meticulous, but extremely loving and caring man, continued this daily 'audit' for many years until we reached a certain stage of self-reliance and responsibility in our education. This thorough daily revision of the substance of knowledge gained on each day was continued by our father regularly well into several subsequent years even after we entered the stage of our regular education in the system of *Dars-i-Nizami*. This daily exercise was maintained more for my sake than for my brother. And looking in retrospect I feel that this daily supplement to regular academic diet was particularly helpful in my case since I was far from being brilliant and never could become a hardworking student all my life. Therefore, our dear father (may

Allah reward him tremendously), who was no mere disciplinarian, but a highly intelligent and innovative trainer of mind and tamer of soul, knew well that his younger son was much more in need of supplementary coaching. The case of my brother, however, was entirely different. His was a unique case. He never needed to be convinced even during childhood that acquisition and expansion of knowledge was an essential requirement of human vocation of life.

During the years spent at the *Maktab* in Karachi, my brother had been greatly inspired by our paternal grand mother. Though not formally educated, not even properly lettered, she had a vast and deep understanding of Islam, particularly its early history. She had a peculiar captivating style of narrating to her grandchildren, stories of the prophets and early heroes of Islam. Immediately after *Isha*, lights were put off and all activity was suspended in our home. Dear old *Amman*, as we called her, would attract the children, specially my brother who was more eligible age- wise to listen, grasp and register the morals conveyed in her rich stock of fascinating stories. Even otherwise, he had seen more of her and lived longer under her special care. He was particularly inspired by her charismatic personality like many others who knew her both in our larger family of relations and outsiders. Our dear *Amman* was an embodiment of love and affection, a repository of wisdom and a source of sincere counsel not only for her children and grandchildren but for so many other people who

became acquainted with her. But my brother was closest to her heart and enjoyed the position of her most favorite child.

Often *Amman* went out of the house- almost as a daily routine- to visit the nearby huts (*jhuggis*) inhabited by swarms of Muslim immigrants that had been coming from India. Our area in Jacob Lines was surrounded by a whole shanty-village in which these *wretched of the earth* fought their battle of existence. These poor but patriotic Pakistanis had still been flooding from India well into the late fifties. The male members of their families would go out in search of small labor to earn their daily bread. *Amman* had made a habit of visiting their ladies – left alone and forlorn having little to do save serving as domestic helpers in the houses of comparatively better off residents of Jacob Line quarters, for meager wages of 5-10 rupees per month. Even this little opening was not available to all.

In due course, *Amman*, by her regular visits made friends with many elderly ladies of then hutments, helping them with whatever material or money she could afford. Gradually she became a popular figure among these ladies and their children who also lovingly called her *Amman*. She became a source of solace for them. If she failed to fulfill many of their pressing needs, she would surely provide them some consolation in their miseries. She would often give practical advice to them in solving their small problems and thus rendered a sort of 'counseling' service for these ladies in her own way. After a while, these rootless creatures-

passing through many travails because they had opted for living in Pakistan- became greatly attracted to our grandmother whom they all acknowledged as their common *Amman.* The latter, however, did not confine her interaction with this community to mere mundane matters. She employed her natural gift of teaching and preaching- a talent she had applied to so many others with success- her own children included. *Amman* also secured great success with her new audience. She somehow succeeded, in the course of time, to instill into their injured hearts and souls, the soothing consolation that a strong faith in Islam alone could provide. But she did this in a friendly and imperceptible way. *Amman* was successful in transmitting to these ladies the supreme values of Islam through narrating stories and anecdotes in simple idiom and ordinary medium which they understood and willingly assimilated. On Fridays, *Amman* would hold a large assembly of these ladies at her own house. On Friday, therefore, our father would invariably spend his whole evening in the mosque till *isha* to allow full peace and privacy to these *hijab* - wearing ladies.

Eventually, these ladies- the informal students of *Amman*- adopted a positive attitude to life and learnt to overcome problems and worries arising out of their hard living conditions. A large number of their children were attracted to our house to take lessons in Qur'an-reading from our mother – *Amman*'s daughter in law – and their regular coming evolved into an informal Qur'an school at our house specially for the girl-children. The latter were

also trained- whenever time permitted- in small crafts of the household like cooking, sewing, knitting, and embroidery. Our mother- may her life be prolonged by Allah's mercy- continued this special service of running an informal coaching centre well after our *Amman*'s demise in 1959.

My brother worked throughout this period as a special lieutenant of *Amman*. He would often accompany her in her visits to the shanty village. In fact he was her preferred escort in all her visits outside the house. He keenly observed her and seems to have deeply absorbed the spirit of overflowing sincerity and altruism that animated *Amman*, as he perhaps also learnt the art of persuasive communication from this articulate lady. His impressionable mind at that tender age of 8-9 years seems to have deeply registered her simple method of teaching and effective mode of preaching- a method rooted essentially in sincerity of intention and intensity of speech. In many ways, my brother emulated the qualities of our beloved grandmother. And he loved her passionately as much as she showered her affection upon him. This indeed is a vital psychological factor in effective teaching and learning- a method whose origin is traceable to the Prophet (S.A.W).In many respects, my brother displayed the abiding impact of our grandmother on his over-all traits of character and features of personality. I have often reflected on the issue of upbringing specially with reference to my brother. What fascinated me, often caused bewilderment and always generated great respect for him, was that despite finding very limited opportunities

of formal education and spending almost nothing in the form of money and material resources on education, he could excel all those of his peers, cousins and friends who were much more fortunate in finding opportunities of excellent learning and highest standards of education at a very high material cost. Some of our cousins- first second and third- went to celebrated seats of learning in the world – in east and west, north and south, from New Zealand to America, from Japan to Egypt, from UK to the Arabian Gulf, and yet none of them could be compared with my brother in his broad outlook, vast accomplishments and a remarkably high level of originality in thought.

The answer, perhaps, lies to a great extent in the deep influence on him of our grandmother's matchless extraordinary personality- a personality the like of which is rarely seen is this human world, males included. It seems my brother's sincere and innocent service rendered enthusiastically to her very august, altruistic and noble mission- a mission that permeated her heart and soul and engaged her frail physique day and night – earned both the old missionary and her young lieutenant- a certain Divine approval and blessing. This latter fact seems to have been the foremost factor in my brother's unique evolution and singular success. He missed his loving mentor most terribly when she suddenly expired in September 1959 – in the same month on the same date when her illustrious grand son expired also suddenly fifty one years later on the same date: 26th September 2010. And my brother himself always fully acknowledged his debt to her. He

often reminisced about his close emotional attachment with her. He would often relate to his younger brother (the present scribe) and sister some of the most inspiring stories he heard from her. And these stories by no means were ordinary oft-related tales. These were intelligently selected by her and related to decisive events in history. Events that changed the entire course of early Muslim history in the first century of hijra. My brother often revealed the secret that his sharp grasp of the chronological order of the history of Islam had been essentially inculcated by our grandmother. Later readings only added colors. The basic structure had been put in place by her.

We had a younger sister too. She never went out to study anywhere formally. She learnt the Qur'an from our father at home. Later, at the age of forty, she also memorized the Qur'an by herself. With the help of my parents and brother, she easily learnt Urdu, English and Arabic and later rose to high standards of learning by her own personal interest and modest domestic efforts. She wrote and published many articles and booklets on Islam including Urdu translations of two important works from English, before she passed away at an early age of forty five in 2004. Like our grandmother, my sister too remained passionately engaged in teaching Qur'an to ladies of the neighborhood with translation and brief commentary. She completed the whole Qur'an teaching cycle about ten times. Likewise she too spent her leisure in social welfare activities along with other like-minded ladies. She had no children. Instead of treating this vacuum a

tragedy, she successfully converted this void in her life into an opportunity. She lavished her love on our children (of her two brothers) and this seemed to compensate her loss.

After about a year, in 1960, my brother was admitted to *Madrasa 'Arabiyya Islamiyya* – established a few years ago – by Mawlana Muhammad Yusuf Binnouri at Karachi. My brother studied there for four years until 1964 when our family had to be shifted to Islamabad, the new metropolis, since our father was in Government employment.

At the *Madrasa 'Arabiyya Islamiyya*, my brother had the good fortune to learn Arabic up to a higher standard than usually offered in our *madaris*. He took lessons in Arabic linguistics and literature, mastering its depths and subtleties, from a very able and outstanding teacher from Egypt who was deputed there by the Al-Azhar University. This teacher namely, *Ustadh* Muhammad Yasuf 'Atiyya was virtually the founder of a new trend in Arabic learning in Pakistan and during his short sojourn in Karachi, he was able to produce a number of eminent scholars of Arabic in this country, my brother included. He benefited from the exceptional genius of this teacher far beyond the classroom coaching. He established a close personal relation with him and greatly relished this association throughout his life. He used to visit his revered teacher regularly at his house to supplement his learning at the Madrasa. At that early stage of his education (at the age of 15), he had not only learnt to write Arabic prose with

facility but also developed a fine literary taste for the language of the Quran. Thus, an exceptional proficiency in Arabic language remained my brother's *forte* through his academic life. Another teacher who influenced my brother at that time was Mawlana Muhammad Hamid, the younger brother of the famous scholar and teacher of *hadith*, Mawlana Badr 'Alam, a great scholar of repute who had migrated to Madinah in the later part of his life and taught *hadith* at the *Haram* till the last moments of his life. When my brother joined the *Madrasa* in 1960, Mawlana Badr 'Alam was still on its faculty. Given the greed of my brother for knowledge and its worthy bearers, it is likely that he had occasions – to benefit from this luminary too. The latter's brother Mawlana Hamid, who was no less accomplished than his renowned brother, – though little known – remained engaged in teaching at the *Madrasa* till the end of his life. For some months, my brother was also afforded an opportunity to study *Usul al-Shashi* with Mawlana Muhammad Yusuf Binnouri himself. This happened when the regular teacher who was originally assigned to teach this text-book on *usul al-fiqh* had left for Madinah Munawwarah for advanced studies at the Islamic University there. My brother went straight to the head of the *Madrasa*, Mawlana Binnouri, agitated the issue before him and solicited his help to fill the gap. Looking at the keenness of the young student, the latter obliged and filled the gap himself.

His teachers at this *madrasa* included Mawlana Muhammad Idris Merathi. He was an experienced and expert

teacher of Islamic studies who left his mark on every student during his long and momentous teaching career in Pedagogy. This Mawlana Merathi later became the father-in-law of the well-known scholar and writer on Islamic Law, the late Dr. Ahmad Hasan who subsequently happened to be a colleague of my brother as a member of the research faculty at the Islamic Research Institute.

After shifting to Islamabad, my brother spent some time in the as a pupil of Mawlana Qari Muhammad Amin, an outstanding teacher who was a graduate of the famous *Madrasa Fatehpuri* at Delhi and was known to our father since those early days as the latter had been teaching Persian language in that seminary run by the famous scholar of Persian Qazi Sajjad Husain. After some time, my brother was admitted to *Dar al-'Ulum Ta'lim al- Qur'an*, the best reputed seminary in those days at Rawalpindi, established and managed by its dynamic founder, popular orator and Qur'an commentator Mawlana Ghulam Allah Khan. It was at this *Dar al-'Ulum*, that he passed his courses in *Dars-i-Nizami* and completed the final year of *hadith* studies in 1967.

During his stay in these *Madaris*, my brother never confined himself to the curricular scheme that was in vogue there. He acquired and read books extensively and thus constantly expanded his academic horizons. Though he had never formally learned Persian from any teacher but with little help from our father-himself a graduate of *Mazahir al-'Ulum*, Saharanpur and AMU (Aligarh) India, and well-versed in Persian, Arabic and

English, my brother managed to acquire a fair knowledge of Persian, and through regular reading, greatly enhanced his proficiency in this language. At an early age, he had developed sufficient taste for Persian literary works of prose and poetry. Later he passed with distinction the examination of *Fazil-i-Farisi* (Hons.) and was awarded a gold medal. In the later years of his life, he even composed verses in Persian and used this medium with facility for his adventures in self-expression and occasional spiritual catharsis, as it were. Some of his Persian Poems had been regularly carried by *Tahqiqat*, a monthly magazine published by Iran-Pakistan Research Centre, Islamabad.

While still at *Dar al 'Ulum Ta'lum al-Qur'an*, my brother became greatly fascinated with the poetry of Iqbal and writings of Mawlana Maududi. These two figures were generally frowned upon in the circles of *Madrasa* in those days. But my brother did not care to hide his interest in these towering contemporary figures of Islamic thought and openly exhibited his admiration for them. Despite his young age, he had earned great respect of his teachers as a keen student and earnest pupil. This respectability, which he enjoyed both among the faculty and the students of the *Madrasa*, prevented any unwelcome interference in his free pursuit of varied academic interests. It should be acknowledged in all fairness that the teachers of *madaris* in general held my brother in high esteem both during his association with them as a regular student and thereafter. This was indeed a great concession made by these people for him as this was an exceptional departure from the rigid

discipline usually imposed upon the students' community in a traditional *Madrasa*.

Before he formally completed the courses of *Dars-i-Nizami*, he privately pursued other formal studies side by side with the *Madrasa* education and passed Matric, F.A. *Adib-i-'Arabi*, *Fazil-i-'Arabi* and *Fazil-i-Farisi* (Hons.) examinations with distinction. He taught himself English with the help of an 'English-Made Easy' sort of a small book that he *per chance* purchased from an old bookshop in a dark alley frequented by him on our way to the *Madrasa*. During about 100 minutes' long journey between our home in Islamabad and the *Madrasa*, he would immerse himself in this English reader. He learnt this foreign language so silently and imperceptibly that this never seemed to be any issue for him. I do not remember him taking any particular help even from our father for this purpose.

Also, upon my father's insistence, after graduating from the *Madrasa*, my brother taught at *Madrasa Furqaniyya*, another *Madrasa* located at Rawalpindi, run under the stewardship of Mawlana 'Abd al-Hakim, a former member of the Parliament. This was an honorary assignment. My brother soon displayed his exceptional talents as an effective and successful teacher. The administration of the *Madrasa* was not quite reconciled to the intrusive presence of an alien looking non-conformist, somewhat unconventially attired youth. Instead of opposing my brother's entry, they conspired to collect for him all the hopeless students of

the *madrasa*, clubbing this 'human debris' together into one class. All these 'rejects' of different classes and of different age-groups – all of whom were older than their teacher –, were required to be taught Arabic verse and prose, grammar and composition all at once within the span of the few remaining months of the academic year. But when the result was announced, all these mediocres showed outstanding success and excelled many highly reckoned outstanding students.

However, whatever formal assignments might have engaged my brother at the *madrasa*, stray reading increasingly always fascinated him and he remained absorbed in them far beyond the requirement of completing curricula, passing exams or completing text-books. Visiting book-shops was as his favourite pastime. He had located many obscure places where old books were sold at throw-away prices. He thus made a good collection of books at a very early age. Even during childhood and adolescence, he seldom took interest in any sport or entertainment activity and remained devoted to books that always remained his dearest source of fulfillment and proudest possession. In those early days at Karachi, despite the fact that our family's income was quite modest, he was ever-ready to leave any other need of life for the sake of acquiring books. In later years, when Allah eased his financial difficulties and increased his resources, he spent lavishly on buying books.

After shifting to Islamabad, my brother often missed the vigor of the academic life that he immensely enjoyed at the *Madrasa 'Arabiyya Islamiyyah* of Karachi. It would not be an exaggeration to say that the only profitable class-room teaching that he ever received in his life was at this *Madrasa* which was a vibrant centre of Islamic education specially during the days of its great founder Mawlana Muhammad Yusuf Binnouri whose spirit of devotion and depth of learning pervaded the entire institution during the latter's life-time and even continued for many years posthumously and is still hopefully maintained to some extent. Courtesy and discretion – that always prevailed upon my brother's thoughts and responses – however, prevented him from complaining of the deficiencies of the teaching system that was practiced in the *Madaris* of Rawalpindi. Instead of any protest or complaint, that would have been of little avail, my brother took refuge in the endearing company of his books. He extensively read great works of his choice in diverse disciplines, and read with exceptional speed. His concentration, grasp and retention were remarkable. When he was only fifteen years of age, he had already delved deep in the basic sources of Islamic studies and exhaustively studied the celebrated works of the leading Muslim scholars specially those from the sub-continent like Shaikh Aḥmad Sarhindi, Shah Wali Allah and Mawlana Ashraf 'Ali Thanvi. Later in his academic career, he wrote several books on the thought and contribution of the former two among these luminaries. His readings covered works in Urdu, Persian, Arabic, English, and during the last three decades of his life, even French and German. The only limit on his reading was non-availability of

some works due to want of sufficient resources or inaccessibility of certain rare sources. He dedicated his limited fortunes to the procuring books far more enthusiastically than a newly wed bride would spend on jewelry or cosmetics. In the pursuit of this passion, he often earned the ire of his family, but put up with this displeasure as a price worth paying.

Some two-three years after we had been settled in Islamabad, one day my brother received news that was the craving of his life. He could not hide his excitement when he revealed to me that the famous Islamic Research Institute of Karachi had recently been shifted to Islamabad. This was in late 1967. He took me along and we set about in search of this newly found treasure. Islamabad was then a small functional bureaucratic sort of city, the distances of which could be covered on foot. So off we went to look for the Institute's premises in all corners of the city without any address or phone number in our knowledge. At last we found it situated in some residential houses in (Street 67) Sector G-6/4. It was quite dark when we succeeded in our discovery. From the next morning, my brother became a regular visitor of the Islamic Research Institute's Library where he was warmly received by its founder and custodian Mawlana Abdul-Quddus Hashimi. The latter – a disciple of Sayyid Sulaiman Nadawi – was an exceptionally gifted scholar. He was virtually a mobile library of Islamic studies and ever generous to share his learning with any sincere seeker of knowledge. My brother thenceforth starting frequenting his house as well. And indeed he benefited

tremendously from the company of this great savant. Mawlana Hashimi was no ordinary man. A graduate of *Nadwat al-'Ulama'*, Lucknow, he had a sharp grasp, a photographic memory and was deeply versed in the vast tradition of Islamic studies with its main currents, prominent shades and significant diversities. Besides, he was an immensely pleasant personality to meet and one seldom felt bored in his company. He treated my brother like his own son and showered his fatherly graces upon him from the first occasion of their mutual introduction. It seems both discovered in each other something they had been searching for. This mental frequency, established between the teacher and the pupil from their first sight of each other, reminds one of the famous lines of Mawlana Rumi:

> 'if the thirsty are searching for water in the land, the water too seeks the thirsty in this world'.

Indeed in Mawlana Hashimi, my brother seems to have found the fountain he was looking for to quench his thirst.

The Mawlana's fatherly treatment of my brother was so consistent and conspicuous that many people mistakenly took him to be his real son. After the Mawlana's demise in Karachi, many people even offered condolences to my brother under the same impression.

It seems to have been so destined that a great deal of deficiencies left in his learning at the *Madaris* of Rawalpindi – a

source of silent agony for my brother - were adequately compensated - thanks to Divine Grace - by his seemingly casual encounter - evolving into close and lasting association - with Mawlana Hashimi. The visit to his house became a daily routine of my brother and a refrain of his life's rhythm for many years - almost two decades. After each session with this Polymath, he would often share with this humble scribe and other family members, and with great zeal and relish, the essence of his daily academic acquisitions from these informal sessions.

Every meeting between the two was an intellectual feast not only for the young recipient but perhaps for the other side too in some measure. For the latter seemed to have discovered in my brother a real seeker of knowledge with insatiable thirst to regale himself from his overflowing fountain of knowledge, experience, sagacity and wisdom. Until the last moments of his life, the Mawlana maintained his fatherly patronage of my brother and the latter on his part revered him as his real benefactor and a godfather of sorts. The Mawlana would emerge from his house-located near the present *Holiday Inn*, Islamabad, a little before sunset for *Maghrib* prayers. He would pray at the Mosque in our neighborhood in (Street 16) sector G-6/2, and after *Maghrib*, my brother would almost invariably accompany him to his house, spending several hours in his educative and inspiring company. The Mawlana would do most of the talking. The subjects of his talk ranged from *Tafsir, hadith. Fiqh, Kalam, Sirah* and Islamic history to literature and poetry. Without any rigid formality of

teaching and learning, this great savant and spiritual mentor immensely benefited my brother and generously shared his deep and original insights into the vast expanse of Islamic studies. Indeed Mawlana Hashimi, with his varied and extraordinary accomplishments, represented the golden tradition of our great past in his grasp, memory, understanding, extensive knowledge and deep all-round awareness about *Tafsir*, *hadith*, *Sira*, *Fiqh*, *Kalam* and Arabic literary tradition, their major trends, central issues and prominent exponents. The Mawlana who had been a disciple of great scholars of his time including great stalwarts like Mawlana Syed Sulaiman Nadvi, displayed in his exceptional talents the superb qualities of his great teachers and mentors.

No less worthy of special mention is the influence that my brother received from another giant – a great and towering figure of recent times who contributed immensely and decisively to many landmarks of our national struggle for independence. He was also solely behind some of the most momentous events in the life of the Muslims of the present age as a whole. Despite his massive contribution to making Pakistan an Islamic Republic and to some other significant achievements made in this country's short career, he is little known, and almost entirely ignored by our historians. He was Mawlana Zafar Ahmad Ansari (d. 1992) one of the lieutenants of Quaid-e-Azam and among the chief architects of 1973 constitution and an outstanding political thinker and constitutional theoretician, a master negotiator and an almost solitary and anonymous *Mujahid* of Islam in his own way. There

arose hardly any significant move for the resurgence of Islam in the last century, in which this great *Mujahid* did not make a decisive and consequential contribution. His epoch-making contributions perhaps escaped notice by our historians if only because he was by temperament averse to publicity and self-projection.

It was the good fortune of this younger brother that he had the privilege of making Mawlana Ansari's acquaintance before the elder brother. The vivid memory of his first casual encounter with him is still fresh in his mind when he first saw this giant leader of the world of Islam on the fateful day of 20th December 1971 at East Pakistan House. The anguish of the dismemberment of Pakistan a few days ago, had taken this humble scribe to East Pakistan House, where a meeting of our national leaders was in session to deliberate over the great debacle and its implications for our country. He had gone there in great pain and sorrow searching for some solace for the morrow from the assembly of the national leaders he trusted and knew. After a brief meeting with late Mr. Mahmud Ali, a great Pakistani politician and Patriot from the Eastern wing, he was coming out with a heavy heart when a small cab stopped in front of the East Pakistan House. An old weather-beaten, seasoned looking but attractive elderly figure emerged from the cab and eagerly enquired from this humble scribe: 'Where could I find Nawwabzada Nasrullah Khan Sahib? I felt immediately tempted to escort him to the interior precincts of East Pakistan House (a building later used for years as the

headquarters of the Supreme Court of Pakistan located at Peshawar road). I asked for the late Mr. Mahmud Ali again with whom I had a prior acquaintance and whom I had met minutes ago. While walking across the lawns of that spacious mansion, the Mawlana introduced himself as simply: 'Zafar Ahmad Ansari', in his typically humble self-effacing manner. On my request Mr. Mahmud Ali re-emerged from the conference room, warmly received this veteran national leader and ushered him in. This was my first encounter with the colossus called Mawlana Ansari.

The first week of April 1972 brought Mawlana Ansari to Islamabad to attend the opening session of the constituent Assembly of which he was an independently elected member from Karachi. Thereafter, he regularly came for the Assembly Sessions and stayed sometimes for weeks at the MNAs Hostel at suite No.112. I and my brother became his regular visitors. Being younger, I often was sent by the Mawlana for small errands in the city of Islamabad for ordinary day to day needs like fetching medicines or purchase of *pans* from a nearby shop. On a couple of occasions, I was sent to fetch a taxi cab to take the Mawlana to the Prime Minister's House at Rawalpindi where he needed to go in connection with resolving important national issues with the late Mr. Z.A. Bhutto. Despite the latter's highest regard for the Mawlana and his ever-obliging attitude to him, the Mawlana refrained from seeking the smallest favour from him. Hence the need for the taxi to travel some 30 KM to see Mr. Bhutto at his Rawalpindi palace. I undertook these 'tasks' with a sense of pride.

I felt elevated to be of some use to a national leader of the highest caliber engaged in pursuing some national cause on behalf of the people of Pakistan. However, my brother soon earned a place of love and respect in the heart of Mawlana Ansari for his keenness and commitment to pursue higher long-term aims and objectives of national development that occupied the thoughts and initiatives of Mawlana Ansari, aims that transcended immediate political interests or expediences. Like his teacher, Mawlana Hashimi, Mawlana Ansari was no less instrumental in refining the intuition and imagination, defining the right direction for my brother's later academic orientation. Mawlana Ansari - who usually evaded public appearances and often maintained great reserve in mixing with people and sharing his views, increasingly trusted my brother. Gradually, he even started entrusting my brother with specific research tasks required for many of the grand strategies pursued for national development especially in the fields of constitution making and Islamization of Pakistani society and polity. An example of this trust that readily comes to mind is the task of defining the constitutional status of the Qadianis. My brother's role in this important landmark decision was confined to collecting relevant materials for the Mawlana. But later he was destined to play a bigger role in this issue when it was raised abroad. My brother was chosen by the Mawlana for presenting the Islamic point of view with regard to the famous or infamous Qadiani problem before the South African Supreme Court in 1987. It was at the behest of Mawlana Ansari that my brother was invited to appear as a witness in the capacity of an expert, at the Supreme Court of South Africa on behalf of the local Muslim

community. This task he accomplished to the satisfaction of the Mawlana under whose active guidance, he appeared before the Court daily for five weeks during October-December 1987. Another example of the Mawlanas trust in him – an honour that few others shared – is my brother's association with the national commission on the Islamization of the Constitution setup in the early 1980s, again on the sole recommendation of Mawlana Ansari, in which my brother made a not so modest contribution under the supervision of the Mawlana. These and many other activities of national significance initiated by the Mawlana, in which my brother became involved thanks to the former's patronage and guidance, greatly enriched my brother's fund of knowledge and experience and expanded his intellectual horizons. It was due to this close association with this great political and constitutional genius of the world of Islam that my brother developed unusual skills in comprehending and resolving complex problems in the spheres of law, constitution and judiciary. He employed these skills of his master with deftness and discretion subsequently when he was invited to hold certain important offices in the state. Thus my brother had the singular privilege of enjoying long association, trust and patronage of the Mawlana who had dedicated his life, with his whole heart and soul to the service of Islam, Pakistan and the Muslim Ummah. May Allah rest his soul in peace and reward him profusely, *Amin*! It seems probable to me that side by side with transmitting deep insights and original ideas, the Mawlana also transferred to my brother some portion of his great spirit of sincerity and zeal for the service of Islam and Pakistan.

As submitted above, the short scope of the present essay does not permit free use of pen to dilate upon the details of men and matters influencing my brother's life and shaping his personality. Therefore, I can only try to capture some flashes and highlights. The impact of our mother – May Allah prolong her blessed canopy over our heads – had been the most continuous and conspicuous. In so many ways, he resembled her. The most prominent of these personality traits that he seemed to have inherited from our mother is leniency, docility and tolerance. Unlike this humble writer, my brother was an embodiment of tolerance and clemency. He kept his cool in the face of the most provocative interlocutor. I often said to him in a lighter vein that he belonged to the Mu'awiya school of thought in tolerating nonsense, specially in the context of his conduct as a manager of man. Also being eldest, he had been blessed with unshared attention and care of our mother in her younger and healthier phase of life. Hence the deeper impact. It has been rightly said that behind every great man, there is a woman. I would qualify this maxim and replace the word 'woman' with mother. I am hopeful that my brother has already become a dweller of paradise and he has entered it under the shadow of our mother's blessed feet.

Also no less influential on my brother's later life – in his thirties and forties particularly – were some other highly prominent personalities from Pakistan and outside. These men included Dr. Muhammad Hamidullah (d. 2000), Dr. Ihsan Haqqi

(d. 1992), Dr. Mustafa al-Zarqa' (d. 1999), Mr. A.K. Brohi (d. 1987), the Founder-Rector of IIUI, and Justice Shaikh Aftab Husain (d. 1997), Chief Justice, Federal Shari'at Court (1982-1986) and last but not least our former Director General, Islamic Research Institute, Dr. S.M. Zaman. All these prominent figures – extraordinary and well-acknowledged in their fields – not only tremendously benefited my brother with their knowledge, wisdom and experience, but despite his being far junior in age, they shared their time most generously with him and treated him with utmost love and affection. They not only shared their valuable insights – the sun-total of their careers but also invested him with great self-confidence.

Returning to my brother's informal association with the Islamic Research Institute, it so happened that within weeks of my brother's newly found interest in the library of the Institute and its erudite librarian Mawlana Hashmi, he came across Shaikh Sawi 'Ali Sha'lan. The latter was a renowned Egyptian Poet invited by the late President Ayyub Khan on the advice of Qudratullah Shahab, then Education Secretary, to translate Allama Iqbal's poetic works into Arabic verse. The Egyptian guest was looking for a Pakistani scholar who could assist him in that assignment as the former was not sufficiently conversant with Persian and Urdu. When he met my brother, he was overjoyed to identify in him the scholar *par excellence* he was frantically looking for. My brother – himself a great lover of Iqbal – who had by then virtually memorized almost all his verse and digested much of his prose –

was more than happy to work with this Egyptian literary luminary. From the next day, they started working on this project. This joint enterprise produced some of the best specimens of the versified Arabic translation of Iqbal's literary legacy. The most outstanding example is the famous Ode entitled: *Shakwa* and *Jawab shakwa* published several times under the Arabic title: *hadith al-ruh* immortalized by the celebrated Queen of Egyptian Melody, Umm Kalthum. My brother remained associated with this leading literary figure of Egypt and helped him translate into versified Arabic, selections from Allama Iqbal's poetic works in Urdu and Persian. After about a year of vigorous activity fully shared by my brother, Shaikh Sawi suddenly left one morning for his home country without leaving a trace behind. My brother naturally regretted this abrupt departure of his senior associate and lamented the loss of this fertile literary resource provided to him by Providence. He, nevertheless remained ever indebted to him and always thanked Allah for this opportunity whereby he was able to further refine his skills in Arabic and greatly improved his linguistic capital and literary sensitivity through this yearlong association with this old and mysterious Egyptian fugitive. Soon, thereafter, my brother was offered a job of Research investigator at the Institute and thus he formally joined the institution with which he had been already so closely familiar, passionately attached and informally associated with his heart and soul.

After joining service at the institute, he became even more closely attached with Mawlana Hashimi. In those days, (1969-) the

Mawlana used to start his day with a short lesson in *hadith* from *Mishkat al-Masabih.* My brother naturally joined this class enthusiastically along with other senior scholars of the Institute. In the course of time, my brother also made acquaintance with some other prominent scholars associated with the institute at that time like Prof. Mazharuddin Siddiqi, Professor Muhammad Sarwar, Professor Saghir Hasan Masumi, Professor Qudratullah Fatimi, Professor Detlev Khalid (a visiting Professor from Germany) and Professor M.A. Khan. The latter belonged to the erstwhile East Pakistan, and under his guidance my brother wrote initial articles on Allal al-Fasi, a Moroccan revivalist scholar of the last century. Later, he was assigned to work on the 'Sanusiyyah movement of North Africa'. He completed this project in a matter of months which was published later under the auspices of the Shari'ah Academy, IIU under the same title. In the meanwhile, he passed M. A. exams in Arabic and Islamic Studies with distinction from the Punjab University.

Apart from his official assignment to work on al-Fasi, he wrote several articles on different other topics related to Islamic studies. Most of these articles were published in the *Fikr-o-Nazar*, the then monthly journal of the Institute which was edited in those days by an outstanding scholar, and an authority on the thought of Shah Wali Allah, Prof. Muhammad Sarwar. Later, (in 1980), this monthly journal was turned into a quarterly and my brother became its Editor along with his main editorial duties in *Al-Dirasat Islamiyyah*, the quarterly journal of the Institute in

Arabic. After sometime, he got himself registered as a Ph.D. student at Punjab University. For his thesis, he wrote a dissertation on the Role of Shah Wali Allah in Muslim Revivalism in India. In the writing of this dissertation, he was supervised by late Prof. Muhammad Aslam, the famous historian of Punjab University. However, due to some internal politics between rival groups of the University teachers, he could not earn the degree. Least discouraged by this maneuvering by unknown elements hostile to his illustrious supervisor, he submitted another thesis to the same University and secured the doctoral degree, though for many years he had been far too advanced in knowledge, erudition and scholarship than such formal accreditations could testify.

One great quality of my brother among so many others, was that he was least deterred from pursuing his academic course by pointless rivalries, jealousies and conspiracies that were constantly hatched by hostile elements against him throughout his career. Such ill-meaning machinations continued unabated till the last hours of his earthly life. Far from being exasperated by such mischiefs – that were more often planned and endlessly executed by those he favored immensely – he did never even complain of such malicious people. Even if mention was ever made of any individuals and their betrayals in his presence by others, he never gave vent to any suppressed vendetta and simply dismissed the topic with a characteristic smile. Far from nursing any vendetta, he continued to treat such individuals with kindness and courtesy and always refrained from venting his wrath against

these unscrupulous practitioners of vanity and wickedness. I am sure he must be enjoying abundant reward from his Lord for his enduring patience. May Allah forgive them and forgive us all.

These were some of the rare moral qualities that earned him so much love and adoration, honour and respect in the scholarly and learned community of the world of Islam – indeed a special Divine Grace. At the young age of thirty, he was widely acclaimed as a first rate scholar in the farthest corners of the world. During his academic career, he was invited hundreds of times to address assemblies of learned and scholarly people in the country and abroad. He was invited to assume the highest offices that any ambitious man could ever dream of, though he never entertained any worldly ambition for any of these sought-after positions. In fact, he never demanded any favor for himself from any one all his life. At least, I do not remember a single instance of such pursuit of personal interest. However, his constant and rapid rise in the ladder of worldly positions of power misled many to ascribe motives erroneously to that virtuous and God-fearing soul. Honors and acclamations my brother did receive in his country and abroad, endlessly and in abundance, but all this without the slightest suggestion, initiative or effort on his part. Shy and reserved by nature, and characterized by self-withdrawal, almost bordering on introversion, he received the highest distinctions of honour and prestige both within his own country, in several Muslim countries from Morocco to Malaysia, Kazakhstan to Qatar and even in some foreign lands inhabited by non-Muslims. It is a

matter of Divine grace that a talent ignored or nobility slighted in its own milieu, is often compensated by All┐h by acclamation from distant quarters, indeed a true measure of acknowledgement.

However, his occupying such challenging offices as a Federal Minister, a Judge of the superior courts, a Member of the National Security Council and President of the International Islamic University did not least diminish his preoccupation with academics, his passion for reading and writing, teaching and preaching, guiding and supervising research by enthusiastic young students and promising scholars. He was perhaps the only sitting member of the Federal cabinet in this country who taught regular courses in various academic programmes of the International Islamic University, an institution he so sincerely and diligently served. He helped conceiving, and then untiringly working for its development and expansion, physical and academic for three decades. For IIU, my brother sacrificed prime of his youth since the age of 28 till the age of 59½. The University administration hastened to retire this highest scholar of the highest caliber of international recognition and easily abandoned the most dedicated professor also the most sincere servant of Islamic education relentlessly serving its cause even before its conception – much to his disappointment – without a moment's hesitation – upon his slight suggestion to leave service a few months before his due date of retirement. He, however, had little regrets afterwards. At least he never complained.

Islamic education remained his real love and dearest vocation, his overriding passion throughout his life. It was for the sake of an intense academic struggle for exalting the word of Allah and establishing Allah's writ in human life that he lived and toiled to his utmost capacity till the last breath of his life. For rendering some worthwhile service to the cause of Muslim education and academia, he dedicated all his faculties, all his being, working day and night with endless zest and zeal.

May Allah forgive my brother's failings and lapses – something from which no human could be immune. May Allah forgive his younger brother too for all his mistakes and blunders. May He reward my dearest brother profusely, exalt his station in Paradise and admit him to the august company of those he loved most: the Prophets, the Truthful ones and the Pious elders of the community of the faithful. *Amin.*

The Life, contribution and achievements of Dr. Mahmood Ahmed Ghazi.

* **Dr. Ali Asghar Chshti**

In this article the author has discussed the main characteristics and stages of the life of Dr. M.A Ghazi. He also highlighted that role, which was played by Dr. Ghazi in promotion of various disciplines of Islamic Studies. Dr. Ghazi was born at Dehli (India) in 1950. In 1954 his family was shifted to Karachi. During his stay at Karachi, he got education from a renowned religious institution i.e. Madarssa A'arabiya Islamia founded by Allama Muhammad Yousuf Bannori. In 1960 his family once again shifted to newly established capital of Pakistan i.e. Islamabad. He completed his study of Dars-e-Nizami in 1968. In 1969, Dr. Ghazi joined the Islamic Research Institute as its fellow. During his service in the said institute he improved himself getting FA, BA & MA degrees respectively from educational boards & University of the Punjab. Later on Dr. Ghazi got his Ph.D from University of the Punjab in 1988. Dr. Ghazi worked as editor of a scholarly Arabic Journal i.e. "Addirassat-al-islamiya" from 1981 to 1988. He also worked as editor of the "Fikro-Nazar" from 1984 to 1988.

---

* *Prfo Dr. Ali Asghar Chisti, Dean* , Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, H-8, Islamabad

In 1988 Dr. Ghazi was appointed as Director General of the Da'wah Academy, International Islamic University Islamabad. He remained on the said Chair till 1994. In 1995 Dr. Ghazi elevated to the post of Vice President (Academics). In 1999 he was selected as member of the Security Council of Pakistan and then in2000 he was appointed as Federal Religious Minister. In 2004 Dr. Ghazi became the President of International Islamic University Islamabad. In 2007, Dr. Ghazi received an outstanding offer from University of Qatar. He accepted that offer and joined the Faculty of Islamic Studies at university of Qatar as Professor /Dean. In March 2010, Dr. Ghazi was appointed as Judge, Federal Shariat Court Islamabad, when he was availing his annual vacation at his home town i.e. Islamabad. He joined the Federal Shariat Court and resumed his duties as honourable Justice. Dr. Ghazi was very committed, sincere & comfort to the said task as his natural inclination was towards the field of Islamic Law & Jurisprudence. On 25/08/2010 Dr. Ghazi suddenly felt discomfort. Consequently he joined the CCU of PIMS. Early in the morning of 26/08/2010 he was no more in this world due to heart failure. After the prayer of Zuhar he was buried in the graveyard of H-10, Islamabad. Hundreds & thousands of his students, scholars, Lawyers & citizens of Islamabad/Rawalpindi participated in Namaz-e-Janaza. This paper is basically a comprehensive document on the life of Dr. Ghazi, consisting on 1st rate information as the author worked with Dr. Ghazi as colleague & close fellow.

MUHAZARAT-E-QURANI
BY DR. MAHMOOD AHMED GHAZI

* **Dr. Abdul Hameed Khan Abbassi**

This Paper aims to study the characteristics and introduction of Dr. Mahmood Ahmed Ghazi's book Muhazarat-e-Qurani. Prior to this, historical evolution of Quranic sciences has also been presented comprehensively to know how Quranic sciences have been under the evolutional process. As in Arab world Muslim scholars have contributed their best in the field of Islamic sciences by authoring numerous books, Muhazarat-e-Qurani is a valuable contribution in Sub-continent of Dr. Ghazi's lectures delivered in women gathering as per his sister Azra Farooqi's request.

The in-depth study illustrated some of the vital characteristics of this book, which are described in this article. It begins with the concept and spirit of Jihad, either by sword or by Quran, Jihad by Quran is being invoked mainly. The aims and objectives of reciting the Holy Quran is

* *Assistant Professor*, Department of Quran & Tafseer, Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

the important focus, how and why Muslims and non-Muslims recite it. A very immense and perilous misunderstanding of past and present is being highlighted with a way out for it. Dr. Ghazi suggests that to teach the Holy Quran, awareness of other sciences is not necessary but the mental and intellectual capacity of the learner is to be kept in mind.

Furthermore, in Muhazrat-e-Qurani Dr. Ghazi has declared all the scholarly work done by Muslim scholars in the field of Islamic sciences since the beginning of Islam to date, as uloom-ul-Quran (Quranic sciences) and Tafseer-e-Quran (commentary of Quran). He clearly expressed the fact that to translate the Holy Quran, some rules and regulations are to be followed strictly. About the presences of Israeli narrations in the commentary of Quran, Dr. Ghazi tells that Muslims are not biased to take references from other religions. Another vital characteristic of Muhazrat-e-Quran depicts the importance of teaching Quran and it is being considered very important in every era.

NEW DIMENSIONS IN U'LOOM-AL-QUR'AN IN THE LIGHT OF MUHAZIRAT-L-QURAN BY DR. MEHMOOD AHMAD GHAZI

* **Dr. Sana Ullah**

This paper attempts at an understanding of the new dimensions in the sciences of the Holy Quran which highlighted by Dr. Mahmood Ahmad Ghazi in his book-Muhazirat-l-Qur'an.

The Qur'an contains the revelation of ALLAH Sustainer of the universe, to mankind it is a message from The God to mankind and therefore of utmost importance to us, to properly grasp a message, one needs first of all to understand its contents exactly, and for this purpose one must study the Qur'an deeply and in detail.

Muslims have from earliest time, applied themselves not only to the message from Allah the Qur'an but also to its setting and framework, and the preoccupation with these ultimately developed in to the " Sciences" of or "Knowledge" about the Qur'an Known as "ulum al Qur'an"

It is no surprise to discover that the science of tafseer (ulum ul Qur'an) Started during the lifetime of the prophet□ himself, After the death of the prophet□ the science of Qur'an took on a more systematic approach there were many among the companions who were well known for their Knowledge of the Interpretation of the

* *Leturer,* Deptt of Tafseer, F/OAIS. A.I.O.U, Islamabad Hadith, I.I.U, Ibd

Qur'an as suyuti wrote. Ater the generation of the companions, the students of the companions took over the responsibility of explaining the Holy Qur'an, Finally the scholars of the later generation started compiling all of these sciences in to one book, and this began the era of the classic work on " ulum al Qur'an" when finally Burhan din al Zarkashee (d.794A.H) appeared with his monumental Al Burhaan fee uloom ul Qur'an, This is one of the great classic work in the feild of uloom al Qur'an. A little over a century later, Jalal ud deen al suyute (d.911.A.H) wrote Al Itqaan fi-ulum al Qur'an.

These two works are considered the standard resource works on ulum al Qur'an, and both have been printed a number of time during the last few decades.

Books on ulum al Qur'an continued to appear the throughout the centuries the better know books of this era have been Manahil al Irfan fi ulum al Quran by Shaikh Zurqani and one by Dr. Subhi Sahlih, entitled Mabaahith fi ulum al Qur'an and the other by Dr. Mannaa al Quttaan. In urdu Muhaazirat al Qur'ani)by Dr. Mahmook Ahmad Ghazi. Muhazirat-l-Qur'an, is in a book formate. This book published in January 2004, there are 404 pages in this book.

Finally to highlight new dimensions in the science of the Hily Qur'an in the light of Muhazirat l Qur'an are the hallmark of this paper.

Important Features of "Muhadirat Hadith"

* **Dr. Taj-ud-din Al Azhari**

Dr. Muhammad Ahmed Ghazi was born on Sept 18th, 1950 and died on Sept 26th, 2010. He has spent 60 years of his life in a productive and successful way. He worked at high ranks, made journey to 42 different countries and participated in more than a hundred conferences, yet he did not overlook writing books and left us with literary jewels of more than 30 books. When writing became unfeasible for him, he delivered lectures.

"Muhadirat Hidith" is a collection of his 12 lectures in which he has discussed hadith and its sciences in an attractive and a comprehensive manner; erased the doubts on hadith sciences and refuted the views of critics. He has reconciled the various meanings of the term "hadith" and has suggested the preferred opinion in case of various views on certain terms. Difficult terms are well interpreted. He has given true meaning to those ayat and ahadith which are taken by deniers of Sunnah as their

* Associate Professor, Chairman Deptt of Hadith, I.I.U, Ibd

arguments, to avoid the wrong impression on the listener and the reader. Orientlists efforts are criticized and sometime acknowledged. He has frequently discussed contribution of his contemporaries in this field. Listeners are advised to adopt a moderate approach and are persuaded to contribute enormously in hadith literature.

This article is meant to bring evident the distinct aspects of "Mahadirat hadith" and manifest its worth.

An analytical study of the "Muhadharat-e-Fiqh"

by Dr. Mehmood Ahmed Ghazi

* **Dr. Ghulam Yousaf**

In this article the author i.e. Dr. Ghulam Yousuf, Associate Professor, Department of Islamic Law F/O AIS, has introduced the book entitled "Muhadharat-e-Fiqh" and has discussed the main characteristics of it in a comprehensive manner. Basically this book as consisting on twelve lectures, which were delivered by Dr. M.A. Ghazi before a special class of audience. Later on these lectures were converted to chapters and compiled in the shape of a full fledge book.

Dr. M. A Ghazi was renowned scholar of Islamic Jurisprudence. He worked as member of Islamic Ideological Council for a long period. He remains judge of Supreme Court Sharia'h appellate bench. He taught Islamic Law & Islamic Jurisprudence at Faculty of

* *Assistant Professor, Department of Islamic Law, Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad*

Sharia'h & Law at International Islamic University as he was basically professor of that faculty. He also worked as professor & Dean in college of Islamic Studies at Qatar and did impart his knowledge to the students & scholars of that college. At the last he was appointed as judge of Federal Shariat Court of Pakistan. Due to his vast experience in the filed of Islamic Law & Jurisprudence, Dr. Ghazi achieved a tremendous status in the rank of his contemporaries. The compiler of this article did his best towards the collection of relevant material & selection of information. The article is valuable and beneficial for the students of Islamic Law & Jurisprudence.

A Critical Analysis of Dr. Mahmood Ahmad Ghazi's Concept of Cosmopolitan *Fiqh*

* **Dr Shahzad Iqbal Sham**

The author, in this article, initially by looking at the classical Fiqhi literature, concludes that during the past 13 centuries of the history of Islamic Jurisprudence, no considerable changes could be noted as regard to the application of Principles of Islamic Jurisprudence. The scientific development and introduction and application of technology brought a numerous changes into the life of human being which eventually needs some inevitable changes into the course of legislative process. To the author, Allama Iqbal was the first ever thinker in the modern Muslim history who drew attention of Muslim jurists to this phenomenon that changes are fact and are in front of Muslims, whereas available Fiqhi literature has not an ability to address the problems faced by the humanity and therefore, Iqbal hopes that whoever by looking at the whole Fiqhi literature proves the truthfulness of Islam would be the Mujaddid of the time.

* Associate Professor and Head Department of Correspondence Courses in Islamic Law, Shariah Academy, International Islamic University, Islamabad.

The author claims that nowadays it is not possible for a single jurist to be a Mujtahid Mutliq Mustaqil as centuries ago Imam Ghazali has already introduced the theory of Tajazzu al Ijtihad according to which the jurisprudential realm has been decentralized into the chapters of Fiqh so the jurists may take a specialized area of Fiqhi in which they, ignoring the other areas of Fiqh, may express their views.

Despite this explanation, the author emphasizes that the question raised by Iqbal is still alive and requires proper response. Therefore, he by looking at Dr Ghazi's writings and speeches says that Dr Mahmood Ahmad Ghazi is the only thinker in the contemporary Muslim history who addressed the question raised by Iqbal. The author concludes that according to Dr Ghazi's view point, nowadays our problems can not be solved keeping in view a single Fiqhi school of thought, rather a Cosmopolitan Fiqh--- a cock tail of all Fiqhi School of thought--- is being emerged automatically and according to the author it is the turning point of Islamic Jurisprudence which Dr Ghazi has described at very right time.

The author, however, points out that though the clues of Dr Ghazi's Cosmopolitan Fiqh can, in the form of theory of Mira't al Khilaf and the concept of Talfiq, be found in Islamic Jurisprudence, the emergence of this Cosmopolitan Fiqh still needs its proper principles and this process may require decades or even centuries. At the end the author hopes that a serious scholar may take this discourse as his Ph D thesis and be produced a holistic picture of Cosmopolitan Fiqh.

The Structure and the Curriculum of Religious Schools (Deeni Madaris) in the opinions of Dr. Mahmood Ahmad Ghazi

* **Dr. Shah Moeen ud din Hashmi**

Dr. Mahmood Ahmad Ghazi discussed the important issues of the structure of the Religious Schools and their Curriculum. Throughout his life, he tried to develop a comprehensive and balanced structure for religious education in general for Islamic world and in particular for Pakistan. Furthermore, his written work and speeches provide ample evidence of his struggle in this regard. He also, tried to prepare such people who could provide a shoulder to establish such a system in our country.

The association between Modern and Religious Sciences and many other such disciplines has remained the centre of argument between Islamic and Western Scholars in recent years. On these scholarly arguments, the role of the western media remained partial and biased. Owing to these ambiguities, many doubts have been created about system of Madrasas and its Curriculum. For instance giving an argument about this system, it is claimed that education of modern world bears the responsibility of sorting out the

---

* *Assistant Professor, Department of Hadith & Seerah, Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad*

economical and social issues of today's world. Dr. Mahmood Ahmad Ghazi drew the attention of the scholars to this vital issue and tried to wipe out the uncertainty of the Western World regarding the system of Deeni Madaris.

Explaining the services and the responsibilities of Deeni Madaris, Dr Ghazi claims that these Madaris are doing such a social work in our country which cannot be compared with the work of any other welfare organization. These Madaris are providing shelter, food and religious education to at least more than 1.5 million poor children in Pakistan. The expenses of this system are not met by the government funding, and the Madaris are promoting education amongst chose people of Pakistan who belongs to the poor strata of life. They are taking care of the poor class and bringing them into the main stream of the society.

As for as national interest is concerned in connection with these Madaris, Dr. Ghazi says that the real objective of all those scholars, specialist, jurists and interpreters who get education in Madrasas should be to develop Pakistan as a welfare Islamic State. These scholars who are teaching in these Madrasas should also provide real spirit of Islamic studies to all the Muslims. The scholars of Muslim Ummah should also provide clear lines that have been described by the Holy Quran and the Sunnah of the Prophet Muhammad SAW.

There is no doubt that the specializations are required in various aspects of Religious Education but the following disciplines in the eyes of Dr. Ghazi carry more significant.

Dr. Ghazi has described the fields of specialization for the religious scholars by pointing out few of the most important fields:

1. Tafseer and Quranic Sciences
2. Hadith and Sciences of Hadith
3. Jurisprudence and its principles
4. Fiats and Judiciary
5. Belief and Kalam
6. Islamic Economics and Business
7. Comparative Religions
8. Contemporary thoughts and study of Western Sciences
9. Islam and Islamic Civilizations in modern era
10. Arabic Language and Literature

Dr. Ghazi was of the opinion that changes in this regard would not be made at extensive levels but there was a dire need to introduce minor amendments in the curriculum to meet the challenges of the present world. For instance, he was of the view that students should learn Arabic and English along with the subjects from natural and social sciences to bring the Deeni Madaris at par with modern institutions.

"Muhkamat Alam-i-Qur'ânî"

* **Dr. Junaid Ahamad Hashimi**

This papers attempts to present a reading of the book "Muhkamat Alam-i-Qur'ânî" written by Dr. Mahmood Ahmad Ghazi, which delineates upon the themes, concepts, and characteristics of the "Quranic world" or state, in the light of "Javaid Nama" by Dr. Allama Muhammad Iqbal.

The book deales with the philosophical concepts and practical aspects of the subject.

This book has rich scholarly discourse, which can be considered as an important contribution to the field of "Iqbaliyat". The complier of this paper did his best to high lit the major aspects of the book befour its readers. The paper is beneficial for the scholars of Islamic studies and for those who are familiar with literature of Allama Mohammad Iqbal

---

* Assistant Professor, F/O Usool-ud-din, I.I.U, Sector H-10.

My Brother

Mahmood Ahmad Ghazi

***Muhammd Al-Ghazali**

My brother, Dr. Mahmood A. Ghazi (May Allah reward him by His Infinite Grace) has been my role-model, teacher, mentor, benefactor and the most sincere friend. The memories of time spent with him are the most precious thing in my life. He memorized the Qur'an in early childhood, in this age, he greatly inspired by our paternal grandmother, who had a deep understanding of Islam, particularly its early history. She was an embodiment of love and affection, wisdom and a sincerity. The impact of our grandmother was very strong on his personality.

In 1960 he admitted to *Madrasa 'Arabiyya Islamiyya* established by Mawlana Muhammad Yusuf Binnouri until 1964. Being student of *Ustadh* Muhammad Yasuf 'Atiyya he acquired an exceptional proficiency in Arabic language which was the backbone of his academic life. After shifting to Islamabad, he completed courses in *Dars-i-Nizami* at *Dar al-'Ulum Ta'lim al- Qur'an* in 1967. Among leading contemporary figures of Islamic thought, he was greatly fascinated with the poetry of Iqbal and writings of Mawlana Maududi. He benefited tremendously from the company of Mawlana Abdul-Quddus Hashimi & Zafar Ahmad Ansari. My brother was chosen by Maulana Ansari for presenting the Islamic point of view with regard to the Qadiani problem before the South African Supreme Court in 1987. He was also associated with the national commission on the Islamization of the Constitution setup in the early 1980s. He developed unusual skills in comprehending and resolving

Professor, IRI, IIU, Islamabad

complex problems in the spheres of law, constitution and judiciary.

In his later life he was mostly influenced by several prominent personalities from Pakistan and outside included Dr. Muhammad Hamidullah, Dr. Ihsan Haqqi, Dr. Mustafa al-Zarqa', Mr. A.K. Brohi, Justice Shaikh Aftab Husain & Dr. S.M. Zaman.

He has been the Editor of *Fikr-o-Nazar* & *Al-Dirasat Islamiyyah.* He secured his Ph.D. Degree from Punjab University. Due to internal politics & rivalry, he has to submit two theses in the same university to obtain the degree. Rivalries, jealousies and conspiracies constantly came across him by hostile elements throughout his career & till the last hours of his earthly life but he always treated such individuals with kindness and courtesy. He earned honour and respect in the scholarly and learned Muslim community worldwide. He was invited to assume the highest offices & received several honours in this country and abroad; without any initiative or effort on his part. Challenging positions such as Federal Minister, Judge of the superior courts, Member of the National Security Council and President of the International Islamic University did not effect his academic activities & he kept rendering service to the cause of Islamic education and academia till the last breath of his life.

Dr. Mehmood Ahmad Ghazi and salient features of his style and thinking in the light of his publications in Arabic

* **Dr. Fazlullah,**

The article sheds light on the life of Dr. Mehmood Ahmad Ghazi in brief describing his birth, his academic and ideological life, in addition to the posts he worked on. The article then discussed his publications on different topics in different languages such as Arabic, Urdu and English. The article pointed d to the moral character of Dr. Mehmood as it pointed to his profound thought, excellent writing rhetoric style his efforts, piety and above all his steadfast relationship with the Holy Quran and his love with the Holy Prophet (P.M.U.H).

The article discussed the features of the style of Dr. Mehmood Ahmad Ghazi exploring that he had command over language. That is why his style was grand not having any type of complications embellished with similes, metaphors, proverbs and metonymies. He attached very much importance to the context of situation, taking care of the audience. Similarly, the impact of Quran and the Sunnah is very clear in his writings. Althogh repetition is found in his writings & speech there is rhetoric rationale behind it.

The article tried to discuss the thought of Dr. Ghazi briefly. because the topic is vast. So the most important of his preference have been discussed first. They are as follows:-

1. Combination between legacy and contemporariness.
2. Mildness
3. Islamization of Islamic sciences and improvement of the methodologies.

* Associate Professor, Faculty of Arabic, IIU, Islamabad

4. Refutation of the western civilization and its philosophy.

Encompassing all the thoughts of Dr. Ghazi is very difficult because he was a very genius person having intelligence and the sense of revival. He was a philosophers in both Islamic and social sciences, fulfilling the requirements of ijtihad. He also had knowledge of new topics such as globalization, apprehending the dangers of the Christian missionaries. He attached importance to the problem of Muslims and the challenges they face. He knew better the foundations of western civilization and the plight of Muslim community. He felt the need for Muslims to shoulder the responsibility in this critical time. His approach was objective. He studied the situation first and then suggested appropriate solutions. He was a critique of western civilization and culture.

The scholarly efforts of
Dr. Mahmood Ahmed Ghazi
Study through his book
"International Islamic Law"

* **Dr. Mohammad Ali Ghory**

It has been consistent practice in universities and cultural centers in the Indian sub-continent to arrange series of lectures on the various subjects, for example series of lectures delivered by the philosopher Muhammad Iqbal, Sheikh Suleiman Nadwi, Mohamed Marmadjok in Bacthal city and others.

Bahawalpure University adopted this tradition in the starting with lectures delivered by Dr. Muhammad Hamidullah in the subject of biography of the holy Prophet (pease be upon him), and after fifteen years Dr. Mahmood Ahmed Ghazi delivered the second series of lectures in the same university on the International Islamic law, in which he reviewed all aspects of this subject, comparing the Islamic law with other manmade laws and this is distinguishing feature of this series. Dr. Mahmood Ahmed Ghazi wrote more

---

Assistant Professor, Department of Arabic, International Islamic University, Islamabad.

than thirty books in Arabic, English and Urdu languages on intellectual and legislative, political and Islamic economical, educational, historical, biographical issues, especially in the field of jurisprudence and law, and his book "The International Islamic Law" is a series of lectures delivered in 1995 at the mentioned university, and published in 2007 by Sharia Academy, International Islamic University, Islamabad.

Topics of this book which is called "Khutbat Bahawalpure" are:

- First speech: General introduction of Islamic law.
- Second speech: Introduction of International Islamic law.
- Third speech: International Islamic Law: a Comparative study.
- Fourth speech: International Islamic Law: a Historical study.
- Fifth speech: Islamic concept of the government from the international perspective.
- Sixth speech: Migration and its philosophy in the light of international relations.
- Seventh speech: Islamic government and its relationship to non-Muslims.
- Eighth speech: The law of war and its position in Islam.
- Ninth speech: Concept of neutrality in Islam.

- Tenth speech: Private International Law in Islam.
- Eleventh speech: Importance of international law in the modern era.
- Twelfth speech: Muslim minorities in modern secular states.

In the first nine lectures, Dr. Ghazi focused on General international law, and in the tenth lecture he spoke about the private international law by pointing towards its basis in Islam comparing with the manmade laws in the past and present.

The subject of the last two lectures - the eleventh and twelfth – is different from previous lectures. In these two lectures Dr. Ghazi spoke about the importance of both General International Islamic Law and Private International Islamic Law in the modern era.

According to Dr Ghazi we are all responsible for what we are suffering from; rulers and subjects, groups and individuals, and he believes that the distribution of the Islamic nation into teams and groups does not prevent the implementation of Islamic law, on the contrary the implementation of Islamic law will reduces the distance between people, and will work for the unity the Islamic community.

Dr. Mahmood Ahmad Ghazi

* **Dr. Asmat ullah**

The article attempts to analyze the views and the works of Dr. Mahmood Ahmad Ghazi, one of the most influncal intellectual, scholar and the academican of Islamic world of recent times. Initially trained in the local traditional religious institutions (madrahs) Dr. Ghazi acquired the modern education in the social sciences and became a personality balancing the both Islamic and Western traditions.

This article begins with exploring the important personalites who had played an important role - either through teaching or training – for shaping the persoanlity of Dr. Ghazi.

Perhaps, the most important aspect of Dr. Ghazi's personality is his works on the Islamic Law and Jurisprudence. He has produced at least a baker's dozen books in the field ranging from International Islamic Law, legislation of Islamic Texts and the history of Islamic legal thought. His endeavor for the implementation of Islamic law is also admiring and impersive. As an academican he led the International Islamic University, Islamabad, as jurist he presented many works on the Islamic law legistlation, as judge he worked in the Federal Shariat Court, as a reseracher he prodcued a plethara of works covering Islamic law, Quran, Hadith and its sciences, Sirah, Economic, Political Science etc. He is truly a role model for those who faithfully want to promote Islam and its Sciences not only in the Muslim Societies but to the whole world.

---

* . Assistant Prof. Islami Research Institute I.I.U. Islamabad

Traditional Islamic Education and Its Relevance Today

* **Dr. Mahmood Ahmad Ghazi**

For a long period of time now, the dichotomy in the education of Muslims in Subcontinent has put them at an immense detriment. On one hand, the *Madaaris* teach traditional Islamic education, primarily focusing on the core values of classical Islam and, on the other hand the mainstream educational institutions underscoring modern education, largely lack in Islamic value based mode of knowledge, thereby depriving their students of competence and skills of Islam. The late Dr. Mahmood Ahmad Ghazi had a unique scholarly background where he tasted the both sides of the divide (traditional Islamic and contemporary modernized education). Being well acquainted with the motives and requirements of both, he always played a vital role in trying to establish a harmonious alliance between the two .The following lecture, delivered in United Kingdom is a momentous part of the same series where not only he divulged the illuminated history of the beacons of traditional Islamic education in Subcontinent but also put forward some very invaluable and exquisite recommendations for the improvement and upward mobility of *Madaaris* in Subcontinent.

---

* *Lecture* delivered by Dr. M.A. Ghazi and edits by Miss Samina Aziz, Lecturer in Quranic Sciences, Faculty of Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad.

The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol.1 by Mahmood Ahmad Ghazi: A Reading

* **Dr. Muhammad Junaid Nadvi**

This article is a reading of the book "The Life & Work of the Prophet of Islam, Vol. 1", translated in English language by Dr. Mahmood Ahmad Ghazi (1950-2010) in 1997. It was originally written in French language by Dr. Muhammad Hamidullah (1908-2002) under the title "Le Prophete del' Islam: Sa Vie et Son Oeuvre" in 1959. This magnum opus on Sirah, emerged in the French literature of the late 19th century, represents an epitome of the findings on Sirah or early Islamic history in chronological manner. This scholastic treatise portrays an inspiring observation and understanding about the life, labour and message of the Prophet of Islam (peace on him) from the religious, social, economic and political perspective, for the French-speaking world-community. This work endeavors to emphasize that Sirah is one of the fundamental secured institutions of Islam. Prophet Muhammad (peace on him) created and preserved a nation (Ummah) by forming the exemplary State of Madinah. Despite its frailty, this Ummah continuously prevails to this day on its basics; and throughout the entire history, Muslims have remained attached with Sirah.

Keywords: Islam, History, Sirah, Muhammad Hamidullah, Mahmood Ahmad Ghazi

---

* *Assistant Professor*, Department of Seerah & Islamic History, Faculty of Islamic Studies, International Islamic University, Islamabad

Research Journal

MA'ARIF-E-ISLAMI

H.E.C. APPROVED

Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad.

Volume: 10 Issue: 1
January 2011 - June 2011

My Brother
Dr. Muhammad al-Ghazali

Traditional Islamic Education and its relevance today
Dr. Mehmood Ahmed Ghazi

The Life & Work of the Prophet of Islam
By Dr. Mehmood Ahmed Ghazi .... *an analytical study*
Dr. Junaid Nadvi